

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب : تصوف — ایک باطل مذہب
تصنیف : محمد افضل احمد
صفحات : ۳۸۴
اشاعت : ۲۰۱۱ء
قیمت : 200/-
مطبع : بھارت آفسیٹ، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

تصوف ایک باطل مذہب

محمد افضل احمد

TASAVVUF — EK BATIL MAZHAB

By

Mohammad Afzal Ahmad

افضل پبلیکیشنز

H-35A, Abul Fazl Enclave-I
Jamia Nagar, New Delhi - 110025

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝

(النِّسَاء: ۱۷۴)

(لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ
لِّلْمُسْلِمِينَ ۝

(النَّحْل: ۸۹)

(اور ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے مسلمانوں کے لیے)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

فَمَن اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

(يُونُس: ۱۰۸)

(اب جو سیدھی راہ اختیار کرے، اس کی راست روی اسی کے لیے مفید ہے اور جو گمراہ رہے، اس کی گمراہی اسی کے لیے تباہ کن ہے۔)

فہرست

۲۱۸-۲۰۹	☆	باب ۷ اعمال-۲
۲۳۶-۲۱۹	☆	باب ۸ علم
۲۵۲-۲۳۷	☆	باب ۹ دیگر ارکان تصوف
۲۶۹-۲۵۳	☆	باب ۱۰ اجزائے ترکیبی
۲۷۵-۲۷۰	☆	باب ۱۱ خلاف اسلام
۲۹۷-۲۷۶	☆	باب ۱۲ صوفیہ اور امت مسلمہ
۳۳۹-۲۹۸	☆	باب ۱۳ تصوف کی حقیقت اور اس کا ارتقاء
۳۴۸-۳۴۰	☆	باب ۱۴ خلاصہ بحث
۳۸۳-۳۴۹	☆	☆ حواشی و مراجع
	☆	پیش لفظ
	☆	باب ۱ مقدمہ
	☆	باب ۲ عقیدہ توحید-۱
	☆	باب ۳ عقیدہ توحید-۲
	☆	باب ۴ عقیدہ رسالت
	☆	باب ۵ عقیدہ آخرت
	☆	باب ۶ اعمال-۱
	☆	۸-۷
	☆	۱۵-۹
	☆	۷۷-۱۶
	☆	۱۱۸-۷۸
	☆	۱۶۴-۱۱۹
	☆	۱۸۰-۱۶۵
	☆	۲۰۸-۱۸۱

اختیارات سے تو ضرور ہی واقف ہوتے ہیں، بلکہ بیشتر لوگ ان کے مزار کی زیارتوں سے بھی شرف یاب ہو چکے ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے حق میں صرف اشارے ہی کافی ہیں۔

طوالت سے بچتے ہوئے تصوف کے تمام موضوعات کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ صرف چند اہم اور بنیادی اجزاء ہی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان ہی خطوط پر دیگر اجزائے تصوف کو بھی جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ ہانڈی کا ایک گلا ہوا چاول پوری ہانڈی کے چاول کے گلے ہونے کی نشان دہی کرتا ہے۔ مثالوں اور حوالوں کے تعلق سے بھی طوالت سے بچنے کے لیے محض چند اکابرین شیوخ طریقت و معرفت پر اکتفا کیا گیا ہے اور اس سلسلے کو بھی عالم ربانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک محدود رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ اول تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صوفیہ کے تمام اہم سلسلوں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ وغیرہ کے جامع ہیں۔ دوم یہ کہ شاہ ولی اللہ دہلوی وہ شخص ہیں جنہوں نے خود بھی اپنی امامت، وصایت، قطبیت اور قائم الزمانیت کا دعویٰ کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بکثرت لوگ بھی انہیں ان مناصب مزعومہ پر فائز قرار دیتے ہیں اور ان کے ان تمام دعووں کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں۔ سوم یہ کہ کم از کم برصغیر میں بلا استثناء تمام جماعتوں، گروہوں، تنظیموں، اداروں اور درس گاہوں کے لوگ شاہ ولی اللہ دہلوی کے معتقد اور معتمد ہیں۔ سبھی انہیں اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں اور ان سے کسب فیض کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں ضمناً شاہ ولی اللہ دہلوی کے بعد کے لوگوں کی ایسی مثالیں اور حوالے بھی پیش کیے گئے، جن سے صرف نظر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

اس کتاب میں بطور استناد جو کچھ بھی مثالیں اور حوالے پیش کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک دو کے سوا باقی تمام کے تمام یا تو براہ راست صوفیہ یا پھر تصوف کے حامل اور حامی مصنفین و محققین کے اقوال، ملفوظات اور تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ناچیز کی اس حقیر سی کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور اسے لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

محمد افضل احمد
نئی دہلی

۱۴۲۷ھ / ربیع الثانی، ۱۴۲۷ھ
مطابق ۷ مئی ۲۰۰۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

الحمد لله رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ الامین

اس کتاب میں نہ تو تصوف کی پوری تاریخ پیش کرنا مقصود ہے، نہ ہی تصوف کے سارے عقائد و نظریات، افکار و خیالات، کشف و شہود اور حکایات و کرامات کے برسر باطل ہونے کی دلیلیں فراہم کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ اول تو صوفیہ کا ساڑھے بارہ سو سالوں پر محیط ہر ایک خطہ ارضی سے منسلک ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ دوم یہ کہ صاحبان کشف و الہام اور عاشقان وجد و حال کی ایک ایسی وافر تعداد ہے جنہوں نے تصوف اور صوفیہ سے متعلق اقوال، ملفوظات اور تصنیفات کا ایک بہت ہی بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور روز افزوں اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ان سب کا اگر مختصر طور پر بھی ذکر اور تجزیہ کیا جائے تو اس کے لیے درجنوں ضخیم جلدیں درکار ہوں گی۔ البتہ تصوف کی اصلیت اور حقیقت کو واضح کرنا، اس کی اسلام دشمن کارستانیوں سے مطہر کرنا، اس کے دجل و فریب سے آگاہ کرنا اور صدیوں سے اس پر ڈالے ہوئے حجابات کو واشگاف کرنا پیش نظر ہے۔

تصوف کے کسی بھی عقیدہ و عمل اور فکر و خیال سے متعلق معدودے چند مثالوں اور حوالوں ہی پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ کتاب کی ضخامت سے بچتے ہوئے زیادہ سے زیادہ موضوعات و مسائل کا ذکر ممکن ہو سکے۔ یوں بھی تصوف اور اس کے عقائد و نظریات، ہدایات و احکامات اور واقعات و کرامات اس قدر زبان زد خاص و عام ہیں کہ اس سلسلے میں محض اشارے بھی پوری طرح کفایت کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ عام لوگ قرآنی تعلیمات و ہدایات اور اس کے احکام و مسائل کے مقابلے میں تصوف اور صوفیہ کے احوال و اقوال، کشف و شہود اور کرامات و تصرفات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ قرآن میں واضح کردہ اسلام اور کفر و شرک کے فرق سے لوگ چاہے آگاہ نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ معاشرتی، معاشی، سیاسی اور تمدنی ذمہ داریوں سے لوگ چاہے واقف نہ ہوں لیکن نظام الدین اولیاء، بابا فرید گنج شکر، خواجہ معین الدین چشتی، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کے کشف و کرامات اور تصرفات و

باب ۱

مقدمہ

اسلام، ایمان اور اعمال صالح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں ہی کی اپنی اپنی علامتیں اور تقاضے ہیں، لیکن دونوں ہی اجزاء ایک دوسرے کے جزو لاینفک اور لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان کا تعلق اصلاً دل سے ہے۔ اس کے اظہارات دو ہیں۔ ایک اظہار تو زبان سے اقرار کرنا ہے اور اس کا دوسرا اظہار یا زبانی اقرار کا ثبوت صالح اعمال ہیں۔ لہذا، کسی کے ایمان کی صداقت اور قبولیت کا دار و مدار زبانی اقرار ایمان کے بعد اس کے صالح اعمال پر ہے۔ صالح اعمال کے بغیر دعوائے ایمان نہ صرف جھوٹ ہے بلکہ فسق و نفاق اور اپنے نفس کو فریب دینا ہے۔ ٹھیک اسی طرح صالح اعمال ایمان کے بغیر ممکن ہی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ صالح اعمال کا رشتہ ایمان سے بندھا ہوا ہے اور یہ ایمان ہی ہے جو اعمال کو متعین اور منضبط کرتا ہے۔ مثلاً کسی کو اس بات پر ایمان ہی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز فرض کیا ہے یا اس بات پر تو اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کیا ہے لیکن اگر یہ یقین نہ ہو کہ کوئی اس پر نگران بھی ہے، تو وہ نماز جیسی گراں بار عبادت کیوں بجالائے، اور اگر یہ بھی پختہ اعتماد ہو کہ اللہ تعالیٰ نگران بھی ہے، لیکن اسے اس بات کا قطعی یقین نہ ہو کہ نماز کی ادائیگی پر اجر و ثواب اور عدم ادائیگی کی صورت میں سزا و عذاب مقدر کر دیا گیا ہے تو بھی اسے نماز جیسا سخت عمل کیوں کر اپنی طرف ملتفت کر سکتا ہے۔

قرآن کریم واضح طور پر اور دو ٹوک انداز میں بار بار حقیقی کامیابی، سرخ روئی، اجر عظیم، جنت اور اس کی انواع و اقسام کی نعمتوں کے حصول کے لیے دونوں چیزوں کو شرط لازم قرار دیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم سے چند کلمات پیش ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ (الْبُرُوجِ: ۱۱)

(بے شک ان کے لیے جنت ہے جنہوں نے ایمان لائے اور صالح اعمال کیے۔)
إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ (مُحَمَّد: ۱۲)
(بے شک اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور اعمال صالح کرنے والوں کو جنتوں میں داخل کرے گا۔)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا
(الْفَتْح: ۲۹)

(ایمان اور عمل صالح والوں سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔)

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ (الْمُؤْمِن: ۴۰)

اور جس نے عمل صالح کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مؤمن، ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔)

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ط (فَاطِر: ۱۰)
(اس اللہ کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ کلمہ طیب (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ) ہے۔ اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔)

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التَّغَابُن: ۹)
(اور جو اللہ پر ایمان لاکر نیک عمل کرے، اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے جنتوں میں داخل کرے گا، جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔)

اور پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ جو ایمان اور عمل صالح سے کنارہ کش رہا وہ حقیقی کامیابی، اجر عظیم اور جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم رہے گا بلکہ اس کے ساتھ ہی سراسر خسارے میں بھی ہوگا، جہنم کا عذاب اس پر مسلط ہوگا جس کی تلافی کی کوئی صورت بھی نہ ہوگی:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (الْعَصْر: ۲، ۳)

(بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے)

ایمان چند عقائد کے مجموعے پر محیط ہے۔ ان میں سے کسی ایک عقیدہ کو بھی نہ ماننے یا قبول نہ کرنے یا اس سے اعراض کرنے یا اس کے متعلق تذبذب اور تشکک میں مبتلا رہنے اور یقین و اعتماد نہ رکھنے کی صورت میں ایمان نامکمل ہی نہیں رہتا بلکہ سرے سے ایمان ہی نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو معبود، رب، حاکم، مقتدر، سمیع و بصیر، رؤف و رحیم وغیرہ بہت کچھ مانتا ہو لیکن اگر اسے یہ یقین نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ یوم آخرت بھی برپا کرنے والا ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کا مذکورہ تمام حقائق پر پختہ ایمان رکھنے کے باوجود بھی وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتا ہے، ان پر نازل ہونے والی وحی پر بھی ایمان رکھتا ہے، ان کی معرفت اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کریم کو بھی ہدایت الہی مانتا ہے، غرض کہ بہت سارے اجزائے ایمان کو قبول کرتا ہے اور ان پر ایمان رکھتا ہے لیکن اس کے دل میں یہ خیال ہو کہ اس کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی عبادتوں اور ہدایت کی ہوئی زندگی کے امور و معاملات کے علاوہ بھی کسی دوسرے اصول و نظریہ اور اعمال و اشغال کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے اور ان سے فیضیاب ہوا جاسکتا ہے تو اس سے نہ صرف ایمان کی تکمیل میں کمی رہ جائے گی بلکہ سرے سے ایمان ہی نہ ہوگا۔

انسانی زندگی میں عقائد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عقائد ہی کی بنیاد پر عبادات کا تعین ہوتا ہے۔ یہ عقائد ہی ہیں جو انسانی زندگی کا رخ متعین کرتے ہیں۔ ان کے لیے زندگی کے اصول و ضوابط مقرر کرتے ہیں، نظام معاشرت و معیشت اور سیاست و مدنیت وضع کرتے ہیں۔ غرض کہ جملہ امور و معاملات زندگی عقائد ہی کی بنیاد پر مرتب اور منضبط ہوتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے جیسے عقائد ہوں گے، اسی کے مطابق سیاست و معیشت اور خاندان و معاشرہ کی مخصوص شکل و ہیئت وجود پذیر ہوگی۔ مثلاً ہندو اپنے اس عقیدے کی بنا پر کہ مرنے والے کی روح بھوت بن کر مراجعت کر سکتی ہے، اسے مرنے کے بعد جلا ڈالتے ہیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ کسی عورت کے بیوہ ہو جانے کی صورت میں دوسری شادی کی گنجائش تو

کجا، اس کے گھر اور سماج میں منحوس متصور ہونے کی صورت میں سستی پڑتھا نے جنم لیا، اس لیے کہ ان حالات میں اس عورت کا دنیا میں زندہ رہنا، ان کے خیال کے مطابق مرجانے سے بھی بدتر ہے۔ عیسائی رہبانیت اس لیے اختیار کرتے ہیں اور جوگی سنیاں اس لیے لیتے ہیں کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ زندگی بذات خود گناہ ہے، لہذا اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ اسے دنیاوی لذات سے دور رکھا جائے اور جس قدر زیادہ سے زیادہ ممکن ہو سکے، اسے مصائب و آلام میں مبتلا رکھا جائے۔ چنانچہ وہ جنگلوں کی راہ لیتے ہیں اور سخت سے سخت ترین ریاضتوں کا تجربہ کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ صحیح اسلامی عقائد کی بنیاد پر ہی منج ہونے والے اعمال درست اور صالح قرار دیے جاسکتے ہیں اور ان ہی بنیادوں پر اللہ تعالیٰ کا مطلوب صالح اور پسندیدہ خاندان و معاشرہ وجود میں آسکتا ہے، معیشت و سیاست اپنے صحیح خطوط پر منصہ شہود پر جلوہ نما ہو سکتی ہیں، انسانی اعمال و کردار کا صحیح رخ متعین ہو سکتا ہے اور انسانی زندگی اس فطرت پر استوار ہو سکتی ہے اور قائم رہ سکتی ہے، جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے اسے وجود بخشا ہے اور جو بلا شرکت غیرے واحد دنیاوی کامیابی اور اخروی فلاح کی موجب اور ضامن ہے۔

دنیا میں جتنے بھی مذاہب وضع کیے گئے ہیں یا کسی سابقہ مذہب میں قطع و برید اور حذف و اضافہ کر کے ایک نئے مذہب کی شکل دے دی گئی ہے، ان میں لازماً ان کے اپنے عقائد و نظریات متعین کیے گئے ہیں۔ ان مفروضہ عقائد و نظریات کے مطابق ہی ان کے تمام نظامات اعمال ترتیب دیے جاتے ہیں، خواہ وہ اعمال، عبادات کی شکل میں ہوں یا معاملات کی شکل میں، معاشرت کے اصول و ضوابط ہوں کہ سیاست اور معیشت کے قوانین اور طریقے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد اور کچھ نہ کچھ نظریہ و عقیدہ ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ نہ تو بغیر کسی مقصد کے کوئی بھی عمل ممکن ہے اور نہ ہی بغیر کسی اصول و نظریہ کے کوئی مقصد متعین ہو سکتا ہے۔

تصوف بھی باضابطہ ایک مذہب ہے۔ اس کے اپنے نظریات و عقائد ہیں، جنہیں صدیوں سے مرتب کیا جاتا رہا ہے۔ صوفیہ کے خیال کے مطابق تصوف اپنی ارتقائی منزل طے کرتا رہا ہے اور وقتاً فوقتاً عقائد و نظریات میں ہونے والی ترمیمات کے نتیجے میں ان کے

اعمال میں بھی تبدیلی اور اضافے ہوتے رہے ہیں۔ دنیا کے تمام وضعی مذاہب میں لچک کا پایا جانا فطری امر ہے۔ اس لیے کہ دنیا کے تمام وضعی مذاہب انسانوں کے مرتب کردہ ہیں۔ لہذا ہر کوئی ان میں حذف و اضافہ، ترمیم و تنسیخ اور قطع و برید کا مجاز ہے۔ تصوف میں بھی عقائد و نظریات سے لے کر اعمال و اشغال کی تبدیلیاں جغرافیائی، تاریخی اور معاشرتی تبدیلیوں کے نتیجے میں ضرورتاً ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ تصوف پر ایرانی، عراقی، مصری اور ہندوستانی معاشرے کے اثرات کے ساتھ ہی ساتھ ہندوویت، بدھ مت اور عیسائیت وغیرہ کے اثرات اس کے واضح ثبوت ہیں۔

ہندوویت، بدھ مت، جین دھرم اور عیسائی رہبانیت وغیرہ مذاہب اور تصوف میں ایک بڑا اور بنیادی فرق یہ ہے کہ مذکورہ تمام مذاہب جو وجود میں آئے ہیں اور اپنی ارتقائی منازل طے کی ہیں، ان میں اسلام دشمنی نہیں پائی جاتی ہے بلکہ ان کے محرکات و داعیات کچھ اور ہی ہیں۔ گو کہ تصوف بھی ان ہی خطوط پر وجود میں آیا اور پروان چڑھتا رہا، لیکن اسلام دشمن عناصر نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور طوفانی رفتار سے اقوام عالم میں اس کے پھیلنے ہوئے اثرات کو دیکھتے ہوئے اسلام کے ربانی اثرات کو زائل کرنے اور روحانی قوتوں کو مضلل کرنے کے لیے اسے مسلمانوں کے درمیان پوری منصوبہ بندی کے ساتھ داخل کر دیا تاکہ اسلام کے ربانی نظام کو مختل کر کے اسے زمین بوس کیا جاسکے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام دشمن عناصر اپنے اس تیر بہدف حربے کے ذریعہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں کافی حد تک کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ ان کے اس مذموم طویل المدتی منصوبہ بندی کا سلسلہ بہت ہی دراز ہے، یہاں تک کہ آج بھی ہم انھیں مصروف عمل دیکھ رہے ہیں، بلکہ ان دنوں اس کی آنچ ایک بار پھر ذرا تیز کر دی گئی ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ بہادر کی موجودہ پالیسیاں بھی اس تسلسل کی ایک کڑی ہے۔ امریکن تھنک ٹینک ’رینڈ کارپوریشن‘ کی قومی سلامتی کے تحقیقی شعبے کی رپورٹ اس کا واضح ثبوت ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے:

• ”تصوف کے مقام اور مرتبے کو بلند کیا جائے۔ مضبوط صوفی روایات کے حامل ممالک کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ اپنی تاریخ کے اس حصے کو اہمیت

دیں اور اسے اپنے اسکول کے نصاب میں شامل کریں۔ صوفی اسلام پر زیادہ توجہ دی جائے۔“

• ”صوفی ازم کی شہرت اور مقبولیت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔“ ۱

پھر مذکورہ ہدایات پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ امریکہ نے اس خدمت کے لیے ذرائع ابلاغ استعمال کرتے ہوئے سرزمین امریکہ اور دیگر خطہ ارضی میں اس کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دہلی سے شائع ہونے والے امریکی رسالے ”اسپین“ کے صفحات تصوف کے مقام و مرتبے کو بلند کرنے کے لیے اور اسے مقبول عام بنانے کے لیے اس کی تعریف یوں پیش کرتے ہیں:

”امریکہ کی سرزمین پر میرے لیے یہ ایک حیرت انگیز تجربہ تھا۔ درویشوں کی اس محفل میں میرے اور میرے ایک رفیق کے علاوہ سارے شرکاء امریکی باشندے تھے جو اس عرفانی سفر میں سماع کی اس محفل میں ایک مختلف قسم کے روحانی تجربات سے گزر رہے تھے اور سب پر بے خودی کی کیفیت طاری تھی۔ سماع ایک عرفانی سفر ہے فرد کی روحانی کارگزاریوں کا، تکمیل کی طرف سفر، حق کی طرف مڑنا، عشق کے ذریعہ ارتقاء، انا سے مراجعت، حق کے حصول اور کمال تک رسائی۔ اس روحانی سفر سے لوٹنے کے بعد ایک فرد پختگی اور کمال عظیم تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ تمام مخلوقات کے لیے دل ربا، قابل قبول، پسندیدہ۔ ایک ایسا فرد جو عقائد، نسل، درجات اور قومیت سے بالاتر ہو کر سب سے بغیر کسی امتیاز کے محبت کرتا ہے۔“ ۲

اور اسے وقت کی سب سے اہم ضرورت کی حیثیت بھی دے دی جاتی ہے اور اسے اسلام ثابت کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے:

”حقیقت تو یہ ہے کہ تصوف نے اس جدید کثیر تہذیبی معاشرے میں جس نئے مکالمے کا ایک بار پھر آغاز کیا ہے۔ وہ شاید وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ مشہور مصنف اور Gnosis جیسے علمی جریدے کے مدیر جے کنن کہتے ہیں کہ ”اگر صوفی ازم اسلام کی صحیح روح کے مطابق ہے تو پھر یہ ہمارے جیسے اہل

مغرب کے لیے اسلام کی تفہیم کا ایک بہترین وسیلہ ہوگا۔ اس سے الگ اور کہیں بہتر جو آج میڈیا اسلام کے بارے میں ہمیں پیش کر رہا ہے۔“ سچ
ہندوستانی اخبارات بھی اس کی ہم نوائی میں صف آرا ہو چکے ہیں۔ ٹائمز آف انڈیا، نئی
دہلی کے ذریعہ یہ خبر دی جا رہی ہے کہ مضبوط صوفی روایات سخت گیر اسلام کے مقابلے میں
آکھڑا ہوا ہے۔ اور اس خبر کے پیش نظر یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ نظریہ
پرست، تصوراتی اور معتزل اسلام کے اثرات چند مخصوص طبقات پر ہی مرتب ہوتے ہیں۔
اسے عام لوگوں میں قبولیت حاصل نہیں ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ صوفی
روایات کو پروان چڑھایا جائے۔ یہ اسلام کا بہترین نعم البدل ہے جو ہر طبقے بلکہ ہر مذہب
کے لیے قابل قبول ہے۔ سچ

یونانی فلسفیوں کے وضع کردہ مذہب تصوف میں ان صوفیہ نے جو مسلمانوں کی حیثیت
سے مسلم معاشرے میں گھلے ملے ہوئے ہوا کرتے ہیں، وہ تمام رنگ آمیزیاں کیں جو
اسلامی عقائد و نظریات سے نہ صرف جدا گانہ ہیں بلکہ ان کے خلاف ہیں، حتیٰ کہ اسلامی
عقائد و نظریات اور اصول و اعمال کا مذاق تک اڑایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح دنیا کے تمام
مروجہ مذاہب میں تصوف سب سے زیادہ فتنج، نجس، مذموم اور ملعون مذہب ہے۔ اس لیے
کہ اسلام کی مخالفت میں مرتب اور منظم ہونے والے مذہب کا سہرا اسی کے سر بندھا ہوا
ہے۔ ان حقائق کا جائزہ اس کے اندرون میں جھانک کر اچھی طرح لیا جاسکتا ہے۔

صوفیہ بکری کے میمیانے اور کتے کے بھونکنے پر لَبَّیک کہتے ہوئے دوڑ پڑتے ہیں، کوئی انسا الحق (میں ہی خدا ہوں) کا نعرہ لگاتا ہے تو کوئی سبحانی، سبحانی ما اعظم شأنی (میں ہی بزرگ ہوں، میں ہی بزرگ ہوں اور کیا میری عظیم شان ہے) کا دعویٰ پیش کرنے سے نہیں چوکتا۔

باب ۲

عقیدہ توحید-۱

کلمہ وحدت الوجود

صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشرکانہ عقیدے وضع کیے ہیں اور کلمہ شہادت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کے بالکل مخالف سمت میں کلمہ ”وحدت الوجود“ پیش کیا ہے۔ اس کلمہ کے تحت وہ سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ اس کائنات میں پھیلی ہوئی تمام ہی مخلوقات کو خدا قرار دیتے ہیں۔ وحدت الوجود کے معنی ہیں تمام موجوداتِ عوالم جو کچھ بھی ہوں اور جیسا کچھ بھی ہوں سبھی خدا ہیں اور خدا کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کے الفاظ میں:

”وہ ہر شے میں محدود اور معین ہے اور خاص اسم کا مستی ہے، جلوہ گر ہے بلکہ اس کا عین ہے۔ یہاں تک کہ کسی شے خاص کے حق میں نہیں کہا جاتا مگر وہ اسم جو اس پر دلالت کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ آسمان ہے، زمین ہے، پتھر ہے، درخت ہے، حیوان ہے، فرشتہ ہے، رزق ہے، کھانا ہے، حالاں کہ ذات بالذات و موجود حقیقی و عینِ حق ایک ہی ہے، ہر شے میں وہی ظاہر ہے اور ہر چیز میں اسی کا جلوہ ہے۔“

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۳ء) اس کی مزید وضاحت ابن عربی ہی کے الفاظ میں صاف صاف کہتے ہیں:

”اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ خدا ہے اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ مخلوق ہے اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ ایک حیثیت سے حق (خدا) ہے اور ایک حیثیت

شُرک فی الذات

جن عقائد کے مجموعے کو قبول کرنے کا نام ایمان ہے، ان میں سب سے پہلی چیز ”توحید“ ہے۔ یعنی اس بات کا اقرار کرنا اور گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور اپنے محاسن و کمالات میں واحد اور بے نظیر ہے اور دوسری کوئی بھی شے یا حقیقت اللہ تعالیٰ کے مذکورہ اوصاف میں ذرہ برابر بھی شریک و سہیم نہیں ہے۔ اس بات کا اظہار ہم کلمہ شہادت کے اول جزء — اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ — میں کرتے ہیں۔ اس کلمہ کے اقرار کے بعد ہی کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

اس عقیدے کے تحت ہم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو واحد، بے مثل، بے نظیر اور لا ثانی ہی نہیں مانتے ہیں بلکہ اس کی صفات و خصائص اور اس کے محاسن و کمالات میں بھی کسی کو ذرہ برابر بھی اس کے مثل قرار نہیں دیتے ہیں۔ لہذا، ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشُّورٰی: ۱۱)

صوفیہ نے سب سے زیادہ کاری ضرب کلمہ شہادت کے اسی حصے پر لگائی ہے۔ اس لیے کہ اسی بنیاد و محور کو منہدم کر دینے سے اسلام کی ساری عمارت خود بخود زمین بوس ہو جائے گی۔ ان کے عقیدے کے مطابق دنیا کی تمام ہی چیزیں خدا ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق ہم اس کائنات اور اس کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار اشیاء کو جو دیکھتے ہیں، یہ دراصل ہماری نگاہوں کا دھوکہ ہے، اصلاً سب کے سب وہی وہ ہیں، اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ یعنی سبھی خدا ہی خدا ہیں، خدا کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ لہذا ان ہی مزعومہ عقائد کی بنیاد پر

سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو حیرت کے متعلق کہہ دے، کیوں کہ ان دونوں میں تمیز نہیں ہے۔“ ۲

صوفیوں کے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے چند اقوال پیش ہیں:

”فمن قال بالاشفاع كان مشركاً

اگر تم دوئی کے قائل ہو اور حق اور خلق کو بالکل جدا سمجھو گے تو تم شرک فی الوجود کرو گے۔

و من قال بالافراد كان موحداً

اگر عبد و رب کو وجود حقیقی اور منشا کے لحاظ سے عین یک دیگر سمجھو گے اور یکی و یکتائی کے قائل ہو گے تو تم موحد ہو گے۔

فما انت هو بل انت هو و تراه في عين الامور مسرحاً مقيداً
تم اس کے عین نہیں ہو باعتبار آثار و احکام و حقائق کے بلکہ تم اس کے عین ہو بلحاظ وجود حقیقی کے۔ اس کو اطلاق و تنقید دونوں میں تمام اشیاء کا عین دیکھو گے۔“ ۳

وہ مزید فرماتے ہیں:

السَّوْبَ حَقٌّ و العبد حَقٌّ يا ليت شعري من المكلف

ان قلت عبد فذاك مكلف او قلت رب انى مكلف

(رب بھی حق ہے، بندہ بھی حق ہے۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ان میں مکلف کون ہے۔

اگر تو کہے کہ (مکلف) بندہ ہے تو وہ مردہ و معدوم ہے اور اگر کہے کہ رب ہے تو وہ بھلا کیسے مکلف ہوگا) ۴

اسی مضمون کو اپنے رسالہ ”کتاب الجلالۃ“ ص ۱۲ پر یوں ادا فرماتے ہیں:

فيا ليت شعري من يكون مكلفاً و ما ثم الا الله ليس سواه

(کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ مکلف کون ہے، درآں حالیکہ یہاں اللہ کے سوا کسی کا

وجود ہی نہیں ہے) ۵

وہ یہ بھی فرماتے ہیں:

”معلوم ہو کہ عارف باللہ کا قلب اللہ کی رحمت سے موجود ہوا ہے، مخلوق ہوا ہے، مگر

قلب عارف، میں رحمت الہی سے بھی زیادہ وسعت ہے۔ کیوں کہ قلب عارف

میں حق جل شانہ کی سمائی ہے۔ ”لا یسعی ارضی و لاسمائی و لکن یسعی

قلب عبد مومن“ (میری گنجائش نہ تو میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان۔

البتہ میری گنجائش میرے بندہ مومن کا قلب رکھتا ہے) اس پر شاہد ہے۔“ ۶

لا یسعی ارضی و لا سمائی و لکن یسعی قلب عبد مومن کی تشریح اور تصدیق

کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی نے قرآن کی فیصلہ کن تعلیم لیس گمشدہ شے ج

(الشوری: ۱۱) (اس خدا تعالیٰ جیسا کچھ بھی نہیں) کی تکذیب کا ہتھکنڈہ استعمال کرتے

ہیں۔ معرفت کے ذیل میں وہ فرماتے ہیں:

”ان الله خلق آدم علی صورته — اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے۔

اس نے آدم کی روح کو جو آدم کا خلاصہ ہے، بے مثل و بے کیف پیدا فرمایا۔ تو

جس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ لامکانی ہے، روح بھی لامکانی ہے۔ روح کو بدن

کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کے ساتھ ہے کہ نہ عالم میں

داخل ہے اور نہ خارج، نہ متصل ہے نہ منفصل۔ قیومیت یعنی تدبیر و تصرف کے

سوا اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ بدن کے ہر ذرے کا منتظم روح ہے۔ جس

طرح اللہ تعالیٰ تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے، بدن کے لیے اللہ تعالیٰ کی قیومیت و

تدبیر روح کی قیومیت کے واسطے سے ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیض بھی

وارد ہوتا ہے، اس فیض کا محل ورود اولاً اور ابتداءً روح ہے۔ پھر روح کے واسطے

سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور جب کہ روح بے چونی اور بے چگونی (بے مثل

اور بے کیف) کی حالت پر پیدا کیا گیا تو لامحالہ بے چوں و بے چگون حقیقی

(یعنی اللہ تعالیٰ) کی اس میں گنجائش ہے... تو لامحالہ عبد مومن کے قلب میں جو

لامکانی اور کمیت و مقدار سے پاک ہے اس کا سامنا ثابت ہو گیا۔“ ۷

بعینہ یہی بات امام ابو حامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) فرماتے ہیں:

”توحید کی دو قسمیں ہیں: ایک توحید عوام کی اور دوسری خواص کی۔ لا اله الا

الله عوام کی توحید ہے اور لا اله الا هو (نہیں ہے وہ، مگر وہی) خواص کی توحید

ہے، کیوں کہ وہ عام ہے اور یہ خاص۔ اور یہ زیادہ شامل، زیادہ لائق اور زیادہ

اخص ہے اور اس کو ماننے والے کو فردائیت میں زیادہ داخل کرنے والا ہے۔

مخلوقات کے معراج کی انتہا فردائیت ہے۔“ ۸

مولانا جلال الدین محمد رومی (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) بھی کلمہ لا الہ الا اللہ کے عوض ایک دوسرا

ہی کلمہ پیش کرتے ہیں اور اسے ایمان خاص کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں) ایمان عام ہے اور لا الہ الا اللہ

(اس اللہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے) یہ عقیدہ ایمان خاص ہے۔“ ۹

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۱ھ/۱۷۶۲ء) توحید افعالی کے تحت واضح انداز میں فرماتے ہیں:

”جذب سے یہاں وہ کیفیت مراد نہیں ہے جس میں کہ سالک کا دل عالم غیب

کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اس کے دماغ سے ادھر ادھر کے خیالات بالکل نکل

جاتے ہیں۔ اس کی عقل اپنا کام کرنا چھوڑ دیتی ہے اور وہ شریعت کے احکام

اور معاشرت کے آداب سے بالاتر ہو جاتا ہے، بلکہ یہاں جذب سے مراد

وہ حالت ہے جس میں کہ وجود کے تعینات کے پردے جن کا سلسلہ اس

کائنات سے لے کر ذات باری تک، جو حقیقۃ الحقائق ہے، پھیلا ہوا ہے۔

سالک کی نظروں کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس ”جذب“ ہی

کے طفیل انسانی ”انا“ میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ مقام اصلی کی

طرف لوٹ جاتا ہے جو کہ اس ”انا“ کا مبدائے اول ہے اور جہاں سے کہ

اس ”انا“ کا صدور ہوا ہے۔ غرض کہ ”جذب“ سے سالک کی نظروں میں

اجزائے وجود تحلیل ہو جاتے ہیں اور اس کے سامنے تعینات وجود کے

پردے اٹھ جاتے ہیں۔“ ۱۰

شاہ اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) اسی کلمہ خبیث کے حق میں جواز پیدا کرنے کی

کوشش کرتے ہیں:

”جب اس طالب کے نفس کامل کو روحانی کشش اور جذب کی موجیں اور احدیت

کے دیراؤں کی گہری تہہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو ”اننا الحق“ (میں ہی خدا

ہوں) اور ”لیس فی جہتی سوی اللہ“ (میرے جے میں سوائے اللہ کے اور

کچھ نہیں ہے) کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے۔“ ۱۱

شاہ ولی اللہ دہلوی ”تفہیمات الہیہ“ میں فرماتے ہیں:

”اس طرح ماہیات اشیاء اور وجود میں ربط و انضمام کی ایسی نوعیت قائم ہو جاتی

ہے جس کی کیفیت تو معلوم نہیں کی جاسکتی، مگر جس کا تحقق و اثبات بہر حال جانا

بوجہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ربط و تعلق کے اس انداز کی وجہ سے ان پر

خصوصیات و آثار کا ترتیب ہونے لگتا ہے۔ اس مرحلے پر کہا جاسکتا ہے کہ وجود

مطلق نے تنزل فرمایا ہے یا یہ کسی خاص مظہر میں ظہور پذیر ہوا ہے۔“ ۱۲

اور اسی ظاہر و مظہر کی مثال وہ ”فیوض الحرمین“ میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

”میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

جوہر روح، اپنی طبیعت، اپنی فطرت اور جبلت میں سرتا سر مظہر بن گئے ہیں اور

عظیم الشان تدلی کا جو کہ تمام بنی نوع بشر پر حاوی ہے اور میں نے دیکھا کہ

اس حالت میں یہ پہچاننا مشکل ہو گیا ہے کہ ظاہر و مظہر یعنی ظاہر ہونے والی چیز

(یعنی خدا) اور جس چیز (یعنی بندہ) میں کہ اس کا اظہار ہو رہا ہے، ان دونوں

میں کیا فرق ہے؟ چنانچہ یہ وہ تدلی ہے جسے صوفیہ نے ”حقیقت محمدیہ“ کا نام

دیا ہے۔ اور اس کو وہ ”قطب الاقطاب“ اور ”نبی الانبیاء“ کا بھی نام دیتے

ہیں۔ غرضیکہ یہ ”حقیقت محمدیہ“ عبارت ہے اللہ تعالیٰ کی اس تدلی کے مظہر

بشری میں ظہور سے۔“ ۱۳

اور ذات کے ساتھ وصل کی بات شاہ ولی اللہ صاف لفظوں میں اور زور دے کر یوں فرماتے ہیں:

”معلوم ہونا چاہیے کہ عارف کے لیے خود ذات حق کا وصال اور ذات حق کے

اسماء و تجلیات کا وصال برابر ہوتا ہے۔ بے شک ہم کہتے ہیں کہ عارف کو خود

ذات حق کا وصال ہوتا ہے۔“ ۱۴

اس طرح صاف صاف بیان کرنے کے بعد بھی مزید زور دے کر اور زیادہ وضاحت کے

ساتھ کہتے ہیں:

”الغرض جو کالمیلین ہیں، ان کو تو ذات حق کا بالفعل وصال ہوتا ہے۔“ ۱۵

شاہ ولی اللہ نے اس کا عملی ثبوت بھی پیش کر دیا ہے۔ ”انفاس العارفين“ میں وہ لکھتے ہیں:

”والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں انتہائی گھٹن محسوس کر رہا تھا کہ دفعتاً مجھ پر ایک گچی وارد ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل عورت زیورات اور جاذب نظر لباس سے مزین ہے۔ وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی اور اس کے قرب سے میرا شعلہ شوق بھڑکنے لگا۔ بالآخر وہ مجھ سے بغل گیر ہو کر ایک تن ہو گئی۔ میرا وجود اسی کی شکل میں متمثل ہو گیا اور وہ تمام زیورات اور لباس میں نے اپنے وجود میں موجود پائے۔ یہ دیکھ کر مجھے انتہائی انبساط و سرور حاصل ہوا اور گھٹن جاتی رہی۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی مقام توحید کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور گزشتہ واقعہ ہی کی ایک شاخ ہے (ص ۹۴-۹۵)۔“ ۱۶

مشرکین مکہ تو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے جس کی قرآن نے سخت مذمت کی ہے۔ انھوں نے تو حد کردی کہ خود ہی کو عورت کی شکل دے دی۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ انسان جب گرتا ہے تو اسفل السافلین تک پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد بھی انھیں شاید یہ احساس رہا ہو کہ ممکن ہے کہ لوگ حلول و اتحاد کے تصور کو اچھی طرح جذب نہ کر سکے ہوں، لہذا، نہایت ہی زور دے کر وصال ذات حق کی حقانیت کی اس طرح توثیق کرتے ہیں:

”الغرض جو کالمیلین ہیں، ان کو تو ذات حق کا بالفعل وصال ہوتا ہے اور اسی طرح انھیں ذات حق کے اسماء و تجلیات کے اصول میں بھی فنا و بقا اور تحقق حاصل ہو جاتا ہے۔“ ۱۷

اپنی کتاب ”القول الجمیل“ میں بھی شاہ ولی اللہ دہلوی صاف صاف کہتے ہیں:

”اس نسبت کے حصول کے بعد اس سے ایک اور بلند تر مقام آتا ہے اور وہ مقام ہے فنا و بقا۔ یعنی اللہ کے وجود میں فنا ہو کر اس کے وجود کے ساتھ بقا حاصل کرنا ہے۔“ ۱۸

یہ نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے، اسے بھی انھوں نے بتا دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”جب انسان کا نفس ناطقہ سب چیزوں سے پورا انقطاع کر کے اپنے متعلق غور کرتا ہے اور اپنے آپ کو جاننے اور اپنی اصل تک پہنچنے کے لیے پیچھے کی طرف جاتا ہے جہاں سے کہ اس کے وجود کی نمود ہوئی تھی تو وہ اپنے سامنے نفس کلیہ کو پاتا ہے، جو کائنات میں ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ عام اہل اللہ نے اس نفس کلیہ کا نام ”وجود“ (یعنی خدا) رکھا ہے۔ ... الغرض انسان کا نفس ناطقہ جب نسیم (یعنی روح ہوائی) اور اس سے متعلقہ قوتوں کے اثرات سے پاک اور خالص ہو کر نفس کلیہ (یعنی وجود یا خدا) کے ساتھ اپنا الحاق قائم کر لیتا ہے، تو نفس ناطقہ کو اس خاص حالت میں ”خفی“ کا نام دیا جاتا ہے۔“ ۱۹

اسلام کا بنیادی کلمہ جسے کلمہ توحید کہتے ہیں — لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ — اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ یعنی بندوں کا معبود و مطاع صرف اللہ ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی دوسرا معبود ہے اور نہ علی الاطلاق حاکم و آمر۔ الہ کے یہی معنی، یعنی معبود و مطاع قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ لیکن دوسری صدی ہجری میں جب تصوف کا باضابطہ آغاز ہوا تو اس مفہوم میں ایک طرح سے معنوی اضافہ ہوا۔ ارباب تصوف نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا کہ — ”اس کے سوا نہ معبود ہے، نہ مقصود اور نہ وجود۔“ ۲۰ یہ طرز تعبیر جب مزید آگے بڑھا تو معبود اور مقصود کے الفاظ بھی ہٹ گئے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مطلب بیان کیا گیا کہ لا موجود الا اللہ یعنی اللہ کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔ اور اسے صوفیہ نے عین توحید قرار دیا۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) لکھتے ہیں:

”اللہ کی وحدانیت کے دو معنی ہیں۔ علماء ظاہر کے نزدیک وحدانیت کے معنی یہ ہیں کہ معبود صرف ایک ہے، دوسرا کوئی معبود نہیں۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ موجود صرف ایک ہے، دوسرا کوئی موجود نہیں۔“ ۲۱

کلمہ وحدت الوجود کی تشریح میں لا موجود الا اللہ (سوائے اللہ کے کوئی بھی موجود نہیں ہے) کہا جاتا ہے۔ یعنی جس قدر موجودات ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں، سبھی اللہ ہی ہیں۔ اس طرح صوفیہ اپنے عقیدہ باطل میں ہندوؤں کے عقیدے ”کن گن“ میں ہے بھگوان“ کی ہم نوائی کرتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی کے مطابق آنکھ جس چیز کا مشاہدہ

کر رہی ہے، وہی خدا ہے اور وہ خدا کے وجود پر دلیل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اگرچہ خلق، خالق سے ممیز ہے، مگر حقیقت و وجود کے لحاظ سے ایک ہی شے خالق بھی ہے اور مخلوق بھی اور وہی مخلوق بھی ہے اور خالق بھی۔ تمام مخلوقات ایک عینِ حق سے ہیں؟ نہیں، بلکہ وہی عین ذات واحدہ حق اعیان و ذوات کثیرہ سے نمایاں ہے۔“ ۲۲

وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”موحد کی نظر میں حق ہی حق ہے اور عبد خیالی ہے۔ غافل کی نظر میں عبد ہی عبد ہے، رب خیالی ہے۔ اور کامل کی نظر میں ایک لحاظ سے رب ہے اور ایک لحاظ سے عبد ہے اور ذات حقیقی ایک ہی ہے، وہی تجلی کرنے والا ہے، وہی تجلی قبول کرنے والا ہے، وہی متجلی ہے وہی متجلی لہ ہے۔“ ۲۳

بلکہ اور بھی واضح انداز میں کہتے ہیں:

”اگر تم دوئی کے قائل ہو اور حق اور خلق کو بالکل جدا سمجھو گے تو تم شرک فی الوجود کرو گے۔“ ۲۴

وہ اپنے اس عقیدے کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ جس مینڈھے کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیے میں اتارا تھا، وہ مینڈھا بھی خدا تھا۔ ان کا شعر ہے:

فیا لیت شعری کیف ناب بذاتہ شخیص کبش عن خلیفۃ رحمان
(کاش! مجھے معلوم ہو جائے کہ پیارے مینڈھے نے کس طرح اللہ کے خلیفہ کی شکل اختیار کر لی) ۲۵

بلکہ ان کے نزدیک بندہ کبھی بندہ رہتا ہے اور کبھی رب بن جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ بندہ اور رب ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ ابن عربی کے الفاظ میں:

فوقنا یکون ربا بلا شک وقتنا یکون العبد عبدا بلا افک
فان کان عبدا کان بالحق واسعا وان کان ربا کان فی عیشتہ ضنک
(اس میں شک نہیں کہ بندہ کبھی رب بن جاتا ہے اور یہ بھی جھوٹ نہیں ہے کہ کبھی بندہ بندہ رہتا ہے۔ جب وہ بندہ ہوتا ہے تو خدا ہونے کی وجہ سے اس میں

وسعتیں ہوتی ہیں اور جب وہ رب ہوتا ہے تو بندہ ہونے کے لحاظ سے وہ تنگ دامانی میں ہوتا ہے) ۲۶

جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/ ۹۱۰ء) فرماتے ہیں:

”عارف و معروف دونوں ایک ہی ہیں۔“ ۲۷

آگے چل کر پھر تائیداً عرض کرتے ہیں:

”فی الواقع عارف و معروف ایک ہی ہیں۔“ ۲۸

امام غزالی ہمہ اوست کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اے عزیز! جس طرح تو جب نگاہ اٹھائے اور زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں ہے وہی (یعنی خدا ہی کو) دیکھے۔ اس کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے تو تو یہی کہے گا کہ اس کے سوا عالم ہستی نہیں اور تمام عالم یہی ہے۔ اسی طرح یہ ذکر بھی خدا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے کہ ہمہ اوست یعنی اللہ ہی اللہ ہے۔ سوائے اللہ کے کچھ نہیں۔ اس مقام پر اس کے اور خدا کے درمیان جدائی باقی نہیں رہتی اور یگانگی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ توحید اور وحدانیت کا پہلا عالم ہے۔ یعنی جدائی اٹھ جاتی ہے۔ جدائی اور دوری سے کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ جدائی وہ جانتا ہے جو دو چیزیں جانے، اپنے آپ کو اور خدا کو (الگ الگ) پہچانے۔ اور یہ شخص اس وقت اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ ایک کے سوا دوسرے کو پہچانتا ہی نہیں تو جدائی کیوں کر جانے گا۔“ ۲۹

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

”میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوہر روح، اپنی طبیعت، اپنی فطرت اور جبلت میں سرتا سر مظہر بن گئے ہیں اس عظیم الشان تدلی کا جو کہ تمام بنی نوع بشر پر حاوی ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اس حالت میں یہ پہچاننا مشکل ہو گیا ہے کہ ظاہر اور مظہر (یعنی ظاہر ہونے والی چیز یعنی خدا) اور جس چیز (یعنی بندہ) میں کہ اس کا اظہار ہو رہا ہے، ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ چنانچہ یہی وہ تدلی ہے جسے صوفیہ نے ”حقیقت محمدیہ“ کا نام

دیا ہے اور اس کو وہ ”قطب الاقطاب“ اور ”نبی الانبیاء“ کا بھی نام دیتے ہیں۔ غرضیکہ یہ ”حقیقت محمدیہ“ عبارت ہے اللہ تعالیٰ کی اس تدلی کے مظہر بشری میں ظہور سے۔ چنانچہ جب کبھی عالم مثال میں اس تدلی کی حقیقت متماثل ہوتی ہے تاکہ وہ عالم مثال سے بنی نوع انسان کے لیے عالم اجسام میں ظاہر ہو تو ”حقیقت محمدیہ“ کے اس بروز کو قطب یا نبی کا نام دیا جاتا ہے۔“ ۳۰

صاحب تفسیر اور مشہور مفکر صوفی عبدالکریم جیلی (م ۸۳۲ھ/ ۱۴۲۸ء) سورہ فاتحہ کی تفسیر کا آغاز فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

”جان تو کہ فاتحۃ الکتاب کا نام سبع مثانی ہے اور سات صفات نفسیہ ہیں کہ وہ حیات، علم، ارادت، قدرت، سحر، بصر، کلام ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کیا ہے، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وجود خلق اور حق پر منقسم ہے۔ پس انسان باعتبار اپنے ظاہر کے خلق اور باعتبار اپنے باطن کے حق ہے۔... عبد اور رب کے مابین اس کا انقسام اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اگرچہ خلق ہے، لیکن حق اس کی حقیقت ہے۔ پھر جیسا کہ وہ اوصاف عبودیت کو حاوی ہے ایسا ہی اوصاف ربوبیت کو حاوی ہے۔“ ۳۱

دوسری جگہ وہ صاف صاف فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ کلمہ شہادت بھی دو امروں پر مبنی ہے۔ ایک ”سلب“ اور وہ ”لا“ ہے، دوسرے ”ایجاب“ اور وہ ”الا“ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اور لفظ ”اللہ“ سے مراد یہ بُت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ بہ سبب ان کے اس سرّ وجود کے جو ان کی ذوات میں ہے، ان کی موافقت ہے۔ پس وہ بوجہ خود سچے معبود ہیں۔... اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عین اس کا ہے اور وہ اللہ جس طور بھی ظاہر ہوا، الوہیت کا مستحق ہے۔ پھر اس نے اپنے قول ”الا اللہ“ میں ان سب کو ایک بنا دیا ہے۔ یعنی یہ معبود سوائے ایک اللہ کے کچھ نہیں ہیں۔ یا یوں کہو کہ یہ معبود غیر اللہ نہیں ہیں۔ پس نہ عبادت

کرو تم مگر بطور اطلاق ایک اللہ کی، نہ کسی جہت کی قید لگا کر۔ اس لیے کہ ذات حق ہی تمام جہتیں ہیں اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔“ ۳۲

یہ تو ہے صوفیہ کے یہاں ان کے عقیدے کی بنیاد اور اساس نظریہ جس کے نتیجے میں وصل، حلول اور اتحاد کے عقائد کی تشکیل کی گئی اور عقیدہ حلول و اتحاد اور وصل و فصل مذہب تصوف میں بنیادی عقیدے کی حیثیت قرار پائی۔ بطور مثال چند اکابرین صوفیہ سے منقول اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ داتا گنج بخش علی بن عثمان الہجویری (م ۷۶۵ھ/ ۱۳۷۲ء) فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل و ملاقات بندہ کے لیے عزت ہے اور اس سے الگ اور جدا ہونا بندہ کی اہانت۔... اللہ تعالیٰ سے وصال وہ عزت ہے جو بندے کو اس

(اللہ) نے دی ہے۔“ ۳۳

وہ ابو زکریا یحییٰ بن معاذ الرازی (م ۲۵۸ھ/ ۸۷۲ء) کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خوف والا عبادت اس ڈر سے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ سے دور نہ کر دے اور امید والا اس امید پر عبادت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وصل نصیب ہو جائے۔“ ۳۴

امام غزالی وجد میں آنے والے کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب تمام چیزوں کی پہچان اور معرفت اس سے غائب ہوگئی تو سب چیزیں اس کے حق میں نیست اور فنا ہو گئیں اور جب وہ اپنے رب سے بھی بے خبر ہو گیا تو خود اپنی ذات سے بھی نیست اور فنا ہو گیا اور جب خدا تعالیٰ اور اس کے ذکر کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا تو جو کچھ فانی تھا وہ ختم ہو گیا اور جو باقی ہے وہ رہ گیا۔ یگانگت (اتحاد) اور توحید کے یہی معنی ہیں کہ جب آدمی خدا تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا تو کہتا ہے کہ سب کچھ وہی ہے۔ اس حالت میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں بھی نہیں ہوں یا یوں کہتا ہے کہ میں خود بھی وہی (خدا) ہوں۔“ ۳۵

ہمہ اوست کی تشریح کرتے ہوئے ثنویت کو غلط ٹھہراتے ہیں:

”اے عزیز! جس طرح تو جب نگاہ اٹھائے اور زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں ہے وہی (یعنی خدا ہی کو) دیکھے، اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے تو تو یہی کہے گا کہ

اس کے سوا عالم ہستی نہیں اور تمام عالم یہی (خدا) ہے۔ اسی طرح یہ ذکر بھی خدا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے کہ ”ہمہ اوست“ یعنی اللہ ہی اللہ ہے۔ سوا اللہ کے کچھ نہیں۔ اس مقام پر اس کے اور خدا کے درمیان جدائی باقی نہیں رہتی اور یگانگی (اتحاد) حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ توحید اور وحدانیت کا پہلا عالم ہے۔ یعنی جدائی اٹھ جاتی ہے۔ جدائی اور دوری سے کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ جدائی وہ جانتا ہے جو دو چیزیں جانے، اپنے آپ کو اور خدا کو پہچانے۔ اور یہ شخص اس وقت اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ ایک کے سوا دوسرے کو پہنچاتا ہی نہیں تو جدائی کیوں کر جانے گا۔“ ۳۶

مولانا جلال الدین محمد رومی (م ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۳ء) بھی امام غزالی کی طرح ایمان کی دو قسمیں بتاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) ایمان عام ہے اور لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (اس کے یعنی اللہ کے سوا کچھ نہیں) یہ عقیدہ ایمان خاص ہے۔“ ۳۷

مولانا عبدالرحمن جامی (م ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء) من و تو کو دوئی اور توحید کے خلاف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”شیخ الاسلام (عبداللہ انصاری ہروی) فرماتے ہیں کہ شیخ ابو بکر واسطی (م ۳۰۸ھ/ ۹۲۰ء) فرماتے ہیں کہ میں اور تو، وہ اور میں کہنا، میرا عمل اور اس کا بدلہ، میری دعا اور اس کی قبولیت، یہی باتیں کرنا سب دوئی اور دوگانگی (شعویت) کی مظہر ہیں۔ اس قسم کے کلام سے دوئی ثابت ہوتی ہے۔“ ۳۸

مذکورہ بالا قول پیش کرنے کے بعد مولانا عبدالرحمن جامی شیخ واسطی کے اس طرز توحید کے متعلق لکھتے ہیں:

”خراساں میں شیخ واسطی کے ذریعہ اور ان کی زبان سے جس قدر توحید پھیلی اور کسی کی زبان سے نہیں پھیلی۔“ ۳۹

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی کچھ عجیب ہی قسم کی تفہیم پیش کرتے ہیں اور اس نام نہاد تفہیم کے ذریعہ وحدت الوجود کے عقیدے کو تقویت پہنچاتے ہیں:

”آپ (خواجہ عبداللہ ایامی اصفہانی) فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کے معنی یوں سمجھنا چاہیے کہ نفی (لا) سے مقصود یہ ہے کہ کثرت اور صور اشیاء کو اس عین واحد (یعنی خدا) کی طرف لوٹانا ہے جو تمام سالکوں کا مقصود و مطلوب ہے۔ اثبات (الا) سے مقصود یہ ہے کہ اس ایک ذات کا تمام صور میں مشاہدہ کرنا اور ان سب کو اس واحد کا عین دیکھنا۔ پس لا الہ الا وہی صورتیں نہیں ہیں بلکہ اسی ایک اصل کی طرف راجع ہیں اور الا اللہ کے معنی وہ ایک ہے جو ان تمام صورتوں میں نظر آتا ہے۔“ ۴۰

شیخ فرید الدین عطار (م ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۳ء) فرماتے ہیں:

”کسی نے بایزید بسطامی کے دروازے پر آواز دی تو بایزید نے پوچھا: کس کی تلاش ہے؟ جواب ملا کہ بایزید کی۔ فرمایا کہ میں تو تیس سال سے اس کی تلاش میں ہوں لیکن آج تک نہیں ملا۔ اور جس وقت یہ واقعہ حضرت ذوالنون (مصری) کے سامنے بیان کیا گیا تو (انھوں نے) فرمایا وہ خاصان خدا کی طرح خدا میں ضم ہو گئے تھے۔“ ۴۱

وہ جنید بغدادی کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”جنید بغدادی نے فرمایا کہ مخلوق اس بات سے بے خبر ہے کہ بیس سال سے اللہ تعالیٰ میری زبان سے کلام کرتا ہے اور میرا وجود درمیان سے ختم ہو چکا ہے۔“ ۴۲

جنید بغدادی ہی کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

”توحید نام ہے خود کو فنا کر کے اللہ میں ضم ہو جانے اور عجز کے ساتھ حصول نعت کا۔“ ۴۳

وہ شیخ ابوالعباس ابن عطاء (م ۳۰۹ھ/ ۹۲۱ء) کا قول نقل کرتے ہیں:

”(ابن عطاء نے) فرمایا کہ بعض بندے ایسے بھی ہیں جن کا اتصال خدا کے ساتھ اس طرح ہے کہ ان کی آنکھیں اسی کے نور سے روشن ہیں، ان کی حیات اسی کے دم سے قائم ہے اور یہ اتصال انھیں صرف یقین کی صفائی اور دائمی نظر کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور چوں کہ وہ اسی کی ذات سے زندہ ہیں، اسی لیے انھیں ابھی تک موت نہیں آئی (گو کہ لوگوں نے ان کے مرنے کو دیکھا)۔“ ۴۴

وہ ابوالحسن خرقانی (م ۴۲۵ھ/۱۰۳۳ء) کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

”ایک دن کوئی صوفی ہوا میں پرواز کرتا ہوا آپ کے سامنے آکر اتر اور زمین پر پاؤں مار کر کہنے لگا کہ میں اپنے دور کا جنید اور شبلی ہوں۔ آپ نے بھی کھڑے ہو کر زمین پر پاؤں مارتے ہوئے فرمایا کہ میں خدائے وقت اور مصطفائے وقت ہوں۔“ ۴۵

ابوبکر شبلی (م ۳۳۴ھ/۹۴۶ء) کے متعلق بیان کرتے ہیں:

”جب لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کو غیر اطمینانی کی حالت میں دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یا تو آپ خدا کے ساتھ نہیں ہیں یا خدا آپ کے ساتھ نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو میں میں ہوتا۔ لیکن میں تو اس کی ذات میں گم ہو گیا ہوں۔“ ۴۶

شیخ احمد سرہندی حلولیت کا پورا پورا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور اس کی تشریح بھی پیش کرتے ہیں، لیکن کوشش یہ بھی ہے کہ ان کے عقیدہ حلولیت پر پردہ پوشی بھی قائم رہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”مقام قَاصَب قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی (النَّجْم: ۹) سے ایک سرِ عظیم سنو! جب انسان کامل سیرالی اللہ پوری کرنے کے بعد سیر فی اللہ سے متصف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے اور مجمل طور پر اس سیر کو بھی پورا کر لیتا ہے اور اسماء و صفات کے پرتو کے ظہور کے دائرہ کو جس سیر فی اللہ سے وابستہ ہے، ختم کر لیتا ہے تو اس لائق ہو جاتا ہے کہ معشوق بلا واسطہ ظلیت کے شائبہ اور حلول اور محلیت کے توہم کے بغیر اس میں ظہور فرمائے اور چوں کہ معشوق کی صفات ذاتیہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں تو لازمی طور پر صفات ذات کا ظہور بھی عاشق کے عین میں ہوگا اور دو قوس تک پہنچ جائے گا جو کہ قوس صفات اور قوس ذات ہیں۔ یہ مقام قاب قوسین کے مقامات میں سے نہایت بلند ہے، جو ظلیت کے شائبہ کے بغیر ظہور اصلی سے تعلق رکھتا ہے۔“ ۴۷

شیخ احمد سرہندی بھی کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی لَا مَقْصُود إِلَّا اللَّهُ بیان فرماتے ہیں:

”پس کسی چیز کا مقصود ہونا اس شے کے معبود ہونے کو مستلزم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا معبودیت کی نفی اس وقت متحقق ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مقصود نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری چیز اس کی مراد نہ ہو۔ اس دولت کے حاصل کرنے میں سالک کے حال کے مناسب کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے معنی لَا مَقْصُود إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں) ہے۔“ ۴۸

بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ/۸۷۷ء) کے مشہور قول ”ما فی جبتی سوی اللہ“ (میرے جبے میں سوائے اللہ کے کچھ بھی نہیں ہے) اور شیخ احمد سرہندی کی حلولیت کی تشریح میں کامل یکسانیت ہے۔ بایزید بسطامی اپنے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”جس طرح اپنے آپ سے گزر جانا ضروری ہے، اپنے آپ میں جانا اور سفر کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ مقصود کی یافت یہیں ہے۔ اپنے سے باہر مقصود کی یافت نہیں ہے۔“

باتو در زیر گلیم ہر چہ ہست ہم چو نابینا مبر ہر سوائے دست
(جو کچھ ہے تیری گودڑی کے نیچے ہی ہے۔ لہذا اندھوں کی طرح ادھر ادھر ہاتھ نہ مار)
سیر آفاقی میں دوری ہی دوری ہے اور سیر انفسی میں قرب ہی قرب ہے۔ اگر شہود ہے اپنے آپ میں ہے، اگر معرفت ہے وہ اپنے اندر ہی ہے۔ اگر حیرت ہے وہ بھی اپنے میں ہی ہے۔ اپنے سے باہر قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ بات کدھر چلی گئی۔ کوئی بے عقل یہاں سے حلول اور اتحاد نہ سمجھنا شروع کر دے۔“ ۴۹

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) فرماتے ہیں:

”(میرے والد) فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ امان اللہ اس جملہ کو بار بار کہتے تھے کہ ”اللہ تعالیٰ اپنی وحدت و اطلاق کے باوجود ہر ایک ذرہ میں موجود اور کارفرما ہے۔“ نیز والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ نور کی تقسیم اور اس کے ٹکڑے کرنا محال ہے۔ اگر ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن کریں گے تو پہلے والے چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اسی طرح وجود باری تعالیٰ ہے۔ تمام کا مصدر ہونے کے باوجود اپنی حالت تجرد و اطلاق پر قائم و برقرار ہے۔۔۔

فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ کے سوا کون سی چیز ہو سکتی ہے اور کیسے ہو سکتی ہے۔
 کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر سوی اللہ واللہ ما فی الوجود
 (کہاں ہے غیر اللہ اور کہاں ہے نقش غیر اللہ بجز اللہ تعالیٰ کہ وجود میں موجود ہے۔) ۵۰
 شاہ ولی اللہ دہلوی وحدت الوجود کی معنویت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
 ”وجود بمعنی حقیقی نہ بمعنی اعتباری تین مراتب میں ہے: ذاتِ تحت و مرتبہ عقل و
 شخص اکبر۔ ذاتِ تحت سے مرتبہ عقل کا صدور بطریق لزوم و اقتضائے ذات
 ہے۔ جیسے چار کے عدد میں تصور زوجیت یا جیسے قرص آفتاب سے روشنی کا
 فیضان۔ اور شخص اکبر کا صدور ذاتِ تحت سے اس شرط کے ساتھ ہے کہ پہلے
 مرتبہ عقل کا صدور ہوا اور اس صدور کی مثال یہ ہے کہ ہم نے ایک انگوٹھی پر لفظ
 ”زید“ نقش کیا۔ اس کے بعد ہم نے موم یا مٹی پر انگوٹھی کا نقش اتارا۔ ... وہ
 (نقش بر خاتم) کلی ہے اور یہ (نقش بر موم یا گل) جزئی۔ وہ مرتبہ عقل میں ہے
 اور یہ مرتبہ شہادی میں (یعنی مرتبہ شخص اکبر میں)۔ یہ نقش بر خاتم دورِ رخ رکھتا
 ہے۔ ایک رخ تو خاتم (یعنی عنایتِ اولیٰ یا ذاتِ تحت) سے تعلق رکھتا ہے اور
 اس کا دوسرا رخ موم یا مٹی سے۔ جب یہ دونوں رخ باہم جمع ہوئے تو شخص اکبر
 پیدا ہو گیا اور اس طرح ایک ہی وجود سے دورِ رخ ظاہر ہو گئے۔“ ۵۱

اور شیخ احمد سرہندی فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پس جو صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں، حق پر ہیں اور علماء جو کثرت وجود کے
 معتقد ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیہ کے حالات مناسب وحدت ہے اور علماء کے
 حالات مناسب کثرت۔“ ۵۲

بہت صحیح فرمایا علامہ ابن جوزی نے کہ: ”ایک قوم (صوفیہ) نے یہ جائز رکھا ہے کہ دنیا میں
 اللہ تعالیٰ کا دیدار آنکھوں سے ہوتا ہے اور وہ لوگ اس کا بھی انکار نہیں کرتے کہ گلی کو چوں
 کے ملنے والوں ہی میں کوئی خدا ہو۔“ ۵۳

فرعون کے خدائی دعوے کی توثیق

جب یہ خیال قابل قبول ہو جائے اور پختہ ایمان و عقیدے کا جز و لازم قرار پا جائے کہ
 کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی ذات ہی ہے، خدا کی ذات ہی کا توسیع ہے، خدا کے
 علاوہ کسی چیز کا وجود ہے ہی نہیں تو پھر حق و باطل کی تمیز مٹ جاتی ہے اور صوفیہ کے لیے یہ
 کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ فرعون ”انا ربکم الاعلیٰ“ کہنے میں حق بجانب تھا۔ اس لیے کہ
 فرعون کا حق حق سے جدا نہ تھا گو کہ وہ بظاہر فرعون کی صورت لیے ہوئے تھا۔ حالاں کہ
 قرآن نے فرعون کو فاسق و فاجر، سرکش و متمرد، متکبر و شوریدہ سر، ظالم و غاصب، باغی اور
 نافرمان کافر کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

”چوں کہ فرعون عہدے اور منصب حکومت پر تھا۔ صاحب وقت اور حاکم و خلیفہ،
 صاحب تیغ و شمشیر تھا۔ اگرچہ زبان شرع میں ظالم تھا۔ اسی لیے کہہ اٹھا انا ربکم
 الاعلیٰ (میں تمہارا اعلیٰ پروردگار ہوں)۔ یعنی اگر ہر ایک میں کچھ نہ کچھ شان
 ربوبیت ہے، مگر میں سب سے اعلیٰ ہوں۔ ... پس فرعون کو ایک طرح سے حق
 تھا کہ کہے ”انا ربکم الاعلیٰ“ میں تمہارا بڑا رب ہوں، پالنے والا ہوں، اگرچہ
 فرعون ذاتِ حق (خدائے تعالیٰ) سے جدا نہ تھا، مگر صورت تو فرعون کی تھی۔“ ۵۴

فرعون تو فرعون، ابلیس بھی صوفیہ کے نزدیک موحد اور مومن ہے۔ اس لیے کہ اس نے بھی،
 صوفیہ کے مطابق، اسی بات کا اقرار کیا تھا کہ سبھی چیزیں خدا ہی ہیں۔ خدا کے سوا کچھ بھی
 نہیں ہے۔ گویا کہ کلمہ شہادت کو الٹ کر کچھ اس طرح کر دیا گیا — لا و حده بل کل
 شریک لہ — حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ/ ۹۲۲ء) کہتا ہے:

”اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں میں ابلیس جیسا کوئی موحد نہ
 تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ سجدہ کر، تو ابلیس نے کہا: تیرا غیر
 نہیں۔ اللہ نے کہا: تجھ پر لعنت ہے۔ اس کے جواب میں بھی ابلیس نے کہا
 کہ: میں کس کو سجدہ کروں، بس تو ہی تو ہے، تیرا غیر نہیں، مجھے تیرے سوا کچھ
 نظر نہیں آتا۔“ ۵۵

حتیٰ کہ ان بتوں تک کو خدا ثابت کر دکھانے کی کوششیں کی گئی ہیں جنہیں قرآن نے واضح طور پر باطل ٹھہرایا ہے اور انہیں شرک کی علامت قرار دیتے ہوئے ان سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ ابن عربی کا قول ہے:

”انھوں نے (یعنی نوحؑ کی قوم نے) اپنے مکر میں کہا — لَا تَدْرُنَّ إِلَهَتَكُمْ وَ لَا تَدْرُنَّ وَدًّا وَلَا سَوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَ نَسْرًا (نوح: ۲۳) (ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا)۔ اگر وہ ان بتوں کو چھوڑ دیتے تو ان ظہورات میں سے جو ان بتوں میں تھے جدا ہو جاتے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کی ایک وجہ، ایک تجلّی، ہر معبود، بلکہ ہر مخلوق اور ہر شے میں ہے جو اس شے کو جانے گا، اس میں کی وجہ حق کو جانے گا اور کسی شے کو نہ جانے گا تو اس میں کی وجہ حق سے بھی غافل رہے گا۔“ ۵۶

مولانا عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں:

در ہمہ اوست پیش چشم شہود چست پندار ہستی من و تو
پاک سو جامی از غبار دوئی لوح خاطر کہ حق یکست نہ دو
(اگر چشم شہود میں ہر طرف وہی ایک وجود (خدا) جلوہ گر ہے، تو پھر میری اور تیری ہستی کی حقیقت کیا ہے؟ جامی لوح دل سے دوئی کے غبار کو دھو کہ حق ایک ہے نہ کہ دو۔) ۵۷

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو بھی دیکھتے چلے، جنھوں نے اسی کلمہ خبیث کی تعلیم نہایت ہی چابک دستی سے دی ہے۔ فرماتے ہیں:

”فقیر کو بتایا گیا ہے کہ ولایت کبریٰ کے حصول کا سب سے قوی ذریعہ یہ ہے کہ جب سالک پر ”مقام بے نشانی“ منکشف ہو جائے تو پھر وہ ”مراقبہ احاطہ“ یعنی اِنَّ اللَّهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ کا مراقبہ کر لے۔ بعد ازاں وہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا ذکر کرے۔ لیکن یہ ذکر کرتے وقت وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ضمن میں ”لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ“ کے مفہوم کو ملحوظ نظر رکھے۔“ ۵۸

غرض کہ، سید احمد عروج قادری کے الفاظ میں، ”وحدت الوجود کی مختلف تشریحات کی

گئی ہیں لیکن اس نظریے کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کائنات میں صرف اللہ موجود ہے اور دوسری تمام چیزوں کا وجود محض خیالی اور وہمی ہے۔“ ۵۹ صوفیہ نے اس مسئلے پر ہزاروں صفحات سیاہ کیے ہیں... ابن عربی اور شیخ احمد سرہندی نے اس مسئلے پر جو کچھ لکھا ہے اگر صرف اسی کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔“ ۶۰

فرعون تو فرعون، کتا، بکری اور کوا تک خدا

کلمہ وحدت الوجود کے اسی عقیدے کے تحت صوفیہ تمام مخلوقات کو خدا قرار دیتے ہیں، حتیٰ کہ بکری، کتے اور کوا تک کو خدا قرار دینا ان کے لیے ضروری بھی تھا۔ ابو نصر سراج طوسی (م ۳۷۸ھ / ۹۸۸ء) اپنی کتاب ”اللمع فی التصوف“ میں ابو حمزہ صوفی بغدادی (م ۲۷۰ھ / ۸۸۳ء) کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ابو حمزہ صوفی کو حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ / ۸۵۷ء) کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں حارث محاسبی کی بکری نے جب ”میں میں“ کی آواز کی تو ابو حمزہ صوفی ہچکیاں لینے لگا اور بکری سے مخاطب ہو کر کہنے لگا — ”لَبَّيْكَ يَا سَيِّدِي“ (میرے آقا! میں حاضر ہوں)۔ اس پر حارث محاسبی نے اسے ٹوکا۔ ابو حمزہ نے اس کا جواب دیا کہ تیرے انکار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے میدان میں ابھی تم مبتدی ہو۔ ۶۱ وہ دوسرا واقعہ ابو الحسین نوری (م ۲۹۵ھ / ۹۰۷ء) کا پیش کرتے ہیں کہ اس نے ایک کتے کو پایا کہ وہ بھونک رہا تھا تو اس سے کہنے لگا ”لَبَّيْكَ وَ سَعْدِيكَ“ (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں)۔ ۶۲

علامہ ابن جوزی اپنی کتاب ”تلبیس ابلیس“ میں لکھتے ہیں:

”ابو عبد اللہ رملی کہتے ہیں کہ ابو حمزہ نے طرسوس کی جامع مسجد میں وعظ کیا۔ لوگوں نے دل سے سنا۔ ایک روز وہ وعظ بیان کر رہے تھے کہ یکا یک جامع مسجد کی چھت پر کوا بولا۔ ابو حمزہ نے زور سے نعرہ مارا اور کہا ”لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ“ اس بات پر لوگوں نے ان کو زندیقیت کی طرف منسوب کیا۔ مسجد کے دروازے

پر ان کا گھوڑا یوں پکار کر نیلام ہوا کہ یہ ایک زندیق کا گھوڑا ہے۔... ابوعلی روزباری (م ۳۲۲ھ/ ۹۳۴ء) نے کہا کہ ابوحمزہ اس آواز کو خدا کی طرف سے پکارنے والا سمجھتے تھے جو ان کو ذکر الہی کے لیے بیدار کرتا تھا۔ ابوعلی روزباری نے کہا کہ ابوحمزہ حلوی اس لیے قرار دیا گیا کہ وہ جب کوئی آواز مثلاً ہوا کا چلنا، پانی کا شور، پرندوں کا غل سنتا تو زور سے ”لبیک لبیک“ پکارتا تھا۔“ ۶۳

جنید بغدادی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے:

”شیخ جنید بغدادی ایک دفعہ اپنے ایک مرید کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں کتا بھونکا۔ شیخ نے کہا ”لبیک لبیک“ (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں)۔ مرید نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا: ”قوت و دبدبہ تو قہر الہی کا نظر آیا، آواز قہر الہی کی سنی۔“ ۶۴

دعویٰ 'انا الحق'

اس طرح صوفیہ کلمہ وحدت الوجود کے تحت لا واحد بل کل شریک لہ (وہ ایک نہیں ہے بلکہ اس کی ذات میں کائنات کی تمام مخلوقات شریک ہیں) کا عقیدہ اختیار کر لینے کے بعد چوں کہ وہ خود بھی ان مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور اس کائنات کا ایک جزو ہے، اس لیے انھیں خود اپنے آپ کو بھی خدا کی حیثیت سے پیش کرنا اور اپنی خدائی کا اظہار کرنا ان کے لیے آسان ہو گیا۔ لہذا تقریباً تمام ہی اکابرین صوفیہ کے یہاں علی الاعلان یہ دعویٰ پایا جاتا ہے۔ چند اکابرین صوفیہ سے متعلق روایات بطور مثال پیش ہیں:

ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء) جسے مولانا عبدالرحمن جامی نے صوفیہ کا سردار کہا ہے، فرماتے ہیں:

”انسان جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ اس سے متحد ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات میں سر تاپا ڈوب جاتا ہے اور

پھر اس کا ذاتی تشخص ختم ہو کر ذات خداوندی کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔“ ۶۵

”ایک بار لوگوں نے عارف کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ عارف وہ ہے جو علم، چشم، مشاہدہ اور کشف و حجاب کے بغیر دیکھتا ہے (کیوں کہ سارے ذرائع تو مخلوق کے لیے ہیں) اس لیے کہ اسے ذات خداوندی کا قرب ہی حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اس سے واصل ہو جاتا ہے۔“ ۶۶

قزوینی کے حوالے سے علامہ محمد اقبال لکھتے ہیں:

”ذوالنون مصری نے (تصوف کو) اور ترقی دی اور فرمایا کہ تصوف توحید کے اسرار کا علم حاصل کرنا ہے اور اس علم کی انتہا یہ ہے کہ عارف اور معروف ایک ہی شے ہے۔“ ۶۷

بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء) فرماتے ہیں:

”جب میں سانپ کی کینچلی کی طرح بایزیدیت سے باہر نکلا تو دیکھا کہ عاشق و معشوق دونوں ایک ہیں۔ کیوں کہ دنیائے وحدت میں سب ایک ہو سکتے ہیں۔“ ۶۸

”عارف کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ صفات خداوندی کا مظہر ہو۔“ ۶۹

بایزید بسطامی کا یہ بہت ہی مشہور قول ہے، جس کے ذکر سے شاید ہی تصوف کی کوئی کتاب خالی ہو:

”سبحانی سبحانی ما اعظم شأنی (بزرگی میرے لیے ہے، بزرگی میرے لیے ہے، کیا ہی عظیم شان ہے میری)۔“ ۷۰

ان کے مشہور اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے:

”ما فی جبتی سوی اللہ (میرے جے میں سوائے اللہ کے اور کیا ہے)“

بایزید بسطامی یہ بھی فرماتے ہیں:

”مدت تک میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا رہا، لیکن جب میں واصل بحق ہو گیا تو خانہ کعبہ میرا طواف کرنے لگا۔“ ۷۱

”میں اس (خدا) کی تلاش میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا تھا۔ (خدا سے) وصال ہوا تو دیکھا کہ کعبہ میرا طواف کر رہا ہے۔“ ۷۲

”میں نے پہلی دفعہ حج کیا تو کعبہ کو دیکھا، دوسری دفعہ حج کیا تو صاحب کعبہ کو

دیکھا، تیسری مرتبہ حج کیا تو نہ کعبہ کو دیکھا، نہ صاحب کعبہ کو (خود ہی صاحب کعبہ یعنی خدا ہو گئے)۔“ ۳۷

ان کے متعلق یہ روایت بھی بہت مشہور ہے:

”ان کے گھر ایک آدمی آیا اور اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی: کس کی تلاش ہے؟ آدمی نے کہا کہ میں بایزید کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ اس پر شیخ نے اندر سے کہا: چلے جاؤ گھر میں خدا کے سوا کوئی نہیں ہے۔“ ۳۸

یہ بھی بایزید بسطامی کا اعلان ہے:

”شیخ بسطامی نے ایک دفعہ صبح کی نماز پڑھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا: انی انا لا اله الا انا فاعبدون (میں میں ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس میری عبادت کرو۔“ ۳۹

شیخ محی الدین ابن عربی کے بقول:

”حضرت بایزید بسطامی اس مقام یعنی کشف تام و شہود میں فرماتے ہیں: اگر عارف باللہ کے قلب کے ایک گوشے میں عرش اور جو کچھ اس کے نیچے ہے، بلکہ اس سے بھی کڑور ہا کڑور چند سما جائے تو عارف کو اس کی حس تک نہ ہوگی۔“ ۴۰

بسا اوقات بایزید بسطامی نے اپنے آپ کو خدا سے بھی بڑھ کر اپنی خدائی کا دعویٰ پیش کیا ہے۔ مثلاً منقول ہے کہ ایک شخص نے ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت پڑھی اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (البُرُوج: ۱۲) (یقیناً تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔) یہ سن کر بایزید نے کہا: بَطْشِيْ اَشَدُّ مِنْ بَطْشِهِ (میری پکڑ اس کی پکڑ سے زیادہ سخت ہے) ۴۱

بایزید اور ان ہی کی طرح کئی صوفیہ نے بطور خاص لا اله الا اللہ سے کفر کا دعویٰ پیش کیا ہے۔ بایزید بسطامی کا دعوائے کفر پیش ہے:

”توبة الناس من ذنوبهم و توبتي من قولی لا اله الا الله. (لوگ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ میں اپنے لا اله الا الله کہنے سے توبہ کرتا ہوں۔“ ۴۲

ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ/۹۲۱ء) فرماتے ہیں:

”پھر جب اس (سالک) کے نفس کا تزکیہ زیادہ ہو جاتا ہے تو بشریت کے حدود

سے گزر جاتا ہے اور جب اس میں بشریت کا شائبہ نہیں رہتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی روح پاک میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ مطیع سے مطاع بن جاتا ہے۔ یعنی وہ روحانیت کی اس منزل پر ارتقاء کر جاتا ہے جہاں وہ کسی کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ لوگ اس کی اطاعت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہی واقعہ ہوتی ہے، جو پہلے سے مشیت الہی بن چکی ہوتی ہے۔ پھر اس کا کوئی قول و فعل اس کا نہیں رہتا بلکہ خود خدا کا قول و فعل بن جاتا ہے۔“ ۴۳

حسین بن منصور کے متعلق علامہ محمد اقبال، پروفیسر ایڈورڈ براؤن (م ۱۹۲۶ء) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”حلاج خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے شاگردوں کو پیغمبروں کے ناموں سے موسوم کرتا تھا۔ وہ ایک جگہ کہتا ہے: میں وہ ہوں جس نے عاد و ثمود کو فنا کیا تھا۔ آخر کار اس کا جسم جلا دیا گیا۔“ ۴۴

منصور حلاج کا کلمہ ”انا الحق“ تو بہت ہی مشہور ہے۔ چنانچہ اس کے ذکر سے شاید ہی کوئی کتاب خالی ہو۔ یہ اس لیے بھی کہ تقریباً تمام صوفیہ نے اس سے کسب فیض کیا ہے اور چوں کہ تمام صوفیہ کا اس کلمہ کفر پر ایمان ہے۔ لہذا، ابن منصور حلاج کے اس کلمہ ”انا الحق“ کو اپنی جانب سے کسی نہ کسی طرح حق بجانب ثابت کرنے کی سبھوں نے اپنی سی کوششیں بھی کی ہیں۔ یہ اس لیے بھی کہ حلاج کے اس کلمہ باطل پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتا رہا ہے۔ جب کہ تمام ہی صوفیہ کے عقائد کی بنیاد بہر صورت اسی مرکز و محور پر استوار ہے، اس ذیل میں گفتگو ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

علامہ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۱ء) نے اپنی کتاب ”تلمیس ابلیس“ میں حسین بن منصور حلاج سے متعلق ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”ابو بکر بن ممشاد (دینوری) (م ۲۹۹ھ/۹۱۱ء) نے کہا کہ دینور میں ہمارے پاس ایک آدمی آیا۔ اس کے ساتھ ایک تھیلی تھی۔ اس کو رات اور دن میں کسی وقت بھی اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے اس تھیلی کو ٹولا تو اس میں سے حلاج کا ایک خط نکلا، جس کا عنوان تھا—رحمان و رحیم کی طرف سے فلاں بن

فلاں کو!... وہ خط بغداد بھیج دیا گیا۔ حلاج کو بلوا کر وہ خط اسے پیش کیا گیا۔ (اس نے) کہا: یہ خط میرا ہے اور میں نے لکھا ہے۔ لوگوں نے کہا: ابھی تک تو تم کو نبوت کا دعویٰ تھا۔ اب ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگے۔ جواب دیا کہ میں ربوبیت کا مدعی نہیں۔ لیکن ہم لوگوں کا یہ عین الجمع مذہب ہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی کوئی لکھنے والا ہے۔ ہاتھ تو فقط ایک اوزار (ذریعہ) ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اور بھی کسی کا یہ مذہب ہے۔ جواب دیا کہ ہاں! ابن عطاء اور ابو محمد جریری اور ابوبکر شبلی ہیں۔ لیکن جریری اور شبلی چھپاتے ہیں۔ اگر کچھ ہیں تو ابن عطاء ہیں۔ جریری کو بلوا کر پوچھا گیا۔ (اس نے) جواب دیا کہ یہ شخص کافر ہے اور جس کا یہ قول ہو وہ قابل قتل ہے۔ شبلی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا جو ایسا کہے وہ نظر بند کیا جائے۔ ابن عطاء سے سوال کیا گیا تو انھوں نے حلاج کی سی بات کہی۔ یہی ان کے قتل کا سبب ہوا۔“ ۸۱

ابوبکر شبلی (م ۳۳۳ھ/ ۹۴۶ء) جن کے بارے میں ان کے مرشد جنید بغدادی کا ارشاد ہے: ”لکل قوم تاج و تاج هذا القوم شبلی“ (ہر قوم کا ایک تاج ہوتا ہے اور اس قوم کے تاج شبلی ہیں) ۸۲ ان کی بھی چند مثالیں پیش ہیں:

”ابوبکر شبلی ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ جب وہ جانے لگے تو ان کی طرف رخ کر کے کہا: مروانا معکم حیث ما کنتم انتم فی رعایتی و فی کلائی (جاؤ تم جہاں کہیں بھی ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، تم میری نگرانی اور حفاظت میں ہو)۔“ ۸۳

ان کے عقیدہ وحدۃ الوجود سے متعلق الطاف احمد اعظمی شیخ فرید الدین عطار کے قصیدے کے اشعار پیش کرتے ہیں۔

روز آدینہ بر سر منبر گشت شبلی برائے خطبہ سوار
کرد توحید ایزدی آغاز کہ یک است او چہ دہ چہ صد چہ ہزار
مگر آں جا جنید حاضر بود گفت اے پاکباز نادرہ کار
آں چہ من باتو گفتم ام بہ نہفت تو عیانش ہی کنی اظہار

گفت ہیہات اے یگانہ عصر سخن مشرکانہ را بگذار
من ہی گویم و ہی شنوم نیست کس غیر من بہ ہر دیوار
قم باذنی و قم باذن اللہ ہر دو یک نغمہ است از لب یار
(ایک دن جمعہ کو شبلی خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور توحید ایزدی سے خطبے کا آغاز کیا اور کہا کہ وہ (خدا) ایک ہے، خواہ دس، خواہ سو، خواہ ہزار میں ہو۔ اس وقت جنید بھی وہاں حاضر تھے۔ انھوں نے کہا: اے مرد پاک باز! جو بات میں نے تم سے کہی ہے، اس کو تمہیں چھپانا چاہیے نہ کہ تم اس کو برملا ظاہر کرتے ہو۔ شبلی نے کہا: افسوس اے یگانہ عصر! مشرکانہ بات کو چھوڑیے۔ میرے علاوہ کوئی اور نہیں۔ قم باذنی (میرے حکم سے اٹھ) کہیں یا قم باذن اللہ (اللہ کے حکم سے اٹھ) کہیں، دونوں لب یار سے نکلا ہوا ایک ہی نغمہ ہے) ۸۴

مذکورہ اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ جنید بغدادی بھی شبلی کے ہم نوا تھے۔ بلکہ فلسفہ وحدۃ الوجود کی تعلیم انھوں نے ہی دی تھی۔ البتہ جنید بغدادی اپنے اس عقیدے کو برسر عام پیش کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن اس عقیدے کے چھپانے کو ابوبکر شبلی شرک سمجھتے تھے۔ لہذا، انھوں نے برسر منبر بباغ دہل اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا۔ اپنے آپ کو خدا کہا اور دلیل کے طور پر ”قم باذنی“ اور ”قم باذن اللہ“ دونوں کو ایک ہی قرار دیا۔ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں وہ فرماتے ہیں:

”میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ کیا دونوں جہانوں میں میرے سوا بھی کوئی اور ہے۔“ ۸۵

”ابوبکر شبلی سے پوچھا گیا: توحید کے بارے میں کچھ بتائیں۔ عرض کیا: توحید مجرد کی گفتگو کرنے والا لحد، اس کی طرف اشارہ کرنے والا مشرک اور اس کی طرف بلانے والا غافل و بت پرست ہے۔“ ۸۶

ابن منصور حلاج کے بارے میں ابوبکر شبلی کا بیان ہے:

”میں اور حلاج ایک ہی چیز ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لوگوں نے مجھے دیوانہ قرار دے دیا اور یوں میری نجات ہوگئی۔ لیکن حسین کو اس کی عقل نے ہلاک کر ڈالا۔“ ۸۷

”چنانچہ اسے وفات کے وقت بھی کلمہ لا الہ اللہ پڑھنا نصیب نہ ہوا۔ جب کلمہ پڑھنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا: ”جب غیر کا وجود ہی نہیں تو نفی کس کی کروں۔“ ۸۸

امام ابو حامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) توحید کے معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب تمام چیزوں کی پہچان اور معرفت اس (صوفی) سے غائب ہوگئی تو سب چیزیں اسی حق میں نیست اور فنا ہو گئیں اور جب وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا تو خود اپنی ذات سے نیست اور فنا ہو گیا اور جب خدا تعالیٰ اور اس کے ذکر کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا تو جو کچھ فانی تھا وہ ختم ہو گیا اور جو باقی ہے وہی رہ گیا۔ یگانگت اور توحید کے یہی معنی ہیں کہ جب آدمی خدا تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا تو کہتا ہے کہ سب کچھ وہی ہے۔ اس حالت میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں بھی نہیں ہوں یا یوں کہتا ہے کہ میں خود بھی وہی ہوں۔“ ۸۹

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۳۰ء) کے فرمودات پیش ہیں:

”مراتب داخلی میں جو قبل ”کن“ ہیں، ہم خدائے تعالیٰ میں تھے اور مراتب خارجی میں جو بعد ”کن“ ہیں، خدا ہم میں ہے۔“ ۹۰

”حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کے تمام اعضاء کی حقیقت وہ خود ہے۔ لہذا، اصل عمل کرنے والا خود حق تعالیٰ ہے نہ کہ کوئی اور۔ ہاں صورت بندے کی ہے۔ اسماء الہیہ اسمائے مخلوقات میں مندرج ہیں۔ حق تعالیٰ مخلوقات کا عین ہے، اصل ہے۔ جب ظہور کرتا ہے تو اس کے مظہر کا نام خلق ہو جاتا ہے۔“ ۹۱

”تمام وجود وہی ہے، وہ ایک ہی ہے جس کے وجود سے میرا وجود قائم ہے۔ اسی لیے میں نے کہا کہ وہ سب کو غذا بناتا ہے اور ان کو ہضم کر لیتا ہے۔ میرا وجود اس کی غذا ہے جو اس میں فنا ہو جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے اور اس بات میں ہم بھی اس کی اقتدا کرتے ہیں۔ یعنی جب ہم اپنے آپ پر نظر کرتے ہیں تو وہ ہم میں چھپا رہتا ہے۔“ ۹۲

”حق تعالیٰ بندے کا ایک طرح سے محافظ ہے اور بندہ بھی حق کا ایک طرح سے محافظ ہے۔ پس اے عارف! عالم کے متعلق جو چاہو کہو۔ چاہو تو کہو کہ عالم و خلق،

مخلوق و حق کا پیدا کیا ہوا ہے تو صحیح ہے، چاہو تو کہو کہ عالم باعتبار اصل و حقیقت حق کے حق و خلق ہے۔“ ۹۳

”بندے کی ذات بالعرض، وجود بالعرض، خدا کی ذات بالذات، وجود بالذات، لہذا بندہ دراصل معدوم ہے اور حق (خدا تعالیٰ) فی الحقیقت (بندے کی حقیقت یا بندے کے باطن میں) موجود ہے۔“ ۹۴

آگے اسی قول کی دلیل کے بطور یہ آیت پیش کرتے ہیں:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ۔ ۹۵

”اللہ تعالیٰ کا ہر مخلوق میں ظہور خاص ہے۔ وہ ظاہر ہے ہر مفہوم کلی اور جزئی میں۔ وہ باطن ہے ہر فہم و عقل سے۔“ ۹۶

حتیٰ کہ وہ صاف صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

”فی کبیر و صغیر عینہ و جہول بامور و علیم
(ہر چھوٹی بڑی چیز میں اس کی ذات حق ہے۔ ناداں و دانا، عالم و جاہل سب میں اس کی ذات مقدسہ ہے۔)“ ۹۷

”جس طرح تم ذریعہ حکم ہو، وہ (خدا) بھی ذریعہ حکم ہے۔ پس حکم کبھی اس سے تم کو پہنچتا ہے، کبھی تم سے اس کو پہنچتا ہے۔ مگر تم مکلف کہلاتے ہو، وہ مکلف نہیں کہلاتا۔“ ۹۸

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ/۱۷۷۲ء) تنزیلات کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”سوال یہ ہے کہ تنزیلات کی ترتیب کیا ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ پہلے مرتبے پر تو خود اس کی ذات کی سطح پر جلوہ فگن ہوتی ہے۔ تجلی کی صورت جزئی نہیں ہوتی بلکہ اس طرح کی کلیت لیے ہوئے ہوتی ہے کہ کائنات کی کسی چیز کو بھی اس کی وسعتوں سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری تجلی میں اس شان کلی کی تفصیلات ہوتی ہیں۔ مگر صرف علم کی حد تک اعیان و افراد اس کی زد میں نہیں آتے۔ اس کے بعد آخری تجلی اعیان و افراد کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ تجلیات کی اس تشریح کے بعد حقائق ممکنات کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ ان سے مراد وجود مطلق

یا ذات (خداوندی) کا ان صور و اشکال گونا گوں سے ملتبس ہونا ہے جو مختلف شیون و اعتبارات سے ابھرتی ہیں۔ اسی کے معنی یہ ہیں کہ جب ذات گرامی (خدائے تعالیٰ) ان مختلف رنگا رنگ حالات سے معترض ہوتی ہے تو اس تعرض و تلبیس سے ماہیات ممکنات کی تعیین ہوتی ہے۔ وجود ممکنات کا مطلب یہ ہے کہ یہی حقائق جواب تک مرتبہ علم میں تھے، پیراہن وجود سے آراستہ ہیں۔“ ۹۹

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ تنزلات کے لباس میں دراصل وجود حقیقی کا ظہور ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ مختلف شکلوں اور صورتوں کے باوجود ہر شے کی اصل وکنہ وجود حقیقی (خدا تعالیٰ) ہے۔ مختلف شکلوں اور صورتوں کی گونا گونی کی وجہ تقیدات و تعینات ہیں۔ شاہ صاحب نے مذکورہ مکتوب میں اس خیال کی وضاحت کے لیے متعدد مثالیں دی ہیں۔ ان مثالوں کے ذریعہ وہ یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ موجودات میں جو چیز قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ وجود ہے اور یہ وجود حقیقی (خدائے تعالیٰ) ہے جو موجودات کی عین و حقیقت ہے۔ اس طرح قوم صوفیہ کے اس قول کو کہ ”عالم عین حق ہے“ بالکل درست قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحب واضح انداز میں لکھتے ہیں:

”صوفیہ جب یہ کہتے ہیں کہ ”العالم عین الحق“ تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان وجودات خاصہ یا تعینات کی نفی کی جائے جو تنزل و ظہور کا نتیجہ ہیں، بلکہ وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حق نے اس عالم آب و گل میں ظہور فرمایا ہے۔۔۔ صوفیہ ”العالم عین الحق“ کہتے ہیں اور اس سے ان کی غرض فقط یہ ہوتی ہے کہ اس وجود منبسط میں اور ہمارے گرد و پیش پھیلی ہوئی اس وسیع تر حقیقت میں جس نے سارے عالم ہست و بود کا احاطہ کر رکھا ہے، حق کی جلوہ فرمائی ہے اور یہ کہ وجود کی نوعیت براہ راست حق کے ساتھ وابستہ ہے۔“ ۱۰۰

اس طرح شاہ صاحب کے ان خیالات سے یہ عیاں ہے کہ خالق و مخلوق ایک ہی ہیں۔ اسے وہ ”شخص اکبر“ کی تشریح کے ذیل میں یوں فرماتے ہیں:

”اسی کے لطیف ترین نقطہ ہیں جو ذات حق کا آئینہ، حق کی جلوہ گاہ ہے، بالفاظ

دیگر شخص اکبر کے تمام اجزائے میں جو چیز سرایت کیے ہوئے ہے، وہ تجلّی اعظم ہے، جو حق تعالیٰ کے وجودوں میں سے ایک وجود ہے۔“ ۱۰۱

بلکہ شاہ ولی اللہ نے تو منصور حلاج سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھا دیا ہے اور اپنے بڑے چچا کو پورا پورا خدا بلکہ اس کا ہم سر بنا کر پیش کیا ہے۔ حق تعالیٰ اور ان کے چچا میں بس صرف ایک فی صد کا فرق ہے۔ وہ اپنے بڑے چچا شیخ ابوالرضا محمد کے وسعت علم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انھوں نے ایک خادم کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: بخدا اگر مورے در زیر ترین زمین باشد و در خاطر او صد خطرہ خطور کند، من نو دونہ خطرہ رامی دامن و حق سبحانہ، بتمام مآة عالم است (بخدا اگر زمین کے سب سے نچلے طبقے میں چوٹی ہو اور اس کے دل میں سو خیالات آئیں تو اس کے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق تعالیٰ سو کے سو کو جانتا ہے۔“ ۱۰۲

مذکورہ بالا تشریحات اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ شاہ ولی اللہ نے خالق و مخلوق میں ربط و تعلق کی جو نوعیت قائم کی ہے وہ لازماً حلول اور اتحاد کا عقیدہ ہے جو سرا سر باطل ہے اور ہندوؤں کے عقیدے کی نمائندگی کرتا ہے، جسے انھوں نے مختلف جگہوں پر مثالوں سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اکابر صوفیہ کی ایک طویل فہرست ہے، جنھوں نے عجیب و غریب دعوے کیے ہیں اور مختلف انداز سے حلول و اتحاد کو ثابت کرنے کی اپنی سی کوششیں کی ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے میں ان کے صرف چند ناموں پر اکتفا کرتا ہوں۔ مثلاً ابوالحسین نوری (م ۲۹۵/۹۰۷ء)، ابو حمزہ بغدادی (م ۲۷۰/۸۸۳ء)، ابوبکر واسطی (م ۳۰۸/۹۲۰ء)، جنید بغدادی (م ۲۹۷/۹۱۰ء)، سہل بن عبد اللہ تسری (م ۲۸۳/۸۹۶ء)، ابوالحسن خرقانی (م ۲۲۵/۱۰۳۳ء)، ابوسعید الخراز (م ۲۷۷/۸۹۰ء)، ابوسعید ابوالخیر (م ۲۴۰/۱۰۲۸ء)، شیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸/۱۲۴۰ء)، عفیف تلمسانی (م ۶۹۰/۱۲۹۱ء)، ابراہیم الدسوقی (م ۶۷۶/۱۲۷۷ء)، عین القضاة ہمدانی (م ۵۳۳/۱۱۳۸ء) وغیرہ۔

اس قسم کے بیانات اس بات کے واضح ثبوت ہیں کہ مذہب تصوف کا اصل کلمہ

”وحدت الوجود“ ہی ہے۔ صوفیہ کے یہاں اس کلمے کے الفاظ اور برتنے کے انداز مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے متعلق ان کے عقائد و نظریات اور اعمال و اشتغال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

صوفیہ کا ساری مخلوقات کو اور ساتھ ہی اپنی ذات کو بھی خدا کہنا اور اس کی دلیل فراہم کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ یہ جسارت تو ابلیس نے بھی نہیں کی تھی۔ نہ تو اس نے اپنے آپ کو خدا کہا تھا اور نہ ہی حضرت آدم علیہ السلام کو اس نے خدا قرار دیا تھا، بلکہ وہ رب کہہ کر ہی خدا سے مخاطب ہوتا تھا۔ قرآن میں پیش کردہ ابلیس کے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہونے کو مختلف جگہ دیکھا جاسکتا ہے۔

اس طرح دنیا کے تمام مذاہب کے مقابلے میں تصوف کو یہ بھی بڑا امتیاز حاصل ہے کہ سوائے اسلام کے دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والے دوسروں کو بھلے ہی خدا بنا لیتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے خداؤں کی تعداد بھی ان گنت ہو سکتی ہے اور کنکر پتھر سے لے کر سانپ اور چوہا جیسی مخلوقات تک کو خدائی صف میں داخل کر دیتے ہیں اور انھیں خدائی صفات سے نواز دیتے ہیں۔ لیکن ان ماننے والوں میں سے کوئی بھی کم از کم اپنے آپ کو خدا نہیں قرار دیتا اور نہ ہی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے اندر خدا نے حلول کیا ہوا ہے۔ یہ تصوف کی دین ہے کہ ہر ایک صوفی اگر نہیں تو کم از کم اکابرین صوفیہ نے تو اپنی خدائی کا دعویٰ ضرور ہی کیا ہے۔

کلمہ وحدت الشہود

کلمہ وحدت الوجود کے ساتھ ہی ساتھ لیکن بہت ہی جیسی آواز میں کلمہ وحدت الشہود کا بھی صوفیہ کے یہاں چرچا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ”وحدت الوجود“ کے مقابلے میں احمد بن محمد السمنانی (م ۷۳۶ھ/ ۱۳۳۶ء) نے ”وحدت الشہود“ کا فلسفہ پیش کیا تھا۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ مقولہ بھی ”وحدت الوجود“ کی تصریحات کے ذیل میں ”وحدت الوجود“ کے ساتھ ہی یونان سے درآمد کیا گیا ہے اور خود کلمہ ”وحدت الوجود“ کے سب سے بڑے مفکر، شارح اور مؤید شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی نے ”وحدت الوجود“ کی وضاحت میں جگہ

جگہ اسے استعمال کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

”و اعرفه فأشهدہ“ (جب حجابات اٹھ جاتے ہیں تو اس کا شہود مجھے حاصل

بھی ہو جاتا ہے)۔“ ۱۰۳

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مقولے کو باضابطہ کلمہ کی حیثیت دینے کی کوشش سمنانی نے ضرور کی ہے۔

فلسفہ وحدت الشہود کے سب سے بڑے شارح، مؤید اور داعی امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سمجھے جاتے ہیں، جنھوں نے ”وحدت الشہود“ کو ”وحدت الوجود“ سے آگے کا مرحلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندی کے مطابق سالک پہلے مرحلے میں وحدت الوجودی ہوتا ہے اور دوسرے مرحلے میں وحدت الشہود دی اور پھر ایک مرحلہ اور بھی ہے جسے وہ مرحلہ عبودیت کا نام دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک مدت کے بعد اس درویش پر ایک اور نسبت غالب ہوئی اور اس کے غلبہ میں توحید وجودی میں توقف پیدا ہوا۔ لیکن یہ توقف توحید وجودی والوں کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر پیدا ہوا، انکار کی بنا پر پیدا نہ ہوا۔ ایک مدت تک اس بارے میں متوقف رہا۔ آخر الامر معاملہ اس کے انکار تک پہنچا اور مجھے دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ سب سے پست مرتبہ ہے۔ یہاں سے ظلیت کے مقام پر پہنچا۔ لیکن اس کا انکار بے اختیار تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے۔ اس لیے کہ بہت سے مشائخ عظام اس مقام میں اقامت پذیر تھے اور جب ظلیت کے مقام میں پہنچا اور خود کو اور عالم کو ظل محسوس کیا، جیسا کہ دوسرا گروہ اس کا قائل ہے تو اس امر کی آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اس مقام سے باہر نہ نکالیں۔ کیوں کہ یہ درویش کمال وحدت وجود میں پاتا تھا اور یہ مقام ظلیت اس سے کچھ قدرے مناسبت رکھتا تھا۔ اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اوپر لے گئے اور مقام عبودیت تک پہنچا دیا۔ اس وقت اس مقام کا کمال دکھائی دیا اور اس کی بلندی واضح ہوئی۔ اور گزشتہ مقامات سے تاب ہو اور استغفار کیا۔“ ۱۰۴

پھر ان تمام مقامات کو صحیح قرار دیتے ہوئے اسی مکتوب میں آگے لکھتے ہیں:

”ہر مقام کے علوم و معارف الگ ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ پس فی الحقیقت علوم میں تعارض اور تناقض نہیں، جس طرح احکام شرعیہ کے نسخ کا معاملہ ہے — فلا تکن من الممتزین — (تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو)۔“ ۱۰۵

اسی مکتوب میں یہ بھی فرماتے ہیں:

”یہ تیسرا (وحدت الوجودی) گروہ اپنے درجات وصل و کمال میں مختلف اور متفاوت ہونے کے باوجود واصل اور کامل ہے۔“ ۱۰۶

اس طرح فلسفہ ”وحدت الوجود“ کو شیخ احمد سرہندی نے زیر کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور پھر اس کی اہمیت اور حقانیت پر بھی مہر تصدیق ثبت کیا ہے۔ ان کے مذکورہ خیالات مضحکہ خیز ہیں۔ جب خود انسانی وجود صوفیہ اور خود شیخ احمد سرہندی کے خیال کے مطابق خدا کے ساتھ وحدت اختیار کر لیتا ہے تو پھر اس سے آگے کیا چیز ہو سکتی ہے۔ کجا کہ اصل سے ظل کی طرف مراجعت ہو اور اسے ترقی کا مقام قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ فروتر بات ہوگی کہ براہ راست خدا سے وصل کے بعد پھر اس کے ظل سے واصل ہو اور پھر ظل سے بھی فروتر ہو کر عبدیت کے مقام تک رسائی ہو۔ طرہ امتیاز یہ کہ وہ خود بھی اسی مکتوب کے آخر میں پھر تمام مقامات کے علوم و معارف اور حال و قال کو درست ہی قرار نہیں دیتے بلکہ ہر ایک سے ایک دوسرے کے تعارض و تناقض کا بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ ہیں فلسفیانہ موٹھا گافیاں۔ ظاہر ہے کہ بے اصل اور بے حقیقت چیز کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ہوتی ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”وحدت الشہود“ کا فلسفہ ”وحدت الوجود“ کے مقابلے میں اس کی شاعت اور قباحت سے بچنے کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن ایسا سمجھنا بھی غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی دراصل اسی فلسفے کا چرہ ہے۔ البتہ اس کے الفاظ میں پھیر بدل سے کام لیا گیا ہے۔ ورنہ یہ بھی مشرکانہ عقیدے ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کی تشریحات اور تمثیلات بھی وہی سبب پیش کی جاتی ہیں جو ”وحدت الوجود“ کے سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں۔ ”وحدت الشہود“ کے حامی اور داعی بھی ان ہی اکابرین کو تصوف کے اساطین مانتے ہیں، ان ہی اکابرین کے نقش قدم پر اپنے عقائد و نظریات کے تانے بانے بنتے ہیں، ان ہی کے بتائے ہوئے راہ سلوک اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں، ان ہی کے منقولات،

حکایات، ملفوظات اور ہدایات کو حرز جاں بناتے ہیں، جن کا عقیدہ ”وحدت الوجود“ ہے۔ حتیٰ کہ شیخ احمد سرہندی بھی ان تمام لوگوں کو اپنے اکابرین کی حیثیت سے پیش ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے فلسفے اور منقولات و ملفوظات کا حتی المقدور دفاع بھی کرتے ہیں۔ لہذا ابن منصور حلاج ہو کہ شیخ محی الدین ابن عربی ہر کسی کے عقائد و نظریات کی بھرپور تائید کرتے ہیں اور ہر ممکن طریقے سے انھیں حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ درج بالا سطور سے واضح ہے اور مزید آئندہ صفحات میں اس کی مثالیں ان شاء اللہ پیش کی جائیں گی۔

خود تصوف کے اساطین کا بھی یہی خیال ہے کہ ”وحدت الوجود“ اور ”وحدت الشہود“ میں بظاہر جو اختلاف نظر آتا ہے وہ محض لفظی اختلاف ہے، ورنہ دونوں نظریے ایک ہی حقیقت کے ترجمان ہیں۔ مذہب تصوف کے ایک بہت ہی قدآور شخص شاہ ولی اللہ دہلوی جو ظاہری اور باطنی یعنی شریعت و طریقت (واضح رہے کہ یہ اصطلاحات ظاہری اور باطنی اور شریعت کے مقابلے میں طریقت اور ان میں تفریق صوفیہ کی پیدا کردہ ہے) دونوں ہی علوم کے محرم راز سمجھے جاتے ہیں، جنھیں علوم اسلامی میں ایک اونچا مقام دیا جاتا ہے اور کم از کم برصغیر ہند میں مسلمانوں کی جس قدر جماعتیں اور تنظیمیں ہیں، سبھوں کے متفقہ اور یکتائے روزگار رہنما اور بزرگ ہیں، کے مطابق ”وحدت الوجود“ اور ”وحدت الشہود“ دونوں میں محض اصطلاحات کا فرق ہے، ورنہ مفہوم اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وحدت وجود اور وحدت شہود دو لفظ ہیں، جن کا اطلاق دراصل مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ان کا استعمال ”سیرالی اللہ“ کے مباحث میں ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں بزرگ وحدت شہود پر جاگزیں ہے۔ اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقت جامعہ کی تلاش و عرفان میں گم اور مستغرق ہے۔ استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالم رنگ و بو اپنے تمام امتیازات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ و امتیاز کے سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن پر خیر و شر کی معرفت کا دار و مدار ہے اور شرع و عقل جس کی پوری پوری نشان دہی کرتی ہے۔ سیر و سلوک کا یہ مقام عارضی ہوتا

ہے۔ سالک چندے یہاں ٹھہرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دست گیری و توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال کر لے جاتی ہے۔

اسی طرح وحدت شہود کے معنی اس سیاق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے، جہاں احکام جمع و تفرقہ کے ڈانڈے باہم ملے ہوتے ہیں۔ یعنی سالک اس حقیقت کو پالینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ اشیاء میں جو وحدت سی نظر آتی ہے، من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متباہن محسوس ہوتی ہے وہ بھی من وجہ ہے۔

معرفت و سلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے نسبتاً زیادہ اونچا ہے۔

کبھی کبھی ان الفاظ کا اطلاق حقائق اشیاء کی نسبت سے ہوتا ہے۔ حادث و قدیم میں ربط و تعلق کی کون سی نوعیت کارفرما ہے، اس کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر پاتے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم جو اعراض مختلفہ کا ہدف و نشانہ ہے، اس کی تہ میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے۔

دوسرا گروہ حادث اور قدیم کے مابین ربط و تعلق کو اس طرح استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ عالم دراصل اسماء و صفات کے ان عکوس و ظلال سے تعبیر ہے کہ اعداد متقابلہ آئینوں میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً قوت کا عدم عجز ہے۔ لہذا، جب قدرت کی ضوفشائیاں عجز کے آئینے میں ہوں گی تو اس سے قدرت ممکنہ ظہور میں آجائے گی۔ جب موجودات کی یہ توجیہ فہم و فکر کی گرفت میں آگئی تو تمام صفات وجود کو اسی پر قیاس کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پہلا نقطہ نظر وحدت وجود کی ترجمانی کرتا ہے اور دوسرا وحدت شہود کی۔ ہمارے خیال میں کشف پر مبنی یہ دونوں نتائج صحیح ہیں۔“ ۱۰۷

مترجم ”سطعات“ سید محمد متین ہاشمی اپنے مقدمے میں شاہ صاحب کے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”شاہ صاحب اس (وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مابین) نزاع کو نزاع لفظی کہتے ہیں، کیونکہ آگے چل کر دونوں مشائخ ایک ہی نقطے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ دونوں مشائخ (شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ احمد سرہندی)

کے نظریات میں تطبیق دینے کے لیے حضرت شاہ صاحب نے ”نفس کلیہ“ کا نظریہ پیش کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ زید، بکر، عمر بظاہر ایک دوسرے کے غیر ہیں۔ کیونکہ زید، زید ہے، بکر نہیں۔ لیکن ایک اعتبار سے ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اس لیے کہ انسانیت ان سب میں مشترک ہے۔ بعینہ اسی طرح کائنات کی تمام کثرتیں اسی ایک وحدت (نفس کلیہ) سے صادر ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ابن عربی کا یہ خیال ہے کہ یہ کائنات عین ذات باری تعالیٰ ہے تو اس سے ان کی مراد نفس کلیہ ہے جو درحقیقت ”الوجود المنبسط علی ہیاکل الموجودات“ ہے۔ جو قائم بالذات اور

تمام موجودات پر طاری ہے۔“ ۱۰۸

شاہ ولی اللہ دہلوی ”مکتوب مدنی“ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں:

”خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس و ظلال ہیں جو اعداد متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں کسی طرح بھی شیخ ابن عربی کی تصریحات کے خلاف نہیں ہے۔“ ۱۰۹

اس طرح حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کا نظریہ ”نفس کلیہ“ بھی درحقیقت ”وحدت الوجود“ ہی کی وضاحت اور تصدیق ہے، جیسا کہ سطور بالا سے ثابت اور واضح ہے۔

سید اسماعیل شہید بھی اسی نظریہ کے حامی تھے۔ انھوں نے ”عمیقات“ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے اختلاف کی واقعی نوعیت — ”کیا یہ نزاع لفظی ہے“ کے عنوان سے لکھا ہے:

”بہر حال عارف جامی (مولانا عبدالرحمن جامی) اور شیخ صدر الدین تونوی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ شیخ محی الدین ابن عربی کے نقطہ نظر وحدت الوجود کے سب سے بڑے حامیوں میں ہیں۔ لیکن وحدت الوجود کا جو واقعی مطلب ان حضرات نے خود بیان کیا ہے، اس میں اور حضرت مجدد الف ثانی جو کچھ فرماتے ہیں، اس میں انصاف سے بتاؤ کہ کیا اختلاف ہے اور دونوں مسلكوں میں کیا

فرق ہے؟ بہر کیف، فاطر اور مفسور میں قیومیت کا علاقہ مان لینے کے بعد

دونوں کے دعوے درست ہو جاتے ہیں۔“ ۱۱۰

مولانا اشرف علی تھانوی بھی ”وحدت الوجود“ کے قائل تھے اور ان کے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا بھی یہی مسلک تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ”التکشف عن مهمات التصوف“ میں ”تحقیق مسئلہ وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود“ کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کی کلمہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کلمے میں اختلاف کو نزاع لفظی قرار دیتے تھے۔ ان کے خلاصہ بحث کے الفاظ پیش ہیں:

”پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے، کما قال مرشدی۔“ ۱۱۱

مولانا اشرف علی تھانوی ”تعلیم الدین“ میں ”وحدت الوجود“ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”گو ممکنات موجود ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود دیا ہے، موجود کیوں نہ

ہوتے۔ مگر وجود حق کے روبرو ان کا وجود نہایت ناقص و ضعیف و حقیر ہے۔ اس

لیے وجود ممکن کو وجود حق کے روبرو عدم نہ کہیں گے مگر کالعدم ضرور کہیں گے۔

جب یہ کالعدم ہوا تو وجود معتد بہ ایک ہی رہ گیا۔ یہی معنی ہیں وحدت الوجود

کے کیوں کہ اس کا لفظی ترجمہ ہے ایک ہونا وجود کا۔ سوا یک ہونے کے معنی یہ

ہیں کہ دوسرا گو ہے سہی مگر ایسا ہی ہے جیسا نہیں۔ مگر اس کو ادعاء وحدۃ الوجود

کہا جاتا ہے۔ ... اس مسئلے کو مرتبہ تحقیق علمی میں توحید کہتے ہیں (اسلام میں

نہیں) جس کی تحصیل کوئی کمال نہیں۔ اور جب یہ سالک کا حال بن جائے تو

اس مرتبہ میں فنا کہلاتا ہے۔ یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے اور یہی حاصل ہے

وحدت الشہود کا جس کی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے کیوں کہ اس کا

ترجمہ ”ایک ہونا شہود کا“ کہ واقعی میں تو ہستی متعدد ہیں مگر سالک کو ایک ہی کا

مشاہدہ ہوتا ہے اور سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔ پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ

الشہود میں اختلاف لفظی ہے۔ کما قال مرشدی۔“ ۱۱۲

خود شیخ احمد سرہندی نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں جو فرق بتانے کی کوشش

کی ہے وہ بھی دراصل فرق کی نشاندہی نہیں بلکہ محض لفظی بہر پھیر ہے اور بس۔ پیش ہے ان کے مکتوب سے ایک اقتباس:

”توحید شہودی یکے دیدن است یعنی مشہود سالک جزیکے نباشد و توحید وجودی

یک موجود دانستن است وغیرہ اور معلوم انگاشتند باوجود عدمیت محالے و مظاهر

آں یکے پنداشتن۔“ ۱۱۳

(توحید شہودی صرف ایک ذات کے مشاہدے کا نام ہے۔ یعنی یہ کہ سالک کے

مشاہدے میں ایک ذات کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں

توحید وجودی اس اعتقاد کا نام ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات کا وجود

ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شے وجود نہیں رکھتی اور یہ تمام اشیاء باوجود موجود

ہونے کے ایک ہی وجود کے مظاہر اور اشکال ہیں)

شیخ احمد سرہندی کے فلسفہ و فکر کے شارح ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری بھی واضح انداز میں

اقرار کرتے ہیں کہ:

”(محی الدین) ابن عربی اور شیخ مجدد (احمد سرہندی) میں اس بات پر اتفاق

ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔“ ۱۱۴

شیخ احمد سرہندی نے خود بھی کلمہ ”وحدت الوجود“ ہی کو ”وحدت الشہود“ ثابت کرنے

کی اس طرح کوشش کی ہے:

”سب سے پہلے جس شخص نے توحید وجودی کی تصریح کی ہے، وہ شیخ اکبر

محی الدین ابن عربی ہے۔ اس سے گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید وجودی

کی خبر دیتی ہیں لیکن توحید شہودی پر عمل کرنے کے قابل ہیں۔ کیوں کہ حق جل

شاء کے غیر کو جب وہ نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں: ”لیس فی جبتی سوی

اللہ“ (میرے جبے میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں ہے) اور بعض ”سبحانی

ما اعظم شأنی“ (بزرگی میرے لیے ہے اور کیا عظیم میری شان ہے) اور بعض

”لیس فی الدار غیرہ دیار“ (گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے)

کی آواز بلند کرتے ہیں۔ یہ سب پھول ایک ہی یک بینی کی شاخ سے کھلے

ہیں۔ ان عبارتوں میں کوئی بھی وحدۃ الوجود پر دلالت نہیں کرتی (بلکہ وحدۃ الشہود پر دال ہیں)۔“ ۱۱۵

شیخ احمد سرہندی کے اس بیان سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کے یہاں بھی فکر اور نظام فکر اصلاً وحدت الوجود ہی ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ”الوجود“ کہنا نہیں چاہتے۔ انھیں ”الوجود“ کی جگہ ”الشہود“ کہنے پر اصرار ہے اور بس۔ حتیٰ کہ متقدمین وجودی صوفیہ کے متذکرہ بالا عبارات — لیس فی جبتی سوی اللہ، سبحانی ما اعظم شأنی اور لیس فی الدار غیر دیار — کا زبردست دفاع کرتے ہوئے اور انھیں توحید ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”عجیب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیہ میں بہت سے اکابرین اس توحید آمیز عبارت کے معنی حلول اور اتحاد سمجھتے ہیں اور ان عبارات کے قائلین کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ان عبارتوں کی ایسی توجیہات کرتے ہیں جو قائلین کے مذاق سے کوئی نسبت اور مناسبت نہیں رکھتیں۔ ... کچھ لوگوں نے اس کی مراد کو نہ سمجھا اور اس کی غلطیاں پکڑنے لگے اور اس پر طعنہ اور ملامت کی بوچھاڑ کرنے لگے اور اس مسئلہ میں اکثر تحقیقات میں شیخ (محی الدین ابن عربی) حق پر ہیں اور اس پر طعنہ کرنے والے صواب سے دور ہیں۔“ ۱۱۶

وہ آگے فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ اس تحقیق سے جو پہلے گزر چکی ہے واضح ہوا کہ صوفیاء جو کلام ”ہمہ اوست“ (سب کچھ وہی ہے) ۱۱۷ کے قائل ہیں۔ عالم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سرّیان ثابت نہیں کرتے اور اگر عمل کرتے ہیں تو باعتبار ظہور و ظلیت کے ہے نہ باعتبار وجود و تحقق کے، اگرچہ ان کے ظاہری الفاظ سے اتحاد وجودی کا وہم ہوتا ہے۔ ... اور جب ایک کا دوسرے پر محمول کرنا باعتبار ظہور ہوا نہ کہ باعتبار وجود تو ”ہمہ اوست“ کے معنی ”ہمہ از وست“ (سب کچھ اسی سے ہے) ۱۱۸ ہوا۔ ... اگرچہ وہ غلبہٴ حال میں ”ہمہ اوست“ کہتے ہیں۔ لیکن اصل میں ان کی مراد اس عبارت سے ”ہمہ از وست“ ہوتی ہے۔“ ۱۱۹

اور یہ بھی انھیں سے منقول ہے:

”جن احوال کو پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ ان کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگر اس فقیر نے وحدت وجود کو قبول کیا تھا تو وہ کشف کی بنیاد پر تھا، تقلید کی بنیاد پر نہیں تھا۔ اب اگر اس کا انکار کر رہا ہوں تو وہ بھی الہام کے باعث اور الہام انکار کی گنجائش نہیں رکھتا، اگرچہ دوسروں کے لیے حجت بھی نہیں ہے۔“ ۱۲۰

غرض کہ شیخ احمد سرہندی خود بھی تذبذب کے شکار نظر آتے ہیں۔ اس لیے نہ صاف صاف اقرار ہی کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی صاف انکار۔ بلکہ کافی حد تک وحدت الوجود ہی کی وکالت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے لیے اپنی فکر (وحدت الشہود) کو حجت قرار نہیں دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے وحدت الوجود عقیدے کی تصدیق بطور تحدیث نعمت کے کرتے ہوئے اپنے اضطراب میں کلمہ وحدت الوجود کو تسکین کا باعث بھی قرار دیتے ہیں۔ انھیں کے الفاظ میں پیش ہے:

”اس کے بعد عالم صورتیں اور شکلیں جن کو میں پہلے حق پاتا تھا، اب موہوم معلوم ہونے لگیں۔ اسی طرح ہر ذرہ جس کو پہلے میں حق پاتا تھا، اب بلا کسی تفاوت اور تغیر کے وہ ذرہ معلوم ہونے لگا۔ اب نہایت حیرت ہوئی اور اسی حیرت کے عالم میں فصوص الحکم (مصنفہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی) کی وہ عبارت جو والد بزرگوار اقدس سرہ سے سنی تھی یاد آئی۔ یعنی ”اگر تو چاہے تو عالم کو ایک وجہ سے حق اور ایک وجہ سے خلق کہہ سکتا ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے حیرت کہہ سکتا ہے۔“ اس عبارت سے بہر حال میرے اضطراب کو تسکین ہوئی۔“ ۱۲۱

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”اللہ پاک نے حضرت خواجہ (شیخ محمد باقی) کی توجہ سے صرف دو روز میں موجود اور موہوم میں تمیز ظاہر کر دی اور میں وجود حقیقی (خدا) کو موہوم خیالی سے ممتاز نہ کر سکا اور وہ صفات، افعال اور آثار جو موہوم سے ظاہر ہوتے ہیں، میں حق سبحانہ سے ظاہر پایا اور ان افعال و صفات کو بھی موہوم جانا اور باہر صرف ایک

ذات کے علاوہ کسی کو بھی نہ دیکھا۔ جب میں نے یہ حالت حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کی تو انھوں نے فرمایا کہ ”مرتبہ فوق بعد الجمع“ یہی ہے اور کوشش کی انتہا بھی یہیں تک ہے۔۔۔ اور اسی مرتبے کو مشائخ طریقت نے تکمیل کا مقام کہا ہے۔“ ۱۲۲

حتیٰ کہ انھوں نے اپنا عقیدہ بھی ہو بہو وہی پیش کیا ہے جو تمام صوفیہ کا مشترکہ عقیدہ و ایمان ہے اور جسے وحدت الوجودی عقیدہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً وہ شیخ محی الدین ابن عربی کا عقیدہ ان ہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہوئے اس پر اپنا مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں:

خوش تر آں باشد کہ سر دلبران گفتم آید در حدیث دیگران
(یہ بڑا اچھا طریقہ ہے کہ دوستوں کا راز دوسروں کی بات میں ڈال کر بیان کر دیا جائے)
”اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ خدا ہے اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ مخلوق ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ ایک حیثیت سے حق (خدا) ہے اور ایک حیثیت سے خلق ہے۔ اور اگر تو چاہے تو حیرت کے متعلق کہہ دے۔ کیوں کہ ان دونوں میں تمیز نہیں ہے۔“ ۱۲۳

کس طرح دیدہ دلیری کے ساتھ اتحاد و جودی کا اقرار کرنے کے علاوہ، اس کی معنویت سے کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔ بلکہ انھوں نے فلسفہ وحدت الوجود اور اس کلمہ کے نتیجے میں ادا کیے جانے والے کفریہ کلمات کو حق بجانب ٹھہراتے ہوئے ان کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا ہے۔ ان کے مکتوب سے ایک اقتباس پیش ہے:

”پس جو صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں، حق پر ہیں اور علماء جو کثرت وجود کے معتقد ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیہ کے حالات کے مناسب وحدت ہے اور علماء کے حالات کے مناسب کثرت۔“ ۱۲۴

اسی کے ساتھ انھوں نے ابن منصور حلاج، بایزید بسطامی اور دیگر صوفیہ کے کلمات کفر تک کی زبردست حمایت کی ہے اور انھیں حق بجانب ثابت کرنے کی اس حد تک کوشش کی ہے کہ الفاظ و تراکیب کے اصل معنی کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا ارتکاب تک کر ڈالا ہے۔ وہ منصور حلاج کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت ھٹھ کے مخالف ہوتے ہیں اور بعض لوگ انھیں توحید و جودی پر محمول کرتے ہیں، جیسے ابن منصور حلاج کا قول ”انا الحق“ اور ابو یزید بسطامی کا ”سبحانی“ کہنا اور اسی طرح کے اقوال۔ اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ انھیں توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور عقل و شرع کے ساتھ مخالفت کو دور کیا جائے۔ چون کہ غلبہ حال میں ماسوائے حق سبحانہ کے ہر شے ان کی نظر سے پوشیدہ تھی تو ایسے الفاظ ان سے صادر ہو گئے اور انھوں نے حق سبحانہ کے سوا اور کسی شے کو ثابت و موجود نہ مانا۔ ”انا الحق“ کے معنی ہیں ”حق ہے میں نہیں ہوں“ جب کہ وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتے تو اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خود اپنے کو حق کہتا ہے۔ یہ مفہوم تو صریح کفر ہے۔“ ۱۲۵

اور آگے چل کر بایزید بسطامی کے قول کا دفاع بھی اس طرح کرتے ہیں:

”اور لفظ ”سبحانی“ میں بھی حق تعالیٰ کا تنزیہ ہے، نہ کہ اپنی تنزیہ، کیوں کہ وہ تو مکمل طور پر اس کی نظر سے اٹھ چکی ہے۔ کوئی حکم اس سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ اور اس قسم کی باتیں عین الیقین کے مقام میں جو مقام حیرت ہے بعض کو رونما ہوتی ہیں۔“ ۱۲۶

کیا خوب انداز ہے باطل کو باطل کہتے ہوئے اس کے باطل نہ ہونے کی دلیل بھی فراہم کرنے کا۔ یہ تو میں نے طوالت سے بچنے کے لیے ان کے مکتوبات سے محض چند اقتباسات ہی نقل کیے ہیں۔ ورنہ ان دفنوں میں اس طرح کی عبارتیں بکثرت موجود ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ وحدت الوجودی تصوف کا پورا پورا کریڈٹ بھی اپنے کھاتے میں جمع کرنا چاہتے ہیں، جس کے بغیر تصوف، تصوف ہی نہیں رہ جاتا اور ساتھ ہی کوشش اس بات کی بھی ہے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے اعتراضات کی راہیں بھی کھلی نہ رہنے دیں۔ اس لیے کہ ابن منصور حلاج اور بایزید بسطامی کے ”کفر طریقت“ کو لے کر ہی وہ اپنے تصوف کو بھی زندہ رکھ سکتے ہیں۔

غرض کہ ”وحدت الوجود“ اور ”وحدت الشہود“ اپنے عقائد و نظریات اور نظام فکر کے

اعتبار سے صوفیہ کے یہاں ایک ہی شے ہے۔ اور ان کے نتائج و اثرات بھی ایک ہی وارد ہوتے رہے ہیں۔ اس میدان کے عظیم شہسواروں میں سے ایک سید احمد عروج قادری نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اصل نتائج کا یوں اظہار کیا ہے:

”جب یونان کا فلسفہ عربی میں منتقل ہوا تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں بحثیں شروع ہوئیں۔ قدیم اور حادث، واجب الوجود اور ممکن الوجود کی اصطلاحیں وجود میں آئیں اور بحث شروع ہوئی کہ صفات الہی عین ذات ہیں یا اس پر زائد ہیں؟ ذات و صفات میں کیا ربط ہے؟ عالم یا کائنات جو ممکن الوجود یا حادث ہے اس کا واجب الوجود یا قدیم سے کیا ربط ہے؟ کسی نے ان کے جواب کچھ دیے اور کسی نے کچھ دیے۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا جانے لگا کہ کائنات عین ذات الہی ہے۔ ... محی الدین ابن عربی کا دور آتے آتے نوبت بہ ایں جا رسید کہ صوفیہ کی منزل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات تحت (صرف ذات بغیر صفات کے) بن گئی۔ ابن عربی نے اپنے تصوف کی عمارت ”وحدت الوجود“ کی بنیاد پر اٹھائی اور دوسرے بہت سے صوفیہ کے نزدیک ”ہمہ اوست“ اور ”ہمہ ازوست“ یا ”وحدت الوجود“ اور ”وحدت الشہود“ میں کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہے۔ ان دونوں کی نزاع لفظی ہے۔ جہاں تک منزل مقصود کا تعلق ہے۔ ابن عربی بھی خدا کی خالص عبادت تک رسائی کو حاصل سلوک سمجھتے تھے اور شیخ احمد سرہندی بھی۔ جزوی اختلاف کو چھوڑ کر دونوں کا تصوف ایک ہی ہے۔“ ۱۲۷

کفر اور کافر کی حمایت اور وکالت

فلسفہ وحدت الوجود ہو کہ وحدت الشہود، مذہب تصوف میں کفر بکنا اور اپنے کفر کا واضح اعلان کرنا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لازم عقیدہ ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ صوفیہ کے بکے ہوئے کلمات کفر کو سند جواز عطا کرنا ایک صوفی اپنا فرض عین سمجھتا ہے۔ شرع

تصوف میں اسے مقام جمع پر فائز ہو جانے کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کلمات کفر بکنے کو جائز ہی نہیں ٹھہرایا جاتا بلکہ اسے مقبولیت کی سند بھی عطا کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ”امام ربانی مجدد الف ثانی“ کے مکتوبات سے چند اقتباسات پیش ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”کبھی وہ (شرع طریقت میں کفر بکنے والا) مظہر کو عین ظاہر سمجھتا ہے، مخلوق کو

خدا جانتا ہے اور پروردہ کو پالنے والا سمجھتا ہے۔ یہ تمام وہ پھول ہیں جو جمع کے

مرتبے میں کھلتے ہیں۔ منصور اس مقام میں کہتا ہے ۷

کفرت بدين الله والكفر واجب لدى وعند المسلمين قبيح

(میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور کفر میرے نزدیک واجب ہے اور

مسلمانوں کے نزدیک قبیح)

یہ طریقت کا کفر شریعت کے کفر سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ شریعت

کا کفر مردود ہے اور سزا کا مستحق ہے اور طریقت کا مقبول ہے اور درجات کا

مستحق ہے، کیوں کہ یہ کفر اور پوشیدگی محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے

پیدا ہوئی ہے۔ اس نے محبوب کے سوا سب کو فراموش کر دیا ہے۔ پس وہ

مقبول ہوتا ہے اور شریعت کا کفر جہالت اور سرکشی سے پیدا ہوتا ہے تو وہ

لازمًا مردود ہے۔“ ۱۲۸

اسی طرح محی الدین ابن عربی جس کے اشعار اسلام سے بغاوت پر مبنی ہیں، جس نے کفر و

ایمان کو یکساں درجہ دے رکھا ہے اور اسلام کے بجائے اپنے کو عیسائی اور آتش پرست کہہ کر

اس پر نازاں ہے، اس کے حق میں شیخ احمد سرہندی برے خیال رکھنے کو بھی خطرہ ایمان کا

خوف دلاتے ہیں — منکر او در خطر است (اس کی بزرگی کا منکر خطرے میں ہے)۔ محی

الدین ابن عربی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اے دریغ کیس شریعت ملت اعمائی است ملت ما کافری و ملت ترسائی است

کفر و ایمان زلف و روئے آل پری زیبائی است کفر و ایمان ہر دو اندر راہ کیتائی است

(افسوس کہ یہ شریعت اندھی ملت کی شریعت ہے۔ ہماری ملت تو کفر اور عیسائی

(اور آتش پرست) کی ملت ہے۔

کفر و ایمان اس زیبا شکل پری کی زلف و چہرہ ہیں۔ کفر و ایمان دونوں ہماری راہ میں برابر ہیں)

کلمات کفر کا بکنا، اس کا علی الاعلان اظہار کرنا، اس کی ترویج و اشاعت میں پیش پیش ہونا اور ایسے کلمات کا عقیدہ رکھنے والوں کا دفاع کرنا اور انھیں حق بجانب ثابت کرنا، صوفیہ کے عقیدہ و عمل کا لازمی عنصر اور ان کے نصب العین کا حصہ ہے۔ لہذا تمام صوفیہ کے یہاں بالاتفاق اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی حتی المقدور کوششیں پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ ابن منصور حلاج کے نعرہ ”انا الحق“ (میں ہی خدا ہوں) کو جو بہت ہی مشہور، مقبول قول ہے جو تصوف کا بنیادی عقیدہ اور کلمہ ”وحدت الوجود“ کی اصل، حاصل اور نصب العین ہے، اکثر صوفیہ بالخصوص تمام اکابرین نے صحیح قرار دیا ہے، اس کی حمایت اور وکالت کی ہے، اسے حق بجانب ٹھہرانے کی انتھک کوششیں کر ڈالی ہیں۔ گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے مباحث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ بالخصوص شیخ احمد سرہندی ابن منصور حلاج کا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قول ”انا الحق“ کی معنویت میں تاویل کر کے اور ”کفر طریقت“ وغیرہ کا جواز فراہم کر کے اس کے اس قول کو حق بجانب ثابت کرنے کی انتہائی کوششیں قابل دید ہیں۔ یہ کوششیں تقریباً تمام صوفیہ کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ ابن منصور حلاج کے قول ”انا الحق“ اور بایزید بسطامی کے قول ”سبحانی“ وغیرہ کو حق بجانب اور صحیح ثابت کرنا اپنا فرض عین سمجھتے ہوئے بڑی دور دور کی کوڑیاں لائی جاتی ہیں۔ مثلاً محمود شبستری کی نکتہ رسی پیش ہے۔ وہ فرماتے ہیں ۷

روا باشد انا الحق از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

(جب درخت کا انا الحق کہنا جائز ہے تو پھر ایک نیک بخت (ابن منصور حلاج)

کے لیے یہ روا کیوں نہ ہوا) ۱۲۹

علی بن عثمان الجویری المعروف بہ داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) نے ابو بکر شبلی کا یہ بیان پیش کرتے ہوئے کہ وہ اور حلاج ایک ہی چیز تھے، یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حلاج کے تعلق سے اس وقت تک اس طرح کی حمایت نہیں کی جاسکتی جب تک اسے درست نہ سمجھا جاتا ہو۔ وہ فرماتے ہیں:

”حضرت شبلی نے کہا: انا والحلاج شیء واحد فخلصنی جنونی و اہلکھ عقلہ (میں اور حلاج ایک ہی چیز تھے۔ پس جنون نے میری خلاصی کردی اور اس کی عقل نے اس کو ہلاک کر دیا) اگر دین میں وہ (حلاج) طعن کیے گئے ہوتے تو حضرت شبلی یہ نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک ہی چیز ہیں۔“ ۱۳۰

اسی طرح شیخ فرید الدین عطار (م ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء) حسین بن منصور حلاج کا دفاع کرتے ہوئے اس کے اقوال کو اور خود ابن منصور حلاج کو بھی برحق ثابت کرنے کی اپنی سی دلیلیں فراہم کرنے سے نہیں چوکتے۔ وہ لکھتے ہیں:

”توحید کا معمولی سا واقف بھی آپ (منصور حلاج) کو حلول و اتحاد کا علم بردار نہیں کہہ سکتا، بلکہ اس قسم کا اعتراض کرنے والا خود ناواقف توحید ہے اور اگر ان چیزوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو اس کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ ... مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ لوگ درخت سے اِنِّی اَنَا اللّٰہُ (الْقَصَص: ۳۰) (بے شک میں ہی اللہ ہوں) کی صدا کو تو جائز قرار دیتے ہیں اور یہی جملہ آپ کی زبان سے نکل گیا تو خلاف شرع بتاتے ہیں۔ ... حضرت عبداللہ خفیف کے قول کے مطابق حسین بن منصور (حلاج) عالم ربانی ہوئے ہیں۔ اور حضرت شبلی نے تو یہاں تک فرمادیا کہ مجھ میں اور حسین بن منصور میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان کو لوگوں نے دانشور تصور کر کے ہلاک کر دیا اور مجھ کو دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اگر حسین بن منصور حقیقت میں مطعون و ملعون ہوتے تو پھر یہ دونوں عظیم بزرگ ان کی شان میں اتنے بہتر الفاظ کیسے استعمال کر سکتے تھے۔ ... حضرت منصور ہمہ اوقات عبادات میں مشغول رہا کرتے تھے اور میدان توحید و معرفت میں دوسرے اہل خیر کی طرح آپ بھی شریعت و سنت کے متبعین میں سے تھے، گو کہ آپ کی زبان سے انا الحق کا غیر شرعی جملہ نکل گیا۔ لیکن آپ کو کافر کہنے میں اس لیے تردد ہے کہ آپ کا قول حقیقت میں خدا کا قول تھا۔“ ۱۳۱

حد تو یہ ہے کہ حلاج کے اپنے کفر میں مزید اضافے کی دعا کو بھی اس کی تعریف کے کھاتے

میں ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میدان عرفات میں آپ (منصور حلاج) نے کہا کہ اے اللہ تو سرگرداں لوگوں کو راہ دکھانے والا ہے۔ اگر میں واقعی کافر ہوں تو میرے کفر میں اضافہ فرمادے۔“ ۱۳۲

شیخ فرید الدین عطار نے حلاج کو قاتل اللہ فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں اللہ کا شہید) تک کہہ ڈالا ہے۔

امام غزالی نے حلاج کا دفاع کرتے ہوئے مشکوٰۃ الانوار میں لکھا ہے کہ منصور حلاج کے یہ فقرے (انا الحق) عالم سکر میں نکلے تھے جس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ ۱۳۳ انھوں نے ”مکاشفۃ القلوب“ میں لکھا ہے:

”جب منصور رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ حق میں نے اس حقیقت کو پہچان لیا ع لا کل شیء ما خلا باطل (اللہ کی ذات کے سوا ہر شے باطل ہے)

اور ذات الہی ہی حق ہے، تو وہ اپنے نام تک کو بھول گئے۔ لہذا جب ان سے سوال کیا گیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تو جواب دیا ”میں حق (یعنی خدا) ہوں۔“ ۱۳۴

دوسری جگہ امام غزالی نے ”انا الحق“ ”سبحانی ما اعظم شأنی“ اور ”ما فی جبّتی سوی اللہ“ جیسے کلمات کفر کا دفاع کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اسے فردانیت میں ڈوب جانے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ۱۳۵ اور اپنی اس بات کے لیے بطور دلیل ایک عاشق خدا کا قول نقل کرتے ہیں جو فرط عشق میں کہہ اٹھتا ہے

انا من اھوی و من اھوی انا نحن روحان حللنا بدنا

(چاہنے والا بھی میں ہی ہوں اور جسے چاہتا ہوں وہ بھی میں ہی ہوں، ہم دو روہیں ہیں جو ایک بدن میں ساتھ رہتے ہیں) ۱۳۶

”فرط عشق کی اس کیفیت یا ایک عاشق صوفی کے اس حال کو بقول امام غزالی مجازاً ”اتحاد“ کہتے ہیں اور بزبان حقیقت توحید۔۔۔ جس شخص کا یہ حال ہوتا ہے، اس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے خدا کی طرف سے کرتا ہے، اسی کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسی کے ہاتھ سے پکڑتا ہے۔ اس کا اپنا وجود

کچھ نہیں رہ جاتا ہے بلکہ وہ صفات حق کا پرتو بن کر ذات حق کے تصرف سے متصرف ہوتا ہے۔“ ۱۳۷

جنید بغدادی کے خیال میں بایزید بسطامی (جن کی طرف ”سبحانی ما اعظم شأنی“ اور ”مالیس فی جبّتی سوی اللہ“ جیسے فتیح اور خبیث کلمات منسوب ہیں) کو صوفیہ میں وہی درجہ حاصل ہے جو جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں میں حاصل تھا۔ ۱۳۸

ایک صوفی میں یہ خدائی صفات و کمالات کس طرح پیدا ہو جاتے ہیں، اس کو شیخ ہجویری نے ایک مثال سے واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”مثال آں چناں بود کہ ہرچہ اندر سلطان آتش افند بقرہ بے بھفت وے گردد۔ پس چوں سلطان آتش وصف شے را اندر شی مبدل می کند سلطان ارادت حق از سلطان آتش اولی تر۔“ ۱۳۹

(اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہر وہ چیز جو آگ کی لپیٹ میں آ جاتی ہے، اس کی شدت سے اسی کی صفت اختیار کر لیتی ہے۔ جب آگ کی شدت کسی شے کے وصف کو دوسرے سے بدل سکتی ہے تو ارادہ حق کا غلبہ آگ کے غلبے سے کہیں بڑھ کر ہے۔)

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

”جب ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اس (ابن منصور حلاج) کی محبت انتہا کو پہنچ گئی تو اس نے خود کو اپنی ذات کا دشمن بن کر اس کو مٹا ڈالا اور ”انا الحق“ کا نعرہ لگا کر یہ ثابت کر دیا کہ میں نے خود کو فنا کر دیا ہے۔ اب میں باقی نہیں ہوں بلکہ حق باقی ہے۔ یہی غایت تواضع اور انتہائے بندگی و عبودیت ہے۔ یعنی بس وہی وہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔ دعویٰ اور تکبر تو یہ ہے کہ کہنے والا یہ کہے کہ تو خالق ہے میں بندہ ہوں۔ اس طرح وہ ذات خالق کے ساتھ اپنے وجود کو بھی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس میں دوئی پائی جاتی ہے اور جب تم ”ہو الحق“ (یعنی انا الحق کی ضد) کہتے ہو تو اس سے بھی دوئی کا اظہار ہوتا ہے۔“ ۱۴۰

شیخ ابوسعید ابوالخیر (م ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء) کے حوالے سے مولانا عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں:

”حسین بن منصور حلاج حال کی انتہائی بلندی پر ہیں۔ ان کے زمانے میں

ممالک شرقیہ وغربیہ میں کوئی شخص ان کی مثل و عدیل نہیں تھا۔“ ۱۴۱
مولانا عبدالرحمن جامی، شیخ عبداللہ خفیف (م ۳۷۱ھ/ ۹۸۱ء) کا قول پیش کرتے ہوئے
فرماتے ہیں:

”وہ (منصور حلاج) امام ربانی تھے۔“ ۱۴۲

سید اسماعیل شہید ”انا الحق“ اور ”لیس فی جبتی سوی اللہ“ جیسے خبیث کلمات
کے صدور کی توجیہ اس طرح پیش کرتے ہیں:

”جب اس طالب (جسے توفیق کا راہبر پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام
پوشیدگی کے پردے سے ظاہر ہو جاتا ہے) کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور
جذب کی موجیں اور احدیت کے دریاؤں کی گہری تہہ میں کھینچ لے جاتی ہے تو
”انا الحق“ (میں خدا ہوں) اور ”لیس فی جبتی سوی اللہ“ (میرے جبے
میں بجز اللہ کے کچھ نہیں) کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے۔“ ۱۴۳

اور وہ اپنے دعوے کی دلیل بھی وہی پیش کرتے ہیں جو تمام صوفیہ کی دلیل ہے:

”اور زہار، خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا۔ کیوں کہ
جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنِّی اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (الْقَصَص: ۳۰)
(یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا رب) صادر ہوئی تو پھر اشرف
موجودات سے جو حضرت ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی
آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔“ ۱۴۴

نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء) کے یہاں تو حسین بن منصور حلاج کا اتنا بڑا مرتبہ
ہے کہ حلاج تو حلاج ہے، اس کے جسم کی جلی ہوئی راکھ تک میں وہ صفت ہے کہ اگر کوئی
اسے اپنے شکم میں داخل کر لے تو وہ بہت بڑا بزرگ صوفی بن سکتا ہے۔ پیش ہے ”نوائد
الفواد“ سے ایک اقتباس:

”بندے (امیر حسن علاء سنجر) نے عرض کی کہ سیدی احمد کیسے آدمی تھے؟ (نظام
الدین اولیاء نے) فرمایا کہ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ (کیوں کہ) وہ شیخ حسین
بن منصور حلاج کے زمانے میں تھے۔ جب حسین بن منصور کو جلایا گیا اور اس کی

راکھ (دریائے) دجلہ کے پانی میں بہائی گئی تو سیدی احمد نے اس میں سے تھوڑا
سا پانی جس میں راکھ موجود تھی بطور تبرک لیا اور پی گئے۔ وہ ساری برکتیں اسی
وجہ سے تھیں۔“ ۱۴۵

علامہ اقبال کی کتاب ”تاریخ تصوف“ کے مرتب صابر کلوروی نے بہت ہی درست
بات کہی ہے کہ ”حقیقت یہ ہے کہ علماء اور صوفیہ کی ایک بہت بڑی جماعت اس (حسین بن
منصور حلاج) کی حمایت میں ہے۔ جن میں شیخ ابو بکر شبلی، داتا گنج بخش (الہجویری)، شیخ فرید
الدین عطار، (شیخ ابوالعباس) ابن عطاء (م ۳۰۹ھ/ ۹۲۱ء)، عبداللہ خفیف، ابوالقاسم
نصر آبادی (م ۳۷۲ھ/ ۹۸۲ء) نمایاں نام ہیں۔“ ۱۴۶ شیخ علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں
کہ ”تمام مشائخ سوائے چند کے حضرت منصور حلاج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ان پر مکمل فضل اور حال باطن کی صفائی بکثرت اجتہاد و ریاضت یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں
محنت و مشقت کو درست اور صحیح جانتے ہیں۔“ ۱۴۷ ”کشف المحجوب“ کے حوالے سے مولانا
عبدالرحمن جامی لکھتے ہیں کہ ”تمام متاخرین صوفیہ نے منصور حلاج کو قبول کیا ہے۔“ ۱۴۸

کفر کو واجب جانتے ہوئے کافر ہونے کا اقرار

حالاں کہ ابن منصور حلاج نے صرف خدائی کا دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ دین اللہ سے
صاف صاف کفر کرنے کو اپنے لیے واجب قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو کافر گردانا ہے۔
یہاں تک کہ اسی کفر کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے بقول:
”اور وہ (حسین بن منصور حلاج) اسی کفر میں رہا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔

اس نے کہا

کفرت بدين الله و الکفر واجب لدی و عند المسلمین قبیح

(میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر واجب ہے اور

مسلمانوں کے نزدیک قبیح)۔“ ۱۴۹

ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج

ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ/۹۲۲ء) کون تھا اور کیا تھا، اس کا ایک مختصر سا خاکہ علامہ اقبال کی کتاب ”تاریخ تصوف“ مرتبہ صابر کلوروی نے پیش کیا ہے، جسے انھوں نے لوئی میسیون، پروفیسر ایڈورڈ براؤن، کتاب الفہرست الندیم، اصطخری، الصوبی، ابن مسکویہ، الرازی، الہمدانی، الذہبی، علامہ ابن جوزی وغیرہ کے حوالے سے مرتب کیا ہے۔

منصور حلاج ایران کے شہر شیراز سے سات فرسنگ دور ایک گاؤں طور میں پیدا ہوا جو بیضاء کے شمال مشرق میں ہے۔ سال ولادت ۲۳۲ھ/۸۵۷ء ہے۔ وہ صوفی سہل بن عبد اللہ تستری (م ۲۸۳ھ/۸۹۶ء) کی صحبت میں دو سال رہا۔ پھر بغداد میں آکر جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/۹۱۰ء) کا شاگرد ہوا۔ اس طرح صوفیہ سے اس کا تعلق ہو گیا اور بغداد سے پھر تستر چلا گیا۔ ہندوستان کا سفر کیا۔ طلسمات اور کیمیا ایجاد کیا۔ وہ جادو بھی جانتا تھا۔ اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں۔ خراساں اور ترکستان کا سفر بھی کیا۔ ہندوستان کے سفر کے بعد بغداد میں علانیہ اپنے خیالات کی تعلیم دینے لگا۔ فقیہ ابن داؤد اصفہانی نے اول مرتبہ اس کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس فتوے کے خوف سے خود تو بھاگ گیا مگر اس کا شاگرد ابن بشر پکڑا گیا۔ ۹۱۳ء میں پھر گرفتار ہوا اور آٹھ سال کی قید کا حکم اسے دیا گیا۔ بغداد کے مختلف قید خانوں میں رہا۔ ۹۲۲ء میں ٹرائل کی گئی۔ قاضی ابو عمر ابن یوسف اور ابو الحسن کے فتویٰ کے مطابق اس پر موت کا حکم صادر ہوا۔ ۲۶ مارچ ۹۲۲ء کو باب الطاق کے سامنے بغداد کے نئے جیل کے آگے اس کو پھانسی دی گئی۔

کتاب الفہرست الندیم کے مطابق بادشاہوں کے سامنے منصور اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتا تھا اور عوام کے سامنے صوفی۔ علوم قرآن و فقہ وغیرہ میں دسترس نہ رکھتا تھا۔ قید خانے میں ڈالا گیا تو سنی طریقے کے مطابق رہنے لگا۔ ہر کسی کے سامنے اس کے مذہب کا ہو جاتا تھا۔ وہ دراصل آٹھویں امام علی رضا کا داعی تھا۔ بعد میں قمری تحریک سے وابستہ ہو گیا۔ خود خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے شاگردوں کو پیغمبروں کے ناموں سے موسوم کرتا

تھا۔ وہ ایک جگہ کہتا ہے ”میں وہ ہوں جس نے عاد و ثمود کو فنا کیا تھا“۔ آخر کار اس کا جسم جلایا گیا۔ کسی نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔ عریب کے مطابق وہ اپنے شاگردوں میں سے کسی سے کہتا تھا کہ تو محمد ہے، کسی سے کہتا کہ تو موسیٰ ہے وغیرہ اور ان سے کہتا کہ میں نے ان پیغمبروں کی روح کو تمہارے بدن میں ڈال دیا ہے۔

مورخ الصوبی کے مطابق وہ ایک شریر اور بدمعاش آدمی تھا۔

ابن مسکویہ کے بقول منصور اپنے پیغمبروں کو ملک کے اطراف و جوانب میں بھیج رکھے تھے۔ اس کا ایک پیغمبر السمری اور دیگر دو افراد وزیر حامد کے سامنے لائے گئے۔ ان تینوں نے اس کے دعوائے خدائی کا اقبال کیا۔ حلاج جو اس وقت جیل میں قید تھا، انکار کرتا تھا۔ تحقیق کے بعد ان تینوں کے گھروں سے منصور کی کتابیں برآمد ہوئیں۔ اس کے بعد اس کے دو مشنری ابن بشیر اور شا کر پکڑے گئے اور حلاج کے خلاف ثبوت قوی تر ہو گیا۔ اس کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ حج کس طرح گھر بیٹھے ہو سکتا ہے۔

حلاج کو قتل کرنے کے بعد اسے جلایا گیا اور راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی۔ دجلہ میں طوفان آیا تو اس کے پیرو کہتے تھے کہ یہ طوفان نتیجہ ہے منصور کے جسم کی خاک کا جو دجلے میں ڈالی گئی تھی۔ بعد کے صوفیہ اس کے جسم کے جلانے جانے کا ذکر نہیں کرتے، صرف صلیب دیے جانے کا ذکر کرتے ہیں تاکہ منصور اور مسیح علیہ السلام میں مماثلت پیدا ہو۔ منصور کے بعد اس کے دس شاگرد بھی قتل کیے گئے جنھوں نے اس کا مذہب چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۴۸ء) اور ان کے معاصر اور قریب کے لوگ، جن کا ذہبی نے ذکر کیا ہے، سب اس کو کافر سمجھتے تھے۔

ابن جوزی (۵۹۷ھ/۱۲۰۱ء) کہتے ہیں کہ گرفتاری کے بعد منصور کو بغداد لایا گیا۔ شتر سوار تھا اور آگے آگے ایک آدمی کہتا تھا ”یہ ہے قمریوں کا داعی“۔ اس کا دادا مجوسی تھا۔ لوگوں کی منصور کے متعلق مختلف رائیں تھیں۔ کوئی اس کو جادوگر کہتا تھا، کوئی شعبدہ باز اور صوفیہ اسے ولی گردانتے تھے۔ منصور کا دعویٰ تھا کہ وہ قرآن جیسی عبارت لکھ سکتا ہے۔ ۵۰ھ ڈاکٹر غلام قادر لون ”اخبار الحلاج“ کے حوالے سے ابن منصور حلاج کا قول نقل کرتے ہیں:

”الكفر و الايمان يفترقان من حيث الاسم و اما من حيث الحقيقة فلا فرق بينهما (کفر اور ایمان اسم کے لحاظ سے الگ الگ ہیں، مگر حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے)“ ۱۵۱

مندرجہ ذیل اقوال بھی حسین بن منصور کی کرشمہ سازی ہے:

* آسمان والوں میں ابلیس جیسا کوئی موحد اور عابد نہیں۔

* اس (ابلیس) سے کہا گیا ”سجدہ کر“۔ اس نے جواب دیا ”غیر کا وجود نہیں، کس کو سجدہ کروں“۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اس سے کہا: ”تو نے تکبر کیا۔“ اس نے کہا: اگر تیرے ساتھ مجھے ایک لمحہ بھی میسر آجائے تو میرے لیے تکبر و عظمت سزاوار ہے۔ اور میں وہی ہوں جس نے ازل سے تجھے پہچانا ہے۔

* موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کی ایک گھاٹی پر ابلیس سے ملے تو اس سے کہا: اے ابلیس! کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روک رکھا؟ اس نے کہا: مجھے میرے اس دعوے نے سجدہ سے باز رکھا کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔... ابلیس نے موسیٰ سے کہا: میرا وقت اب پہلے سے زیادہ اچھا گزر رہا ہے کہ میں اس کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے اس کی تفویض کردہ خدمت کو بجالاتا ہوں۔“

* میں نے جو ان مردی کے بارے میں ابلیس اور فرعون سے مناظرہ کیا ہے۔...

پس اس میدان میں میرے ساتھی اور میرے استاد ابلیس اور فرعون ہیں۔“ ۱۵۲

عبدالرحمن کیلانی ”تاریخ بغداد“ از خطیب بغدادی کے حوالے سے ابن منصور حلاج کے عقیدے کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عبداللہ بن سباء کا یہ (حلولی) عقیدہ اس کے پیرو کاروں نصیریہ، کیسانیہ، قرامطیہ اور باطنیہ سے ہوتا ہوا صوفیہ کے اندر داخل ہو گیا۔ حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ/۹۲۲ء) اس عقیدے کے علم بردار اعلیٰ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان سے پہلے بھی ایسے صوفیہ گزرے ہیں، جو یہ عقیدہ رکھتے تھے، مگر سینوں میں چھپائے رکھتے تھے۔ اس عقیدے کو شہرت دوام حلاج سے ہوئی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ خدا اس کے اپنے اندر حلول کر گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ”انسا الحق“ کا نعرہ

لگاتا تھا۔ اسے یہ بھی خوب معلوم تھا کہ اس کا یہ عقیدہ مسلمانوں کے متفقہ عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔ اس سلسلے میں اس کے اپنے مندرجہ ذیل اشعار بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں:

عقد الخلائق فی الاله عقائد و انا اعتقدت جمیع ما اعتقدوا
(الہ کے بارے میں لوگوں کے بہت سے عقیدے ہیں اور میں ان عقیدوں پر عقیدہ رکھتا ہوں)

ثم بذال فی خلقه ظاهراً فی صورة الأكل والشارب
(پھر وہ خدا اپنی مخلوق میں ایک کھانے پینے والے کی صورت میں ظاہر ہوا)
حتى لقد عاينه خلقه كل لحظة الحاجب بالحاجب
(یہاں تک کہ اس کی مخلوق نے اس کو اس طرح دیکھا، جس طرح ایک دیکھنے والا دوسرے کو دیکھتا ہے)

انہیں بنیادوں پر منصور حلاج کفر اختیار کرتا ہے۔ کیوں کہ ان صورتوں میں اس کے نزدیک کفر واجب ہو جاتا ہے۔

كفرت بدين الله و الكفر واجب لدى و عند المسلمين قبيح
(میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور یہ کفر میرے لیے واجب ہے جب کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ قبیح ہے)۔ ۱۵۳

”حسین بن منصور حلاج نے اپنے متعلق دین اللہ سے ارتداد اور کفر کا فتویٰ خود ہی لگا دیا۔ سمجھانے کے باوجود بھی جب وہ اپنے اس عقیدے پر مصر رہا تو بالآخر اسے خلیفہ بغداد المقتدر باللہ نے ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ھ/۹۲۲ء کو بغداد میں قتل کر دیا اور اس ”خدا“ کی لاش کو جلا کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ اتنے شدید جرم کے باوجود صوفیہ کی اکثریت نے اس کے حق پر ہونے اور اسے سزا دینے والوں کو باطل پر ہونے کا فیصلہ کیا اور کہا۔

روا باشد انا الحق از درختے چرا نہ بود روا از نیک بختے

(اگر ایک درخت سے انا الحق کی آواز درست ہو سکتی ہے تو ایک ”نیک بخت“

(منصور حلاج) کی طرف سے یہ آواز درست کیوں نہیں ہو سکتی)

صوفیہ کے نزدیک دین سے ارتداد اور کفر کوئی غلط کام نہ تھا، بلکہ (ان کے مطابق) عین توحید تھا۔“ ۱۵۴

عبدالرحمن کیلانی آگے چل کر تاریخ بغداد للخطیب بغدادی، رسائل ابن عربی اور مجموعة الرسائل الكبرى کے حوالے سے حسین بن منصور حلاج کی تفصیلات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”دینور میں ایک شخص پکڑا گیا جس کے ساتھ ایک تو برا تھا جسے وہ کسی وقت بھی جدا نہیں کرتا تھا۔ جب اس تو برے کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے ایک خط برآمد ہوا جس میں ”من الرحمن الرحیم فلاں ابن فلاں“ کے الفاظ لکھے تھے۔ یہ خط بغداد روانہ کیا گیا۔ قاضی کے سامنے حلاج کو پیش کیا گیا۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ یہ خط ان ہی کا لکھا ہوا ہے۔ قاضی نے پوچھا: اتنے دن تک تو تم نبوت کا دعویٰ کرتے تھے، اب ربوبیت کا بھی دعویٰ کرنے لگے ہو؟ حلاج نے جواب دیا: میں ربوبیت کا دعویٰ نہیں کرتا، لیکن یہ ہمارے نزدیک عین الجمع (کا عقیدہ) ہے۔ کاتب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے۔ میں اور میرا ہاتھ تو صرف ایک آلہ ہے۔

اسی طرح شیخ ابن عربی نے حلاج کا ایک خط نقل کیا ہے جس کو انھوں نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے: اے میرے لڑکے! تجھ پر سلامتی ہو، خدا تجھ سے ظاہری شریعت کو چھپائے اور تجھ پر کفر کی حقیقت کھولے، کیوں کہ شریعت کا ظاہر شرک خفی ہے اور کفر کی حقیقت معرفت جلیہ ہے۔

حلاج کے متعلق ابن عربی نے اپنی کتاب ”فتوحات مکیہ“ میں ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ مشہور بزرگ شیخ ابو عمرو عثمان مکی (م ۲۹۶ھ/۹۰۸ء)، حلاج کے سامنے سے گزرے اور پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ حلاج نے جواب دیا کہ قرآن کا جواب لکھ رہا ہوں۔

کیا یہ سب واقعات حالت سکر کے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ حلاج پر باطنیت کے اثرات نمایاں تھے اور یوں بھی تصوف شیعیت (عبداللہ بن سباء کا پیدا کردہ

مذہبی فرقہ) سے متاثر تھا۔ حلاج کے متعلق امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم دونوں نے صاف صاف لکھا ہے کہ وہ کافر تھا اور اس کے متعلق علماء کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا (جس کی بنا پر اسے قتل کی سزا دی گئی)۔

امام ابن تیمیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ”حلاج فنا میں ڈوب گیا اور باطنی حقیقت سے معذور تھا، مگر ظاہری طور پر اس پر قتل واجب تھا اور کچھ دوسرے (صوفیہ کے طبقے) اسے شہید، فنا فی اللہ، موحد اور محقق کہتے ہیں۔“ ”یہ لوگ شریعت کی پروا نہیں کرتے“۔ پھر واضح الفاظ میں لکھتے ہیں: ”حلاج اپنے کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ وہ قرآن کا معارضہ کرتا تھا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ اگر کسی کا حج فوت ہو جائے تو اپنے ہاں کعبہ بنا کر اس کا طواف کر سکتا ہے اور حج کے سوا تمام رسوم ادا کر سکتا ہے۔ حج پر جتنی رقم خرچ ہو سکتی ہو، اس کو صدقے دے سکتا ہے۔“ ۱۵۵

اس کے بعد وہ رسالہ ”معارف“ کے حوالے سے سید سلیمان ندوی کے چند اقتباسات درج کرتے ہیں:

”تاریخ کی کتب اس امر پر متفق ہیں کہ حلاج نیرنگ، شعبہ بازی اور ہاتھوں کے کھیل میں بہت چالاک اور مشاق تھا۔ روپے برسا دیتا تھا۔ طرح طرح کے میوے منگواتا، ہوا میں اڑتا اور اس کے علاوہ بھی کئی عجائبات دکھلاتا تھا۔ اس کے ایک ہم سفر کا بیان ہے کہ حسین (بن منصور حلاج) اس کے ساتھ صرف اس غرض سے ہندوستان آیا تھا کہ یہاں کی مشہور شعبہ بازیوں کی تعلیم حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے میرے سامنے ایک سے ایک رسی پر چڑھ کر غائب ہو جانے کا فن سیکھا۔ راہ میں گڑھے کھود کر کہیں پانی، کہیں میوہ، کہیں کھانا پہلے سے چھپا دیتا، پھر اپنے ہمراہیوں کو لے کر اس سمت میں سفر کرتا اور بوقت ضرورت کرامتوں کے تماشے دکھاتا۔

سید سلیمان ندوی نے ابن سعد، قرطبی، بغداد کے مشہور سیاح ابن حوقل، مورخ ابن ندیم، ابوعلی بن مسکویہ، مسعودی، علامہ ابن جوزی، ابن اثیر اور امام الحرمین

کی تواریخ سے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک شعبہ باز اور گمراہ شخص تھا۔ چنانچہ ابن ندیم کے حوالے سے لکھتے ہیں: حسین بن منصور حلاج جب اپنے مریدوں کے پاس ہوتا تھا تو خدائی کا دعویٰ کرتا اور کہتا کہ خدا مجھ میں حلول کر گیا ہے اور جب سلاطین کے پاس جاتا تو کہتا کہ میں شیعہ مذہب کا آدمی ہوں اور عوام سے کہتا کہ میں ایک صوفی ہوں۔ البتہ یہ بات سب سے کہتا کہ خدا نے مجھ میں حلول کیا ہے اور میں بالکل خدا ہوں۔

اور ابن اثیر کی عبارت درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (وزیر) حامد بن عباس نے علماء سے حسین بن منصور حلاج کے قتل کا فتویٰ طلب کیا تو علماء اور فقہاء نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ ثبوت کافی نہیں ہے۔ پھر حامد نے علماء کے سامنے اس کی ایک کتاب پیش کی جس میں لکھا تھا کہ اگر کوئی شخص حج نہ کر سکے تو ایک صاف ستھری کوٹھری کو لیپ پوت کر حج کے ارکان اس کے سامنے ادا کرے۔ پھر تین تیبوں کو بلوا کر انھیں عمدہ کھانا کھلائے۔ عمدہ کپڑے پہنائے اور سات سات درہم ان کے حوالے کر دے، تو اس کو حج کا ثواب مل جائے گا۔ حامد بن عباس نے جب یہ فقرے قاضی القضاۃ کو سنائے، تو اس نے حلاج سے پوچھا کہ اس کا ماخذ کیا ہے؟ حلاج نے حسن بصری کی کتاب ”الاخلاص، کتاب السنہ“ کا حوالہ دیا۔ حلاج کی یہ کذب بیانی سن کر قاضی القضاۃ غضبناک ہو گیا۔ کیوں کہ کتاب مذکور وہ پڑھ چکا تھا اور اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بالآخر قاضی القضاۃ نے لکھ دیا کہ ایسے شخص کا خون حلال ہے۔ اس تحریر پر اور بھی علماء نے دستخط کر دیے۔ چنانچہ حلاج ارتداد اور زندہ بقیہ کی سزا میں پہلے قتل کیا گیا، پھر جلایا گیا اور راکھ دریا برد کر دیا گیا۔“ ۱۵۶

اپنے آپ کو کافر قرار دینے اور اس کا اعلان کرنے والا طبقہ صوفیہ میں تنہا منصور حلاج ہی نہیں ہے، بلکہ تمام ہی صوفیہ بالخصوص اکابرین صوفیہ کا یہی متفقہ عقیدہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ منصور حلاج بباغ دہل اس کا اعلان کیا کرتا تھا اور دوسرے یا تو اشارے کنایے میں یہی باتیں پیش کرتے یا پھر اس کا برملا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً ابو بکر شبلی کے

متعلق روایت ہے:

”شیخ خراسانی سے منقول ہے کہ ایک شخص شبلی کے مکان پر آیا اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ شبلی برہنہ پا، برہنہ سر باہر نکل آئے اور دق الباب کرنے والے (دروازہ کھٹکھٹانے والے) سے پوچھا کہ کس کو بلاتے ہو۔ اس شخص نے کہا کہ شبلی کو۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم نے نہیں سنا کہ وہ کافر ہو کر مرا ہے۔ خدا اس کی مغفرت نہ فرمائے۔“ ۱۵۷

حسین بن منصور حلاج سے متعلق تفصیلات اس لیے پیش کی گئیں کہ اسے صوفیہ میں امام کا درجہ حاصل ہے۔ تمام صوفیہ کے عقائد و نظریات کی اصل اور محور ابن منصور حلاج کے عقائد و نظریات ہی ہیں۔ چنانچہ ان ہی عقائد و نظریات کے تانے بانے مختلف الفاظ و تراکیب، دلائل و براہین اور تمثیلات و حکایات کے سہارے بنے جاتے ہیں اور حلاج کے ہم عقیدہ و ہم مسلک ہونے کے نتیجے میں اس کے عقائد و اعمال کی توجیہ پیش کرنے، اس پر کی جانے والی تنقید کا دفاع کرنے اور اس کے افکار و اعمال کی ترویج و اشاعت کے لیے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں علی بن عثمان ہجویری، شیخ فرید الدین عطار، مولانا عبدالرحمن جامی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ ابوسعید ابوالخیر جیسے خالص اکابر صوفیہ ہی نہیں بلکہ امام غزالی، شیخ احمد سرہندی، سید اسماعیل شہید جیسے اکابرین علماء اور مجددین صوفیہ کی بھی زور آزمائیاں پیش کی جا چکی ہیں۔

اصطلاح ’توحید‘ کی معنویت میں تبدیلی

صوفیہ نے اپنا خود ساختہ نظام و فکر توحید ہی پیش نہیں کیا بلکہ قرآن و سنت سے ماخوذ اصطلاح ”توحید“ کی معنویت، اس کی اصلیت اور حقیقت کو تبدیل کر کے بندگان خدا کو تصور توحید ہی سے بے گانہ کر ڈالنے کی حتی الامکان کوششیں کر ڈالیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ توحید کے سیدھے سادے معنی جو قرآن و احادیث سے واضح ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات، محاسن و کمالات اور قدرت و اختیارات وغیرہ کے اعتبار سے بلا شرکت غیرے واحد، یکتا اور بے مثل جاننا اور ماننا۔ لیکن صوفیہ نے اس صاف ستھری توحید کی مختلف معنویت اور قسمیں ایجاد کر لیں۔ مثلاً توحید الاعتقاد، توحید المعرفت، توحید الشہود وغیرہ۔ پھر یہ کہ یہ توحید مختلف طبقات انسانی کے لیے علیحدہ علیحدہ بنا دی گئیں۔ مثلاً توحید عوام، توحید خواص اور توحید اخص الخواص وغیرہ۔ اس کے علاوہ ایک اور جہت سے بھی اس کی تقسیم عمل میں لائی گئی۔ جیسے توحید النقل، توحید العقل، توحید النظر وغیرہ۔ ۱۵۸۔ چند ایک صوفیہ کی کارستانیوں بطور مثال پیش ہیں:

”ابوبکر شبلی کا قول ہے: جس نے توحید کے بارے میں کوئی تصور باندھا، مشاہدہ معنی کیا، علم الاسماء پر عبور حاصل کیا، اسمائے الہی کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اور صفات کو اس سے منسوب کیا، اس نے توحید کی بوتل نہ سونگھی، مگر جس نے یہ سب کچھ ماننے کے بعد اسے منفی کر دیا، وہی موحد ہے۔“ ۱۵۹۔

”ہم نے جن اشارات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے رویم بن احمد بن یزید بغدادی (م ۳۰۳ھ / ۹۱۵ء) کا یہ قول ہے کہ توحید آثار بشریت کے مٹنے اور الوہیت کے باقی رہ جانے کو کہتے ہیں۔“ ۱۶۰۔

یعنی وہ تمام انسان توحید ہے جس میں صرف الوہی صفات ہوں اور بشری صفات کا اس کے اندر سے خاتمہ ہو جائے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات ہی کی طرح اپنی صفات میں بھی واحد اور بے مثل ہے:

”ابوبکر شبلی نے ایک شخص سے کہا: تو توحید بشری کا طالب ہے کہ توحید خدا کا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ان میں کیا فرق ہے؟ آپ (ابوبکر شبلی) نے فرمایا: ہاں! توحید بشری سزا اور جزا سے ڈرنے کو کہتے ہیں اور توحید خدا یہ ہے کہ تو فقط اللہ ہی کو عظیم سمجھے اور اسی کی توقیر و تعظیم کرے۔“ ۱۶۱۔

بوالعجبی! توحید کی تقسیم بھی بشر اور خدا کے درمیان۔ بشر کے لیے الگ توحید ہے اور خدا کے لیے الگ۔ یا یوں کہا جائے کہ بشر کی توحید الگ ہے اور خدا کی توحید الگ۔

”جنید بغدادی نے فرمایا کہ توحید نام ہے خود کو فنا کر کے اللہ میں ضم ہو جانے اور

عجز کے ساتھ حصول نعمت کا۔“ ۱۶۲۔

”ابوسعید خرازمی فرماتے ہیں کہ توحید نام ہے ہر شے سے جدا ہو کر رجوع الی اللہ

ہونے کا۔“ ۱۶۳۔

غرض کہ صوفیہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ توحید کا ثابت کرنا بھی توحید میں فساد کا باعث ہے۔ جیسا کہ ابوبکر واسطی نے صوفیہ کے اس متفقہ عقیدے کو نقل کرتے ہوئے توحید سے متعلق اپنے افکار و عقائد کو پیش کیا ہے:

”فرمایا کہ توحید وجود کو شناخت کرنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں ہے اور نہ کسی میں جرأت ہے کہ صحرائے وجود میں قدم رکھ سکے، جیسا کہ مشائخ کرام کا قول ہے کہ اثبات التوحید فساد فی التوحید یعنی توحید کا ثابت کرنا بھی توحید میں فساد کا باعث اور شرک پر گواہی دینے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ جس نے اپنے وجود کے مقابلے میں اپنے وجود کا راگ الاپا، اس نے گویا اپنے کفر پر دستخط کر دیے اور جس نے اس کے وجود کے مقابلے میں اپنے وجود پر نظر ڈالی وہ قطعی کافر ہو گیا۔“ ۱۶۴۔

صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کے ان ناموں کے برخلاف جو قرآن و احادیث میں مذکور ہیں، یونانی فلسفے کی تقلید میں عجیب و غریب نام ایجاد کیے ہیں۔ مثلاً — ذات حق، ذات اول، ذات واجب، ذات وجود، ذات محبت، ذات قدیم، واجب الوجود، واجب تعالیٰ وغیرہ۔ یہ تمام نام اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہیں، بلکہ یہ تمام نام تفضیلی ہیں جو ان کے خیال کے مطابق تمام مخلوقات پر تفوق و برتری کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نہ تو چند یا بہت ساری مخلوقات کی کسی خصوصیت سے بڑی خصوصیت کا حامل ہے اور نہ ہی ان پر برتری اور فوقیت رکھتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات و صفات اور محاسن و کمالات ہر لحاظ سے یکتا، واحد اور اپنے آپ میں محمود ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ کو ذات اول کہا جائے گا تو اس کے معنی لازماً یہ بھی ہوں گے کہ کوئی ذات ثانی بھی ہے یا ذات قدیم کہنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ذات جدید بھی ہے وغیرہ۔ حالاں کہ قرآن کریم نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشُّورٰی: ۱۱) (اس اللہ جیسی کوئی چیز نہیں ہے)

اصل بات یہ ہے کہ یونانی فلسفے میں حضرت انسان، اس کے وجود کے اسباب و محرکات، اس کا خمیر، اس کے اجزائے جسم و روح وغیرہ، پھر کائنات، اس میں پھیلی ہوئی بے شمار مخلوقات، ان کے وجود اور ان وجود کے اسباب و محرکات اور ذات حق (یعنی اللہ تعالیٰ)، اس کے وجود، اس کی تخلیق کے طریقے وغیرہ جیسے موضوعات سے متعلق عقلی بحثیں ملتی ہیں۔ تصوف چوں کہ اس یونانی فلسفے کا ایک حصہ ہے لہذا یہاں بھی اس طرح کی باتیں لازماً ہونی ہی چاہئیں۔

متذکرہ بالا مباحث سے یہ واضح ہے کہ حسین بن منصور حلاج اور محی الدین ابن عربی کے پیش کردہ عقائد و نظریات ہی تصوف کی اصل اور بنیاد ہیں اور صوفیہ کے لیے چارٹر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تصوف کا پورا نظام عقیدہ و فکر صرف ان ہی دو اشخاص کے عقیدہ و فکر کی اساس پر استوار اور قائم ہے، جنہوں نے اس کی باضابطہ طور پر قوی اور عملی مثالیں پیش کی ہیں۔ تمام صوفیہ نے ان دونوں کے افکار و نظریات سے کسب فیض ہی نہیں کیا بلکہ انہیں ہو بہو اختیار کیا ہے، خواہ وہ امام قشیری ہوں کہ امام غزالی، مولانا جلال الدین رومی ہوں کہ مولانا عبدالرحمن جامی، امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ہوں کہ عالم ربانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ غرض کہ تمام ہی صوفیہ بالخصوص ان کے اکابرین نے ان کے عقائد و نظریات کی تصدیق، تائید، ہم نوائی اور وکالت کی ہے اور ان عقائد و نظریات کی تشریح و تاویل کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں پیش کردہ حقائق اس بات کے واضح ثبوت ہیں۔

مذکورہ مباحث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ صوفیہ نے توحید کو شرک اور شرک کو توحید بنا کر رکھ دیا ہے۔ لا الہ الا اللہ کہنے کا مطلب ہے کہ ایک اللہ کے سوا پوری کائنات میں پھیلی ہوئی لاتعداد موجودات میں سے کوئی بھی وجود الہ نہیں ہے۔ یہ توحید ہے۔ اور اگر ان موجودات میں سے کسی ایک کو بھی الہ یا اس کی مثل قرار دیا جائے تو یہ صریحاً شرک ہوگا۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ خدا اور کائنات میں پھیلی ہوئی تمام کی تمام موجودات ایک ہیں اور وہ سب خدا ہیں۔ یہ ان کے عقیدے کے مطابق توحید ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک وجود کو بھی خدا سے جدا سمجھا جائے گا یا اسے وجود تسلیم کر لیا جائے گا تو یہ دوئی تسلیم کرنا ہے اور اس طرح یہ شرک قرار پائے گا۔

ان خود ساختہ عقائد و نظریات کا قیام اور ان کے مطابق پورا نظام زندگی استوار کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ خوف خدا اور خوف آخرت سے بالکل ہی مستغنی ہیں۔ ورنہ اپنی مرضی کے عقائد نہ تو وضع کرتے اور نہ ہی اپنے جیسے لوگوں کے ساختہ پرداختہ عقائد و اعمال کو اختیار کرتے اور نہ ہی دوسروں کے لیے ان کی وکالت کرتے اور انہیں اصل مقاصد زندگی اور اصل کامیابی کے ذرائع قرار دیتے۔



باب ۲

عقیدہ توحید-۲

شرک فی الصفات

صرف یہی نہیں کہ صوفیہ نے کائنات کی ہر ایک چیز کو یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی خدا قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں شرک کا عقیدہ اختیار کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلام دشمنی میں جہاں تک ان سے ممکن ہو سکا ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی مشرکانہ عقائد وضع کیے اور انھیں پورے شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے تاکہ کسی بھی صورت میں ان کا وار خالی نہ جاسکے۔ یہ اس ابلیس کا طریقہ کار ہے جس نے کہا تھا:

لَا قُعْدَنَ لَهُمْ صِرَاطُكَ الْمُسْتَقِيمَ ۚ ثُمَّ لَا تَنْهَهُم مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ط (الْأَعْرَاف: ۱۶-۱۷)

(میں اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیروں گا)

عقیدہ شرک

پہلے صوفیہ کے عقیدہ شرک سے متعلق چند اقتباسات پیش ہیں:

مولانا عبدالرحمن جامی ”نجات الانس“ میں صوفیہ کے کرامات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”خرق عادات کے اقسام تو بہت ہیں جیسے معدوم کو وجود کرنا، موجود کو معدوم

کرنا، ایک پوشیدہ امر کو ظاہر کرنا اور امر ظاہر کو چھپا دینا، مسافت بعید کا تھوڑی

مدت میں طے کر لینا، امر غائب کی خبر دینا، بیک وقت متعدد مقامات و مکانات میں پایا جانا، مردوں کا زندہ کرنا، زندوں کو مارنا (احیاء موتی و اماتت احیاء)، حیوانات، نباتات، جمادات کی تسبیح اور ان کی گفتگو سننا، بوقت حاجت بغیر اسباب کے کھانے پینے کے سامان کا موجود ہونا وغیرہ۔“
 شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۱ء) نے ”فتوح الغیب“ میں مجملاً لکھا ہے کہ ”انسان اللہ کی اطاعت کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ تکوین اس کے سپرد کر دی جاتی ہے۔“ انھوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے:

”و هو قوله في بعض كتبه يا ابن آدم انا الله لا اله الا انا اقول لشيء كن فيكون اطعني تقول لشيء كن فيكون. (اور یہ اللہ کا فرمان ہے بعض کتابوں میں: اے ابن آدم میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الہ نہیں ہے، میں کسی شے کو کہتا ہوں کہ ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو میری اطاعت کر پھر تو بھی کسی شے سے کہے گا ”ہو جا“ تو وہ ہو جائے گی)۔“

پتہ نہیں کس کتاب میں لکھا ہے۔ ہوگی کوئی شیطانی کتاب۔ کُنْ فَيَكُونُ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان کی ہے۔ اپنی صفت اللہ تعالیٰ نے اس لیے بیان کی ہے کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اگر اوروں سے متعلق بھی ہوتی تو پھر اسے اپنی صفت قرار دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں:

”اولیاء حق تعالیٰ مدبران ملک اند و مشرفان عالم و خداوند تعالیٰ ایشان را والیان عالم گردانیدہ است و حل و عقد آں بدیشاں باز بستہ و احکام عالم را موصول ہمت ایشان گردانیدہ است (خدا تعالیٰ کے اولیاء ملک کے مدبر ہیں اور عالم کے نگران اور خدا تعالیٰ نے خاص طور پر ان کو عالم کا والی (حاکم) گردانا ہے اور عالم کا حل و عقد ان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور احکام عالم کو انھیں کی ہمت کے ساتھ جوڑ دیا ہے)۔“

دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں:

”اولیاء اللہ کو اللہ نے جہان کا مالک بنایا ہوا ہے ... حتیٰ کہ ان کے قدموں کے طفیل آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے اور ان کے ظاہری اور باطنی احوال کی صفائی کی برکت سے روئے زمین پر پودے اور نباتات اگتے ہیں۔“ ۴

وہ ابوالحسن نوری کا قول نقل کرتے ہیں:

”فان لله عباداً ياكلون بالله و يشربون بالله و يجلسون بالله و يقولون بالله (تو بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بولتے ہیں)۔“ ۵

نعوذ باللہ من ذالک! کیا اللہ تعالیٰ کھاتا، پیتا، بیٹھتا اور بولتا ہے اور وہ بھی بندے کے ساتھ؟ یعنی اللہ تعالیٰ کا کھانا، پینا، بیٹھنا اور بولنا انسانوں جیسا ہوتا ہے جبھی تو بندے کے ساتھ یہ اعمال ممکن ہیں اور پھر بندے کی شان دیکھئے کہ خدا کے یہ بندے خدا سے کسی قدر کم حیثیت اور مرتبہ نہیں رکھتے جس کے نتیجے میں ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھانا، پینا، بیٹھنا اور بولنا ممکن ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اگر کھانا ہے تو بندہ بھی اس کے ساتھ کھانے کی صفت سے متصف ہے، اللہ تعالیٰ اگر بیٹھتا ہے تو بندہ بھی اس کے ساتھ بیٹھنے کی صفت سے متصف ہے۔ اسی طرح دوسری صفات میں بھی وہ خدا کا ہم سر، شریک اور ہم رتبہ ہے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس معاملے میں جو گل کھلائے ہیں، وہ تمام سابقین پر سبقت لے گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”جب کسی سالک کو اس طبقے (طبقہ ملاء اعلیٰ) کے ساتھ ”نسبت اولیٰ“ حاصل ہو تو اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ سالک کے لوح دل پر ذات باری کی صورت علمی اس طرح منقش ہو جاتی ہے کہ کائنات کے انتظام کے سلسلے میں قدرت الہی کے یہ چار کمالات یعنی ابداع (عدم سے عالم وجود میں لانا)، خلق (اسباب کے توسط سے کسی چیز کو معرض وجود میں لانا)، تدبیر (مصالح کے پیش نظر تخلیق کے اسباب میں تصرف کرنا) اور تدلی (اس عالم اسباب کے اوپر جو

عالم ہے اس میں تدبیر الہی کی کارفرمائی) ایک ہی بار اس ”صورت علمی“ کے ضمن میں اس کے دل پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور سالک کو قدرت الہی کے ان چار کمالات کا علم بغیر کسی ارادے اور قصد کے اور بدون غور و فکر سے کام لیے حاصل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظام عالم کے متعلق جو کلی تدبیریں اور عوامی فیصلے خطیرۃ القدس (حصار قدسی) میں طے ہوتے ہیں، نسبت اویسی کی تاثیر سے یہ خود بخود سالک کے دل پر نقش ہو جاتے ہیں۔ یہ نسبت بیش تر انبیاء کو حاصل ہوتی ہے۔“ ۶

شاہ ولی اللہ دہلوی خوارق و کرامات کے سلسلے میں اساسی امور بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”خوارق و کرامات کے سلسلے میں یہ اساسی امور اور مقدمات ہیں، جن کا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اس ضمن میں صوفیہ سے اس قسم کے جو واقعات رونما ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی نے عالم تدبیر و خلق میں کوئی تصرف کر دیا یا اپنی توجہ سے کسی گنہگار کو توبہ کی طرف مائل کر دیا یا انھوں نے کسی کا دل مسخر کر لیا یا کسی شخص کے ذہن میں کسی ہونے والے واقعے کا علم القاء کر دیا یا اولیاء اللہ کی نسبتوں میں سے کوئی نسبت کسی شخص کے دل میں پیدا کر دی یا بیماری دور کر دی یا اس طرح کی کوئی چیز ان کی بدولت ظہور میں آگئی۔ الغرض صوفیہ کے اس قسم کے واقعات خوارق کے ان اساسی امور و مقدمات ہی کی شاخیں اور فروع ہیں۔“ ۷

مذکورہ بالا چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں، ورنہ صرف اسی موضوع سے متعلق پیش کیے گئے اقتباسات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ ان عبارتوں میں صوفیہ کے حق میں جن خدائی صفات کا اظہار کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ صوفیہ معدوم کو وجود بخش سکتے ہیں اور وجود کو معدوم کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ وہ غیب و شہود سے واقف ہوتے ہیں، ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں، چلانے اور مارنے کا کلی اختیار رکھتے ہیں، کن فیکون کی صفت سے متصف ہوتے ہیں، وہ امور کی تدبیریں کرتے ہیں، حاکم و نگران ہوتے ہیں، وہ آسمان سے بارش برسانے اور زمین سے پودے اگانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ابداع، خلق اور تدبیر کی صفات کے حامل ہوتے ہیں وغیرہ۔

مذکورہ تمام صفات نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں بلکہ یہ تمام کی تمام اور ان کے علاوہ دوسری صفات، محاسن و کمالات اور قدرت و اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ان میں سے کسی بھی صفت، حسن، کمال، قدرت اور اختیار میں کوئی بھی مخلوق ایک ذرہ برابر بھی شریک نہیں ہے اور نہ کبھی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ ایک مسلمان کا عقیدہ ہے۔ ورنہ بصورت دیگر وہ ایمان سے خارج قرار پائے گا۔

اہل تصوف کا مقصد دراصل اسلام کو اس کے تمام عقائد کے ساتھ منہدم کرنا ہے۔ لہذا کوشش یہ کی جاتی رہی ہے کہ اسلام کے ہر ایک عقیدے پر تیشے چلا کر اس کی ہر ایک چول ڈھیلی کر دی جائے تاکہ وہ منہدم ہو کر یک لخت زمین بوس ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں متعدد جگہ، مختلف جہتوں، دلیلوں اور مثالوں سے اپنی مذکورہ صفات کی ہمیں تعلیم بخشی ہے۔ قرآن کریم میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ چنانچہ محدودے چند صفات کی صرف ایک ایک مثال پیش ہیں:

اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے:

(الْحَشْرِ: ۲۴)

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ

(وہ اللہ ہی ہے پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا)

زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (الرُّوم: ۱۹)

(وہی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے)

غیب و شہادت کا علم اسی کو ہے:

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (الْحَشْرِ: ۲۲)

(وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی نہیں، چھپے اور کھلے (سب) کا جاننے والا)

وہ بے مثل اور لا ثانی ہے اور وہی سننے اور دیکھنے والا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشُّورَى: ۱۱)

(اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہی سننے اور دیکھنے والا ہے)

زندگی اور موت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ

(الْمُؤْمِنُونَ: ۸۰)

(اور وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے)

تمام چیزیں اسی کے حکم کے تابع ہیں اس طرح کہ انہیں صرف کہا جاتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہیں:

إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (الْإِسْرَاء: ۸۷)

(جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتا ہے)

پوری کائنات میں اسی کی تدبیر کا فرما ہے:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السَّجْدَةِ: ۵)

(وہ آسمان سے لے کر زمین تک (ہر) کام کی تدبیر کرتا ہے)

حکم و اقتدار صرف اسی کا ہے:

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ط (يُوسُف: ۴۰)

(فرماں روائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے)

آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے نباتات اگانا صرف اسی کا کام ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجْنَا بِهِ نَبَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ

(الْأَنْعَام: ۹۹)

(اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر

قسم کی نباتات کو اگایا)

وہی بدیع زمین و آسمان ہے:

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط (البَقَرَةِ: ۱۱۷)

(وہ آسمان اور زمین کا بدیع ہے)

وہی ہر چیز کا خالق ہے:

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ز (الزُّمَر: ۶۲)

(اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے)

خالق ہی نہیں، منتظم اور مدبر بھی وہی ہے:

وَمَنْ يُدْبِرِ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ج (يُونُس: ۳۱)

(اور کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ کہیں گے کہ ”اللہ“)

لیکن جیسا کہ گزشتہ صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ صوفیہ نے کس بے باکی اور بے حیائی سے خدائے تعالیٰ کی ان صفات کو اپنی صفات قرار دے رکھا ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ اپنی ان مزعومہ صفات کا اعلان و اظہار کرتے ہیں۔ وہ ان عقائد کو محض اصولی طور پر بیان ہی نہیں کرتے بلکہ ان کا عملی اظہار بھی دھڑلے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ چند مثالیں پیش ہیں:

حکم و اقتدار کی مثال

”ابراہیم بن ادہم (م ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء) کے بارے میں منقول ہے کہ ایک روز خواجہ ابراہیم ادہم کو ہفتیس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر اولیاء اللہ میں سے کوئی ولی پہاڑ کو حکم دے کہ وہ ہل جائے تو وہ فوراً ہل جائے گا۔ ابھی یہ بات آپ کہہ ہی رہے تھے کہ پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے اپنے پائے مبارک کو زور سے زمین پر مارا اور فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ میں نے تو اپنے دوستوں کے سامنے ایک مثال بیان کی تھی۔“ ۸

حیرت ہے کہ اس پہاڑ کو اتنی تو سمجھ تھی کہ ہلنے کا نام لیا گیا، لیکن یہ سمجھ نہیں تھی کہ یہ بات محض مثال کے طور پر کہی جا رہی تھی۔ بڑا ہی بے وقوف تھا پہاڑ بھی کہ خواجہ کے بیان کیے گئے حکم اور مثال میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو خیر سے مثال بیان کی جا رہی تھی۔ اگر واقعی حکم ہی ہوتا اور پہاڑ اسے مثال سمجھ کر ہلا نہ ہوتا تو بے چارے حکم دہندہ کی خدائی پر کیسی آنچ آ جاتی اور کس قدر خفت برداشت کرنی پڑتی بلکہ خدائی ہی مشکوک ہو جاتی۔ مولانا عبدالرحمن جامی شیخ ابوالحسین حصری (م ۳۷۱ھ/ ۹۸۱ء) کا قول نقل کرتے ہیں:

”شیخ حصری کے متعلق روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ”سورج میرے حکم کے بغیر طلوع نہیں ہوتا۔“ ۹

تخلیق و ابداع اور مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو نکالنے کی مثال

شیخ فرید الدین فرماتے ہیں کہ ”شیخ ابوسعید مے خوارانی بایزید بسطامی کی خدمت میں بغرض امتحان حاضر ہوئے تو آپ نے نیت بھانپ کر فرمایا کہ تم ابوسعید راعی کے پاس چلے جاؤ۔ وہ میرا مرید بھی ہے اور میں نے اپنی تمام ولایت اسی کے حوالے کر دی ہے۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ مشغول عبادت ہیں۔ لہذا، یہ انتظار میں کھڑے رہے اور فراغت کے بعد جب انھوں نے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو تو آپ نے عرض کیا: تازہ انگور۔ چنانچہ ابوسعید راعی نے ایک چھڑی کے دو ٹکڑے کر کے ایک اپنے پاس اور ایک ان کے قریب زمین میں دفن کر دیے۔ تھوڑے ہی وقفے کے بعد دونوں مقامات سے انگور کے سرسبز درخت نمودار ہونے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان میں انگور بھی لگ گئے۔“ ۱۰

مولانا عبدالرحمن جامی حسین بن منصور حلاج کے مردے کو چلانے کی صفت بیان کرتے ہیں: ”ایک بار ایک شخص مردہ طوطی لے کر شیخ (ابن منصور حلاج) کے پاس آیا۔ شیخ نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری طوطی زندہ ہو جائے۔ اس نے کہا: جی ہاں! میں اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ شیخ حلاج نے انگلی سے اشارہ فرمایا۔ طوطی اسی دم زندہ ہو گئی۔“ ۱۱

دوسروں کو جلانے والا حسین بن منصور حلاج نہ تو خود کو موت سے بچا سکا اور نہ ہی خود کو چلا سکا۔ کم از کم پھانسی سے اتارے جانے کے بعد ہی سہی اور چند ثانیے ہی کے لیے سہی زندہ ہو جاتا اگرچہ پھانسی کے ذریعہ اپنے آپ کو مرنے سے نہ بچا سکا تھا۔ مولانا عبدالرحمن جامی اور بھی ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً —

”آپ (عین القضاۃ ہمدانی) سے بہت سے خوارق بھی ظہور میں آئے ہیں۔

مثلاً زندہ کرنا، مارنا وغیرہ۔“ ۱۲

شیخ عبدالقادر جیلانی کے جلا نے کی صفت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”شیخ (عبدالقادر جیلانی) نے ان ہڈیوں (جن کا گوشت کھا لیا گیا تھا) پر اپنا

دست مبارک رکھا اور فرمایا—قم باذن اللہ الذی یحی العظام و ہی رمیم

(اس خدا کے حکم سے کھڑا ہو جا جو اپنے حکم سے بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا)

وہ مرغ اسی وقت زندہ ہو گیا۔“ ۱۳

شیخ فرید الدین عطار لکھتے ہیں:

”کسی کا دوران سفر گدھا مر گیا تو وہ اس تصور سے رو رہا تھا کہ اب میں اسباب

کس چیز پر لاد کر لے جاؤں گا۔ اتفاق سے ادھر سے ابو الحسن نوری کا گزر ہوا

اور مسافر کی بے بسی دیکھ کر گدھے کو ٹھوکر مار کر فرمایا کہ یہ سونے کا وقت نہیں

ہے۔ یہ کہتے ہی گدھا اٹھ بیٹھا اور وہ مسافر اپنا سامان لاد کر رخصت ہو گیا۔“ ۱۴

یہاں تک کہ صوفیہ کو اپنی موت پر بھی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ فرید الدین عطار ہی سے

منقول ہے:

”ایک مرتبہ عبداللہ (بن محمد) منازل (م ۳۳۱ھ/ ۹۴۲ء) نے ابو علی

(محمد بن عبدالوہاب) ثقفی (م ۳۲۸ھ/ ۹۳۹ء) سے فرمایا کہ مرنے کے

لیے تیار رہو۔ انھوں نے کہا کہ آپ کو تیاری کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ سر کے

نیچے ہاتھ رکھ کر دراز ہو گئے اور فرمایا کہ لو میں مر گیا۔ یہ کہتے ہی حقیقت میں

آپ کا انتقال ہو گیا۔“ ۱۵

چشتیہ سلسلے کا کم سے کم معیار ولایت ہی مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت قرار دیا گیا ہے۔ بطور

مثال خواجہ فرید الدین گنج شکر (م ۶۷۰ھ/ ۱۲۷۱ء) سے منقول درج ذیل اقتباس پیش ہے:

”آپ نے فرمایا کہ اے درویش! خواجہ قطب الدین (بختیار کاکی) چشتی

(اوشی) (م ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) سے پوچھا گیا کہ حضرت یہ کیوں کر معلوم ہو کہ

اب سلوک کا مرتبہ تمام ہو گیا اور یہ شیخ کمال کو پہنچ گیا۔ فرمایا: اگر وہ کسی مردہ پر

دم کر دے تو وہ مردہ خدا کے حکم سے زندہ ہو جائے تو اس وقت سمجھ لو کہ وہ کمالیت

کو پہنچ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ: خواجہ قطب الدین چشتی اسی محل پر یہ فائدہ فرما

ہی رہے تھے کہ ایک عورت روتی ہوئی آئی اور قدموں پر سر رکھ دیا اور کہا کہ ایک

بچہ رکھتی تھی کہ اسے بادشاہ نے بے گناہ دار پر کھینچوا دیا۔ خواجہ اس کی عرض

داشت سن کر کھڑے ہو گئے اور عصا ہاتھ میں لے کر اس کے ساتھ ہو لیے۔

آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ ہو لئے اور اس دار کشیدہ لڑکے کے پاس

پہنچے... خواجہ نے کہا: الہی اگر اسے بے گناہ بادشاہ نے دار پر کھینچا ہے تو اسے

زندہ کر دے۔ آپ کہہ ہی رہے تھے کہ لڑکا زندہ ہو گیا اور ساتھ چلنے لگا۔“ ۱۶

واضح رہے کہ اس میں صرف یہی بات نہیں بتائی جا رہی ہے کہ یہ صوفیہ مردوں کو زندہ کر سکتے

ہیں بلکہ یہ عقیدہ بھی بٹھانے کی کوشش ہے کہ ان صوفیہ کا حکم خدا تعالیٰ پر چلتا ہے کہ وہ حکم

کرتے ہیں اور خدا کو اس کے حکم کی فوری تعمیل کرنی پڑتی ہے۔

غرضیکہ صوفیہ کے یہاں تصرفات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے ان میں سے کوئی

جب چاہے کسی انسانی زندگی کے عوض حیوان کی زندگی طویل بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً شاہ ولی

اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

”کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ دہلوی) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا

لے رکھا تھا جو اس نے حضرت والد (شاہ عبدالرحیم) کو دکھایا۔ آپ نے اسے

تنہائی میں بلایا۔ اس وقت یہ فقیر بھی وہاں موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا خوب ہے

مگر اس کی عمر تھوڑی ہے۔ اس کی ایک بد زبان اور بد عادت بیوی تھی جس سے

وہ تنگ آچکا تھا۔ عرض کیا کہ کیا اچھا ہو کہ اس عورت کی زندگی گھوڑے کو مل

جائے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا: ایسا ہی ہو جائے گا۔ تین مہینے نہ گزرے تھے

کہ اس کی بیوی مر گئی اور گھوڑے کو بیچ کر خوب نفع کمایا۔“ ۱۷

حاضر و ناظر اور نظام کائنات میں صوفیہ کے دخیل ہونے کی مثال

علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں:

”اولیاء اللہ میں مشہور ہے کہ اوتاد کے لیے ضروری ہے کہ رات میں تمام جہان کا گشت کرے اگرچہ وہ کسی بھی جگہ پر ہو۔ اگر اس کی نظریں کسی جگہ پر نہ پڑیں تو دوسرے روز اس جگہ سے خلل شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت اولیاء قطب سے رجوع کرتے ہیں اور وہ قطب اپنی ہمت کو بروئے کار لاتا ہے اور وہ خلل و پریشانی اس جہاں سے قطب کی برکت سے دور ہو جاتی ہے۔“ ۱۸

شیخ ابونصر سراج (م ۳۷۸ھ/ ۹۸۸ء) ابو عبد اللہ بن جابان سے روایت نقل کرتے ہیں: ”میں ابوبکر شبلی کی خدمت میں قحط سالی کے دوران حاضر ہوا۔ انھیں سلام کیا اور جب رخصت ہونے کو اٹھا تو انھوں نے مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے فرمایا کہ جاؤ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جہاں کہیں بھی جاؤ، تم میری حفاظت میں ہو۔“ ۱۹

مولانا عبدالرحمن جامی شیخ جاگیر کے ارشادات میں سے نقل کرتے ہیں:

”میں نے کسی کو مرید نہیں بنایا ہے جب تک کہ میں نے اس کا نام لوح محفوظ میں اپنے مریدوں میں لکھا ہوا نہ دیکھ لیا ہو۔“ ۲۰

ایک اور شخص مؤید الدین جندی کا بیان نقل کرتے ہیں:

”ایک کاذب مدعی مہدویت ایک بے دین نصیریوں کی جماعت لے کر میری ایذا رسانی کے درپے ہوا۔ اس وقت میں نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی روحانیت سے پناہ مانگی اور ہمت کامل کے ساتھ میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے اس مدعی مہدویت کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور ایک ہاتھ سے اس کے دونوں پاؤں پکڑ لیے اور مجھ سے کہا کہ میں اس کو زمین پر دے ماروں؟ میں نے کہا: اے سیدی! جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔“ ۲۱

شیخ بدر الدین سرہندی، شیخ احمد سرہندی کے کرامات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”ایک سید صاحب جو صحیح النسب تھے اور حضرت (مجدد الف ثانی) کے قدیم مریدوں میں سے تھے، بیان فرماتے تھے کہ حضرت مجدد کے ایک حقیقی بھائی سروخ میں تھے۔ آپ نے ان کو بلانے کے لیے دو کلمے لکھے اور فرمایا کہ خود جاؤ اور ان کو لے آؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں وہاں جانے کا میں نے عزم کیا۔ آپ نے فاتحہ رخصت پڑھ کر فرمایا ... اور اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو مجھے یاد کرنا۔ ... میں نے دیکھا کہ ایک دھاڑنے والا شیر آپہنچا اور میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے بے اختیار حضرت مجدد کو یاد کیا اور کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی مشکل تمہیں درپیش ہو تو مجھے یاد کر لینا۔ اب مدد کا وقت ہے اور مجھے اس دھاڑنے والے اور پھاڑ کھانے والے شیر کے چنگل سے نجات دلوائیے۔ ابھی یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت مجدد ظاہر ہوئے اور اس شیر سے فرمایا کہ دور ہو۔ شیر پلٹا اور بھاگ گیا۔“ ۲۲

علم غیب کی مثال

صوفیہ اللہ کے اسرار کے معدن ہوتے ہیں۔ امام قشیری کے مطابق:

”اللہ نے ان (صوفیہ) کے دلوں کو اپنے اسرار کا معدن بنایا ہے۔“ ۲۳

آگے فرماتے ہیں:

”اور انھیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کیا کیا رد و بدل کرتا رہتا ہے۔“ ۲۴

اس بنا پر صوفیہ کے یہاں علم غیب کا بڑا چرچا ہوتا ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک دعوے پیش کیے جاتے ہیں۔ بلکہ عارف کی علامت ہی غیب دانی بتائی جاتی ہے۔ مثلاً جنید بغدادی سے پوچھا گیا کہ عارف کون ہے؟ جواب میں انھوں نے کہا:

”جو تیرے اندر کی بات کہہ دے جب کہ تو خاموش ہو۔“ ۲۵

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

”ان لوگوں (یعنی صوفیہ) کو سوال (یعنی دعا) کرنے سے یہ امر روکتا ہے کہ وہ جانتے ہیں اور ان کو علم رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام عالم میں پہلے سے کیا مقدر کیا ہے۔“ ۲۶

شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں کہ بایزید بسطامی نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو وہ مقام عطا کیا ہے کہ کل کائنات کو اپنی انگلیوں کے درمیان دیکھتا ہوں۔ ۲۷ ان سے یہ روایت بھی منقول ہے:

”ایک شکستہ حال نوجوان سے مسجد میں آپ (فتح موصلی) کی ملاقات ہوئی۔ اس نے عرض کیا کہ میں ایک مسافر ہوں اور چوں کہ مقیم لوگوں پر مسافر کا حق ہوتا ہے۔ اس لیے میں یہ کہنے حاضر ہوا ہوں کہ کل فلاں مقام پر میری موت واقع ہوگی۔ لہذا، آپ غسل دے کر انھیں بوسیدہ کپڑوں میں مجھے دفن کر دیں۔“ ۲۸

یہ بھی انھیں سے منقول ہے جس میں غیب دانی کے ساتھ ہی تصرف بھی بتایا گیا ہے:

”ایک عورت فریاد و زاری کرتی ہوئی حبیب عجمی (م ۱۵۶ھ/ ۷۷۷ء) کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا بچہ گم ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے میں بہت ہی مضطرب ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس اور کیا ہے؟ اس نے کہا: دو درم ہیں۔ آپ نے اس سے وہ درم لے کر خیرات کر دیے۔ اور دعا کر کے فرمایا کہ جاؤ تمہارا بچہ آگیا ہے۔ چنانچہ گھر پہنچ کر جب اس نے دیکھا تو واقعی اس کا بچہ گھر پر موجود تھا۔ اس کو گلے لگا کر پوچھا: تو کہاں چلا گیا تھا؟ لڑکے نے کہا میں تو کرمان میں تھا اور میرے استاد نے گوشت لینے کے لیے بازار بھیجا۔ راستے میں اچانک ایسی آندھی آئی کہ جو مجھے یہاں تک اڑا کر لے آئی اور میں نے کسی کہنے والے کو سنا کہ اے ہوا اس کو گھر پہنچا دے۔“ ۲۹

شیخ بدر الدین سرہندی کے مطابق شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا دعویٰ تھا:

”آپ فرماتے تھے کہ جو شخص بھی میرے طریقے میں داخل ہوا اور داخل ہوگا، قیامت تک بالواسطہ یا بلا واسطہ مردوں میں سے یا عورتوں میں سے، وہ سب میری نظر میں لائے گئے اور ان کا نام، نسب، مولد و مسکن بھی مجھے بتایا گیا۔ اگر

چاہوں تو سب کو بیان کر سکتا ہیں۔“ ۳۰

علم غیب کے تعلق سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ عبدالقادر جیلانی کا دعویٰ ان ہی کی زبان میں یوں بیان کرتے ہیں:

”اگر شریعت نے میرے منہ میں لگام نہ ڈالی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا کہ تم نے گھر میں کیا کھایا ہے اور کیا رکھا ہے۔ میں تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں کیوں کہ تم میری نظر میں شیشہ کی طرح ہو۔“ ۳۱

شیخ بدر الدین سرہندی شیخ احمد سرہندی کو عالم غیب ثابت کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

”آپ کے مخلصوں میں سے ایک عالم نے بیان کیا کہ میرا ایک عزیز تھا جو بہت پیارا تھا۔ وہ ایک سخت مرض میں مبتلا ہو گیا۔ طبیبوں کی دعائیں اور احباب کی دعائیں کارگر ثابت نہ ہوئیں تو میں آپ (شیخ احمد سرہندی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور توجہ کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی اور تھوڑی دیر کے بعد یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ”ہم نے اس کی مغفرت کے لیے دعا پڑھ دی ہے۔“ میں تعجب میں ہو گیا اور اس کے گھر کی طرف جو شہر سرہند سے کئی میل پر تھا روانہ ہوا تا کہ اس کی خیریت معلوم کروں۔ جب میں وہاں پہنچا تو لوگ اس شخص کے دفن سے فارغ بھی ہو چکے تھے۔“ ۳۲

شیخ احمد سرہندی کے علم غیب کا حال ان کی کرامات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”محمد سعید فرماتے تھے کہ اس زمانے میں جب کہ میری شادی ہوئی تھی، حضرت (مجدد) نے فرمایا تھا کہ اس شادی سے تمہارے چار بیٹے ہوں گے۔ لیکن پہلا بیٹا چار سال کا نہ ہو پائے گا کہ فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مجھے پانچ بیٹے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے جن میں سے پہلا بیٹا چار سال کا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔“ ۳۳

شاہ ولی اللہ دہلوی انسان اور کائنات کی تخلیق و ایجاد کے علوم غیب کے فیضان تک کا دعویٰ پیش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ انھیں تخلیق کے خیال کے پیدا ہونے کا بھی علم ہو جاتا ہے:

”اس مشاہدے میں یہ تحقیقات بھی شامل ہیں — میرے دل میں تخلیق و ایجاد کے علوم بالعموم اور عام خیال میں جو تخلیق ہوتی ہے، اس کے علوم کا بالخصوص فیضان ہوا اور نیز اس علم کا فیضان ہوا کہ دو متناقض چیزوں اور دو ضدوں کا اجتماع فی نفس الامر ممکن ہے۔“ ۳۴

حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ شکم مادر میں جنین کے حال سے واقف ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ
(النَّجْم: ۳۲)

(وہ تمہیں اس وقت سے خوب جانتا ہے جب اس نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے)

لیکن شاہ ولی اللہ نے اس سے بھی بڑھ کر دعویٰ پیش کر دیا کہ تخلیق و ایجاد کے علوم سے وہ واقف ہیں۔ اور ان کے چچا ابوالرضا محمد کے علم غیب کا یہ عالم تھا کہ خدا کے مقابلے میں صرف ایک فی صد ہی کمی رہ گئی تھی۔ پیش ہے شاہ ولی اللہ دہلوی کی فسانہ سازی۔ وہ فرماتے ہیں:

”سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا۔ آپ نے اسے کئی بار اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی مگر وہ پھر بھی نہ چوڑکا اور نہ ہی اس عادت بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا: تجھے بارہا اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پروا نہ کی۔ شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا، اگر زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں سو خیالات آئیں تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہ اس کے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کی۔“ ۳۵

واضح رہے کہ شاہ صاحب نے مذکورہ گفتگو خادم کے لیے اصلاحی کوششوں کے ذیل میں نہیں پیش کی ہے بلکہ صوفیہ کی خرق عادات کے ذیل میں بیان فرمائی ہے۔ اس سے غرض اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ اپنے چچا کی علمیت بالخصوص ان کے علم غیب سے باخبر کرے۔ اور جہاں

تک شاہ ولی اللہ کا معاملہ ہے تو صرف یہی نہیں وہ علم غیب سے متصف ہیں بلکہ انھوں نے اس علم کا بھی احاطہ کیا ہوا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کو کس طرح علم ہوتا ہے۔ لعنت ہے ایسے خیال اور عقیدہ پر۔ ان ہی کی زبانی پیش ہے:

”اس مشاہدے میں یہ تحقیق بھی ہے — ذات اول یعنی خدا تعالیٰ کو اشیاء کا دو

جہت سے علم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک اس کے علم کی اجمالی جہت ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ذات اول کو اپنی ذات کا علم ہو تو اس ضمن میں اس نے وجود کے نظام کے سلسلے میں ان کا اپنا جو اقتضائے ذاتی تھا، اس کو بھی جان لیا۔ بات یہ ہے کہ یہ علت تامہ کا یعنی وہ علت جس کا لازمی نتیجہ اس کے معلول کا صدور ہوا، علم اس امر کی کفایت کرتا ہے کہ علت تامہ کے ساتھ ساتھ معلول کا بھی علم حاصل ہو گیا۔ اب جہاں تک اشیاء کے عالم کا تعلق ہے وہ سب وجود الہی میں موجود تھیں۔ اور ان کا وجود وہاں بمنزلہ امکان کے نہیں تھا۔ کیوں کہ ایک چیز جب متحقق ہوئی تو اس کا متحقق ہونا اس بنا پر تھا کہ ذات واجب نے اسے متحقق کیا۔ اور اسی طرح ایک چیز وجود میں آئی تو اس کا وجود میں آنا اسی وجہ سے تھا کہ ذات واجب نے اسے ایجاد کیا۔ غرضیکہ ہر چیز کے مقابل ذات واجب کا ایک کمال اور اس کا اقتضائے ذاتی ہے۔ اور ذات واجب کے یہی وہ حالات ہیں جو اشیاء کے ظہور کا منبع اور اس کے حقائق کی اصل و کنہ ہیں۔ چنانچہ جس طرح ذات واجب کا ہر کمال خود اپنی خصوصیت کے اعتبارات سے ایک نہ ایک چیز کو وجود میں لانے کا متقاضی ہوتا ہے، اسی طرح ہر چیز بھی وجود میں آنے کے لیے ذات واجب کے ایک نہ ایک کمال کی محتاج ہوتی ہے۔ گو کہ ذات واجب کے یہ کمالات اور یہ اشیاء امر واحد ہیں۔ لیکن یہ کمالات ذات واجب (خدا) کے لوازم اور اس کے ذاتی اعتبارات میں بمنزلہ اس علم کے اس کی قدرت اور اس کی حیات کے ہیں۔ یعنی یہ سب کے سب معلولات اس ذات واجب کی علت تامہ کے ہیں اور اسی سے ان سب کا صدور ہوا ہے۔

ذات اول کو اشیاء کا علم جس طرح ہوتا ہے، اس کی پہلی جہت یعنی اجمالی تو

یہ ہوئی۔ ذات اول (خدا) کے علم کی دوسری جہت تفصیلی ہے اور اس کی شرح یہ ہے کہ ہر چیز جو موجود ہے، وہ معلوم ہے ذات واجب کی۔ یعنی اس کے وجود میں آنے کے لیے ذات واجب علت بنی اور جو چیز معلول نہیں تو اس چیز کا تحقق ہونا بھی ممکن نہیں اور اس سلسلے میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ معلولات ذات حق کی اس طرح محتاج نہیں ہیں جیسے کہ ایک عمارت کا بننا معمار کا محتاج ہوتا ہے۔ یعنی جب عمارت بن گئی تو پھر معمار کی ضرورت نہ رہی، بلکہ ان معلولات کو جب تک کہ وہ معلولات موجود ہیں، اپنے تقرر میں، اپنے جوہر ہونے، متحقق ہونے اور قیام پذیر ہونے میں برابر ذات واجب (خدا) کی حالت رہتی ہے اور ذات واجب کا ان معلولات کو وجود میں لانا اور اس کا ان کو متحقق کرنا ہی فی الحقیقت ان معلولات کے وجود اور تحقیق پذیر ہونے کی اصل ہے۔“ ۳۶

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اعلان فرمادیا ہے کہ غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اطلاع دے دی کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں فرماتا ہے۔ قرآن کریم شہادت دیتا ہے کہ:

عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ (الْجِنِّ: ۲۶)

(وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا)

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (الْأَنْعَامِ: ۱۷۹)

(اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کرے)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف کہلوا دیا کہ:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ

الْغَيْبِ لَا سَنَكُنْزُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ ۚ (الْأَنْعَامِ: ۱۸۸)

(اے محمد ﷺ! آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے لیے بھی فائدے اور نقصان کا کچھ

اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی خبریں جانتا ہوتا تو بہت سے

فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی)

داتا کی مثال

یہ صوفیہ داتا ہی نہیں بلکہ ایسے داتا ہیں جو سب کچھ دینے پر قدرت رکھتے ہیں حتیٰ کہ استقامت بھی۔ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

”میں (شیخ فرید الدین گنج شکر کے) حجرے میں گیا اور آپ کے قدموں میں سر

رکھ دیا۔ شیخ کبیر نے فرمایا: مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو۔ میں نے کوئی دینی چیز

طلب کی۔ آپ نے وہ چیز مجھے بخشی۔ بعد میں قاضی محی الدین کاشانی نے مجھ

سے پوچھا کہ تم نے کس چیز کی خواہش کی تھی؟ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں

نے استقامت کی خواہش کی تھی۔ شیخ نے مجھے بخش دی۔“ ۳۷

استقامت تو خیر معمولی سی چیز ہے، دنیا اور عقبیٰ تک بخشی جاسکتی ہے۔ شیخ احمد ابوالحق گاذرونی (م ۸۳۶ھ/ ۱۰۳۴ء) کے بچپن سے متعلق روایت بیان کی جاتی ہے:

”ایک روز تین درویش اس گاؤں (جس میں احمد ابوالحق گاذرونی رہتے تھے)

میں پہنچے اور ان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ اس وقت ان کے پاس تین

روٹیاں تھیں۔ وہ تین روٹیاں ان تینوں حضرات کے سامنے رکھیں۔ وہ تینوں کے

تینوں صاحب دل تھے۔ انھوں نے وہ روٹیاں لے کر کھالیں اور ایک دوسرے

سے بولے کہ اس بچے نے تو اپنی طرف سے ایک کام کر لیا۔ ہمیں بھی اس کا بدلہ

کرنا چاہیے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں دنیا بخشا ہوں۔ دوسرے نے کہا

کہ دنیا کی وجہ سے فتنے میں پڑے گا، میں عقبیٰ دیتا ہوں۔ یہ بات ہو ہی رہی

تھی کہ تیسرے نے کہا: درویش جواں مرد ہوتے ہیں، ہم اسے دنیا بھی بخشتے ہیں

اور عقبیٰ بھی۔“ ۳۸

علم جیسی سراپا کسی نعمت بھی صرف اس قدر کہہ دینے سے ایک دم سے حاصل ہو جاتی ہے کہ ”میں نے علم بخش دیا“۔ نظام الدین اولیاء کا بیان نقل کیا جاتا ہے کہ:

”انھوں نے فرمایا کہ دہلی میں بھی ایک قصاب تھے اولیاء حق میں سے۔ نو ہٹے

کے قریب (رہتے تھے)۔ مخلوق ان سے نعمت حاصل کر سکتی تھی۔ قاری فخر الدین

ناقلہ شروع حال میں ان کے پاس آتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ قصاب نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ قاضی فخر الدین نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ قاضی بن جاؤں۔ بولے: جاؤ قاضی بن جاؤ گے۔ چنانچہ وہ قاضی ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور شخص بھی ان قصاب کے پاس آیا۔ اس سے بھی انھوں نے پوچھا کہ تجھے بھی کچھ چاہیے؟ بولا میری تمنا تو یہ ہے کہ میں امیر داد بن جاؤں۔ اس شخص سے بھی انھوں نے کہا کہ جا امیر داد ہو جائے گا۔ وہ امیر داد ہو گیا۔ اس موقع پر فرمایا کہ مولانا وجیہ الدین حسام کا بھی ابتداء میں ان کے پاس آنا جانا تھا۔ ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ تمھیں کیا چاہیے؟ مولانا وجیہ الدین نے کہا کہ مجھے علم چاہیے۔ وہ بھی ان کے ارشاد کے مطابق عالم بن گئے۔“ ۴۹

خدا تعالیٰ سے مماثل صفت کی مثال

صوفیہ نے اس کی بھی کوششیں کی ہیں کہ اپنی صفات کو خدائی صفات کے مماثل قرار دیں۔ مثلاً ”سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ میرا مولا سوتا نہیں ہے اور میں بھی نہیں سوتا۔“ ۴۸

جامع الصفات کی مثال

صوفیہ معدودے چند صفات کے حامل قرار نہیں دیے جاتے بلکہ جامع الصفات متصور کیے جاتے ہیں۔ مثلاً عبدالقادر جیلانی، جو بالاتفاق تمام صوفیہ غوث تسلیم کیے گئے ہیں بلکہ غوث الاعظم کے نام سے موسوم ہیں، وہ جن خصوصیات کی بنا پر اس عظیم منصب پر فائز ہوئے، اس کی تفصیل عبدالحق محدث دہلوی اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”غرض کہ آپ سے لاتعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں — مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنا، انسان اور جنات پر آپ کی حکمرانی، لوگوں کے راز اور پوشیدہ

امور سے واقفیت، عالم ملکوت کے بوطن کی خبر، عالم جبروت کے حقائق کا کشف، عالم لاہوت کے سرستہ اسرار کا علم، مواہب غیبیہ کی عطا، باذن الہی حوادث زمانہ کا تصرف و انقلاب، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا، مریضوں کی صحت، بیماروں کی شفا، طے زمان و مکان، زمین و آسمان پر اجرائے حکم، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، لوگوں کے تخیل کا بدلنا، اشیاء کی طبیعت کا تبدیل کر دینا، غیب کی اشیاء کا منگنا، ماضی و مستقبل کی باتوں کا بتلانا۔“ ۴۹

آگے چل کر عبدالقادر جیلانی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قیامت تک میں اپنے مریدوں کی دست گیری کرتا رہوں گا۔ اگرچہ وہ سواری سے گرے۔“ ۴۲

اس بزرگ کے مرنے کے کئی سو سال بعد بھی اس سے فیضیاب ہونے کی مثالیں تصوف کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ”مبدأ و معاد“ میں شیخ احمد سرہندی اپنے عروج مقامات کے ذیل میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی قوت تصرف سے اپنی فیضیابی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

”اس آخری عروج میں جو کہ مقامات اصل کا عروج ہے، اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کی روحانیت سے امداد حاصل رہی اور ان کی قوت تصرف ان تمام مقامات سے گزار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرمادیا۔“ ۴۳

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شیخ عبدالقادر جیلانی کے تعلق سے مزید فرماتے ہیں:

”روایت ہے کہ حضرت شیخ جیلانی اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے، میرے اور مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مجھے کسی پر اور کسی کو مجھ پر قیاس نہ کرنا۔ فرماتے تھے کہ میری تخلیق تمام امور سے بالاتر ہے اور میں لوگوں سے ماورا ہوں۔“ ۴۴

غرض کہ یہ صوفیہ اصاغر خدا (Mini Gods) ہیں۔ پھر ان میں بھی درجات کا فرق ہے — بڑا خدا، اس سے چھوٹا خدا، اس سے بھی چھوٹا خدا۔ اس طرح علی الترتیب خداؤں کا

ایک سلسلہ ہے۔ ان میں کا ہر ایک خدا اپنی حیثیت خدائی کے مطابق اس کائنات میں متصرف ہے۔ ان صوفیہ میں جسے غوث الاعظم کہتے ہیں وہ نسبتاً بڑا خدا ہے جو بکثرت صفات کا حامل، بہت سارے معاملات پر قادر اور بکثرت تصرفات پر با اختیار ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ان اصاغر خداؤں میں آپس میں نہ تو کوئی اختلاف ہے اور نہ ٹکراؤ، جب کہ قرآن کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک سے زائد خدا ہوتے تو ان خداؤں میں آپس میں مسابقت ضرور ہوتی اور ایک خدا دوسرے خدا کی مخلوق کو ہڑپ کر جاتے اور انھیں تباہ و برباد کر ڈالتے۔ قرآن کہتا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَ اللَّهِ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (الأنبياء: ۲۲)

(اگر آسمانوں اور زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (آسمانوں اور زمین) دونوں ہی کا نظام درہم برہم ہو جاتا بس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔)

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ مِمَّا خَلَقَ وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ ط (المؤمنون: ۹۱)

(اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی خلق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے)

چنانچہ ایسے مدعیان خدائی کو اللہ تعالیٰ نے ظالم قرار دیا ہے اور ان کے لیے جہنم کی وعید سنائی ہے:

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَلْيَاكُفْ بِهِ جَهَنَّمَ ط كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ (الأنبياء: ۲۹)

(اور جو ان میں سے کوئی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں بھی ایک خدا ہوں، تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں، ہمارے ہاں ظالموں کا یہی بدلہ ہے)

دنیا کا نظم و نسق صوفیہ کے قدموں تلے ہے اور مغربی و مشرقی دنیا ان کے تابع فرمان ہے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (م ۷۵۶ھ / ۱۳۵۶ء) لکھتے ہیں:

”اب ان ایمان والے صدیقیوں کا حال سنو اور اپنی ناقص عقل سے ان کے متعلق رائے زنی نہ کرو، کیوں کہ یہ وہ بزرگان دین ہیں کہ دنیا کا نظم و نسق انھیں کے قدموں کے نیچے ہے اور دین کا استحکام ان کے قبضہ اختیار میں ہے۔ مغربی اور مشرقی دنیا ان کے حکم و فرمان کے تابع ہے۔“ ۳۵

خدا کی طرح صوفیہ نا قابل بیان قابل تعریف ہستیاں

شیخ بدر الدین سرہندی اپنی کتاب ”حضرات القدس“ میں شیخ احمد سرہندی کی تعریفوں کے وہ پل باندھے ہیں کہ خدائی شان و عظمت تک پہنچا دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”ایسے خدیو کار ہستی کی تعریف مجھ جیسے خود پرست سے کیا ہو سکتی ہے اور ایسے کہ خدائے سرائے وجود کی توصیف مجھ جیسے دنیا پر وہ سے کیوں کر ہو سکے گی۔ آپ (شیخ احمد سرہندی) کے اطوار، اسرار، مقامات اور کرامات کی تعداد بارش کے قطروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے۔ دنیوی کاغدان کے لکھنے کے لیے کام کے نہیں اور سمندروں کی سیاہی اور درختوں کے قلم ان کے لیے کفایت نہیں کر سکتے اور انسانی حوصلہ اس کے تصور کی تاب بھی نہیں لاسکتا۔“ ۳۶

یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کے ذیل میں اس مثال کے جواب میں ہے، جس میں قرآن میں کہا گیا ہے کہ:

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ط (لقمن: ۲۷)

(زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی)

شیخ احمد سرہندی جیسی بزرگ ہستی کی تعریفوں کے لیے بھی اسی طرح تمام درختوں کے قلم اور سمندروں کی روشنائی ناکافی ہوں گی، نعوذ باللہ من ذلک، نعوذ باللہ من ذلک۔

خدائی صفات کے حصول کے اسباب

یہ خدائی صفات کس طرح حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے اسباب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ”نسبت سیکھنے“ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”شخص اکبر کے دل پر ذات الہی کی تجلّی ہوئی اور تجلّی نمونہ بنی باری تعالیٰ کی ذات کا جس شخص کو یہ نسبت حاصل ہوتی ہے وہ شخص اکبر کے اس نقطہ تجلّی کا محبوب و مقصود بن جاتا ہے۔ اب چوں کہ نفوس افلاک، ملاء اعلیٰ اور ارواح کاملین کی محبت شخص اکبر کے اسی نقطے کے ضمن میں آتی ہے۔ اس لیے یہ نسبت رکھنے والا شخص اکبر کے نقطہ تجلّی کی وساطت سے سب کا محبوب و مقصود بن جاتا ہے۔ الغرض جب اس نسبت کا حامل شخص اکبر کی اس تجلّی کا محبوب ٹھہرا تو اس محبوبیت کی وجہ سے اس پر تجلیات الہی میں سے ایک تجلّی کا فیضان ہوا۔ اور یہ تجلّی جامع ہوتی ہے قدرت الہی کے ان چار کمالات یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلیٰ کی۔ اور یہ چار کمالات اس نظام کائنات میں مصروف عمل ہیں۔ چنانچہ اس تجلّی کے طفیل اس نسبت رکھنے والے شخص سے بے انتہا خیر و برکت کا ظہور ہوتا ہے۔۔۔ حضرت غوث الاعظم کی زبان سے فخر اور بڑائی کے جو بلند آہنگ کلمات (تصرفات کائنات کے دعوے) نکلے اور آپ کی ذات گرامی سے تسخیر عالم کے جو واقعات رونما ہوئے یہ سب کچھ آپ کی اسی نسبت کا نتیجہ تھا۔“ ۷۷

بات صرف اتنی سی نہیں ہے کہ صوفیہ خدائی صفات اور اختیارات کے دعوے دار ہیں بلکہ انھوں نے اپنے آپ کو اس قدر بڑھایا اور اتنا بلند کیا کہ خدا کا مقام اور اس کا مرتبہ بھی ان کے سامنے ہچ ہے۔ مثلاً شیخ اکبر محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں:

”معلوم ہو کہ عارف باللہ کا قلب (گوکہ) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے موجود ہوا

ہے، مخلوق ہوا ہے، مگر قلب عارف میں رحمت الہی سے زیادہ وسعت ہے۔ کیوں کہ عارف میں جلّ شانہ کی سمائی ہے۔“ ۷۸

علامہ ابن جوزی، بایزید بسطامی کے بلند بانگ خدائی دعوے کو نقل کرتے ہیں:

”ابو یزید (بسطامی) کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ کہتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ قیامت قائم ہوتا کہ میں اپنا خیمہ دوزخ پر نصب کروں، ہم میں سے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ اے ابو یزید ایسا کیوں کرو گے۔ جواب دیا کہ جانتا ہوں کہ دوزخ مجھے دیکھے گا تو سرد پڑ جائے گا۔ لہذا، میں مخلوق کے لیے رحمت بن جاؤں گا۔“ ۷۹

نظام الدین اولیاء کے متعلق امیر خورد ”سیر الاولیاء“ میں فرماتے ہیں:

”سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاء) فرماتے تھے کہ مولانا بدر الدین اہلق (۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء) کچھ لکھ رہے تھے اور نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ کسی نے کہا: خواجہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔۔۔ مولانا نے فرمایا کہ میں آج آفتاب سے کہوں گا کہ اس وقت تک غروب نہ ہو، جب تک میں یہ صفحہ پورا نہ کر لوں۔ جب مولانا وہ صفحہ پورا لکھ چکے تو مولانا نے فرمایا کہ جاؤ اور آفتاب کو دیکھو۔ جب ایک شخص بالا خانے پر گیا تو اس نے دیکھا کہ آفتاب اپنی جگہ موجود ہے۔“ ۸۰

شیخ فرید الدین عطار لکھتے ہیں:

”جس وقت جنگ روم میں اسلامی لشکر پسپا ہو گیا تو کسی لشکری کے منہ سے نکلا کہ بایزید! اعانت فرمائیے۔ چنانچہ اسی وقت ایک آگ نمودار ہوئی جس کے خوف سے کفار کا لشکر فرار ہو گیا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔“ ۸۱

امیر خورد بیان کرتے ہیں:

”شیخ مجد الدین بغدادی نے ”تحفة البراءة“ میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ تجارت کے لیے کہیں جا رہے تھے۔ لیکن ڈاکوؤں سے اپنے مال اور جان کے خطرے کی وجہ سے ڈرتے تھے۔ وہ سب کے سب حضرت ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ ہم لوگ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ

ہمارے لیے کوئی دعا یا وظیفہ تجویز فرمائیں تاکہ ہم اس کی برکت سے محفوظ اور مامون رہیں۔ شیخ نے فرمایا: تم لوگ اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اگر راستہ میں کوئی خوف یا خطرہ پیش آئے تو میرا نام لینا اور کہنا ”ابوالحسن خرقانی“۔ (پھر) اس نام کا ورد کرتے رہنا جب تک کہ تم اس خوف و ہراس سے نجات نہ پاؤ۔ جب انھوں نے شیخ کی بات سنی تو بعضوں نے ان کی اس بات کو مان لیا۔ اس کے بعد وہ سب ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کا ڈاکوؤں سے سامنا ہوا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے دلی عقیدت سے شیخ کا نام لیا اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام لیے اور آیات قرآنی اور دعائیں پڑھنے لگے۔ جو لوگ آیات و دعائیں پڑھنے لگے سب کے سب ہلاک ہو گئے اور ڈاکوؤں نے ان کا مال لوٹ لیا اور جن لوگوں نے شیخ کا نام لیا تھا، انھوں نے نجات پائی اور مال بھی محفوظ رہا۔“ ۵۲

ابوالحسن خرقانی کے بارے میں شیخ فرید الدین عطار لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ کوئی جماعت کسی مخدوش راستے پر سفر کرنا چاہتی تھی۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی ایسی دعا بتا دیجیے جس کی وجہ سے ہم راستے کے مصائب سے محفوظ رہ سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آئے تو مجھ کو یاد کر لینا۔ لیکن لوگوں نے آپ کے اس قول پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنا سفر شروع کر دیا۔ لیکن راستے میں ان کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ ایک شخص جس کے پاس مال و اسباب بہت زیادہ تھے، جب ڈاکو اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے صدق دلی سے آپ کا نام لیا، جس کے نتیجے میں مال و اسباب سمیت لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔... جن لوگوں نے آپ کو یاد نہیں کیا تھا وہ سب لوٹ لے گئے۔ پھر ڈاکوؤں کی واپسی کے بعد وہ شخص سب کی نظروں کے سامنے آ گیا اور جب اس سے پوچھا گیا تو کہاں غائب ہو گیا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے سچے دل سے شیخ کو یاد کیا تھا اور خدا نے اپنی قدرت سے مجھے سب کی نگاہوں سے پوشیدہ فرما دیا۔“ ۵۳

’فوائد الفوائد‘ میں شیخ کی دہائی کا ذکر اس طرح ہے:

”محمد نیشاپوری ایک نقیب تھے۔ وہ ایک مرد عزیز، نیک اعتقاد تھے۔ ان سے میں نے انھیں کا یہ واقعہ سنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں گجرات کے سفر میں تھا۔ ان ایام میں گجرات ہندوؤں کے قبضے میں تھا۔ دو ایک آدمی میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ہمارے پاس ہتھیار نہ تھے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک ہندو ہاتھ میں ننگی تلوار لیے ظاہر ہوا۔ ہم سب خوف زدہ ہو گئے۔ اتنے میں وہ اسی طرح ننگی تلوار لیے ہمارے سامنے آ گیا۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو میں نے کہا: ”شیخ حاضر باش!“ (شیخ حاضر ہو جائیے) یہ کہنا تھا کہ اس ہندو نے فوراً تلوار اپنے ہاتھ سے پھینک دی اور ہم سے کہا کہ مجھے امان دیجیے۔ ہم نے کہا کہ تجھے امان ہے۔ اس کے بعد ہم نے اس کی تلوار اس کو دے دی۔ وہ اپنی راہ گیا اور ہم اپنی راہ چلے۔ یہ حکایت سنا کر شیخ (نظام الدین اولیاء) نے کہا: دیکھو اس ہندو نے کیا دیکھا اور اس کو کیا دکھائی دیا۔“ ۵۴

صوفیہ کے ظلم کی انتہا یہی نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی حیثیت اور قدرت کو اللہ تعالیٰ سے بھی بلند درجہ دے دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اللہ تعالیٰ کو اس قدر نیچے اتار لایا اور اس قدر حقیر گردانا کہ اسے انسانوں کا غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔ مولانا عبدالرحمن جامی کی کتاب ”نفحات الانس“ سے صرف ایک مثال پیش ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”کبھی کبھی حق تعالیٰ ایک غلام کو اپنے ایک غلام کے ہاتھوں آزاد کر دیتا ہے اور خود کو ایک غلام کے بہانے سے ان لوگوں کو دکھلاتا ہے تاکہ ان لوگوں کی آنکھیں اس کے دیدار سے سکون پائیں۔“ ۵۵

ربوبیت اور نظم و تدابیر میں شرک

صوفیہ نے ذات خداوندی کے حصے بخرے کرنے، مخلوق میں خدا کے حلول کے عقیدے گھڑنے اور اپنی ذات کو خدا تعالیٰ میں ضم کرنے یا خود خدا تعالیٰ کو اپنے اندر اتار

لانے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اختیارات میں بھی خود حصہ دار ہونے اور دوسرے صوفیہ کو شریک کرنے سے بھی نہ چو کے۔ لہذا، بزعم باطل کارہائے ربانی کے یہ شرکاء باضابطہ دنیاوی اہل کاروں کی طرح مختلف مناصب پر فائز قرار دیے جاتے ہیں۔

”صوفیہ کے اعتقاد کے مطابق زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے، جو نظام عالم کا روبرو سنبھالے ہوئے ہے۔ زندگی ان کے توسط سے رواں دواں ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ انھیں ”صالح“ انسانوں کی مرضی کے تابع اور زمانے کی گردش انھیں کے زیر فرمان ہیں۔ صوفیہ کے اقوال کے مطابق دنیا انھیں پاک بازوں کی وجہ سے قائم ہے۔ انھیں کے طفیل آسمان سے مینہ برستا ہے اور لوگوں کے سروں پر سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ یہی نفوس ”قدسہ“ ہیں جن کے صدقے میں مخلوق کو روزی ملتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خوش عقیدہ صوفیہ کے اعتقاد کے مطابق موت و حیات کا پورا پورا انتظام ”درویشوں“ کے اسی گروہ کے دائرہ اختیار میں ہے۔ الغرض زندگی کا کوئی گوشہ اس گروہ کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں ہے۔“ ۵۶

یہ اہل کار اللہ تعالیٰ کے امور کا نفاذ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنے امور بھی اللہ تعالیٰ سے نافذ کراتے ہیں۔ اللہ کے ہم سر جو ٹھہرے۔ حتیٰ کہ ان کی مرضی کے خلاف خدا تعالیٰ بھی کچھ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ ان کی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ان ہی کی برکت سے یہ عالم قائم ہے۔ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

”یہ عالم قائم ہے کل مخلوق میں برکت سے قطب کی جو ایک ہے اور اوتاد کی جو چار فرد ہیں اور ابدال کی جو چالیس ہیں اور اولیاء کی جو چار سو افراد ہیں۔“ ۵۷

علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ کے اولیاء ملک کے مدبر ہیں اور عالم کے نگران اور خداوند تعالیٰ نے خاص طور پر ان کو عالم کا والی گردانا ہے اور عالم کا حل و عقد ان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور احکام عالم کو ان ہی کی ہمت کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔“ ۵۸

”فتوحات مکیہ“ کے حوالے سے مولانا عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ نے زمین کو ہفت اقلیم میں تقسیم کیا ہے اور اپنے محبوب بندوں میں سے سات افراد کو منتخب فرما کر ان کا لقب ابدال رکھا ہے۔ ہر ایک اقلیم ان سات ابدال میں سے ایک ایک ابدال کے سپرد ہے جس کا وہ انتظام کرتا ہے۔“ ۵۹

رجال الغیب یا مردان غیب

چوں کہ صوفیہ ان کے اپنے خیال کے مطابق باطنی نظام کے اہل کار ہوتے ہیں اور وہ عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں، اس لیے انھیں ”رجال الغیب“ یا مردان غیب“ کہا جاتا ہے۔

یہ اہل کار مختلف مناصب پر فائز ہوتے ہیں جن میں بالاتفاق سب سے اعلیٰ مرتبہ پر غوث یا قطب متمکن ہوتا ہے۔ باقی تمام اہل کار اس غوث یا قطب کے تابع ہوتے ہیں۔ بیشتر صوفیہ کے مطابق قطب ہمیشہ ایک ہوتا ہے۔ البتہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک ”کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ قطب پیدا ہوں اور وہ اس طرح کہ ہر ملک میں ایک الگ قطب ہو۔“ ۶۰

شاہ اسماعیل شہید کے بقول ”اس رستے کا امام (قطب یا غوث) اور اس گروہ کے بزرگ ان فرشتوں کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں جن کو ملاء اعلیٰ کی طرف سے تدبیر امور کے بارے میں الہام ہوتا ہے اور وہ اس کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔“ ۶۱

صوفیہ کے مطابق جنید بغدادی، ابو اسحق شامی (م ۳۲۹ھ/ ۹۴۰ء) اور ابوالقاسم گرگانی (م ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء) قطب تھے۔ سید عبدالقادر جیلانی قطب الاقطاب اور غوث الاعظم کے نام سے مشہور ہیں۔ بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء)، فرید الدین گنج شکر اور احمد جام (م ۵۳۶ھ/ ۱۱۴۱ء) بھی قطب اور غوث تھے۔ بعض اکابر صوفیہ نے اپنے قطب یا غوث کے مقام پر فائز ہونے کے بارے میں خود ہی آگاہ کیا۔ مثلاً محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ نے اپنے قطب ہونے کا خود ہی اظہار کیا ہے۔ ۶۲

قطب یا غوث اور اسی طرح دوسرے مناصب کے حامل کون ہوتے ہیں اور انھیں کیوں اور کس طرح یہ مناصب عطا ہوتے ہیں، اس سے متعلق دعویٰ داروں کے اقوال بھی بڑے دلچسپ ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی سے منقول عبارتیں پیش ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”اس مجلس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنی اجمالی مدد سے سرفراز فرمایا اور یہ اجمالی مدد عبارت تھی مقام مجددیت، وصایت اور قطبیت ارشاد یہ ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان مناصب سے نوازا اور نیز مجھے شرف قبولیت عطا فرمایا اور امامت بخشی۔“ ۶۳

یہ مناصب انھیں کیوں عطا ہوئے اس کی وجہ بھی بتاتے ہیں:

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ”قائم الزمان“ ہوں۔ قائم الزمان سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس دنیا میں نظام خیر کو قائم کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لیے مجھے بطور ایک ذریعہ کار کے مقرر کیا۔“ ۶۴

اور قطبیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

”میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے خود اپنا نور دیکھا، جو بڑا عظیم الشان تھا اور جس نے کہ تمام اقلیموں کو ڈھانپ لیا اور ان اقلیموں میں رہنے والوں پر اس کی روشنی غالب آگئی اور اس سے میں نے سمجھا کہ یہ قطبیت جو مجھے دی گئی ہے نور ہے۔“ ۶۵

اس طرح جب اکابر صوفیہ الوہی صفات کے حامل قرار دیے گئے اور پوری کائنات پر متصرف اور مقتدر گردانے گئے تو لازماً ان کے گرد خانہ کعبہ کو طواف کرنا ہی چاہیے۔ چنانچہ خواجہ معین الدین سنخری ”فرمایا کرتے تھے کہ ایک مدت تک میں نے خانہ کعبہ کے گرد طواف کیا، لیکن اب خانہ کعبہ میرے گرد طواف کرتا ہے۔“ ۶۶ اور قطب اور غوث کے مرتبے کا کیا کہنا۔ وہ ہر جگہ حاضر ہوتے ہیں کہ ان کا نام لیا اور وہ چاہے جہاں کہیں ہوں حاضر ہو جاتے ہیں۔ بگڑی بنا دیتے ہیں۔ مشکل حل کر دیتے ہیں۔ مرادیں بر آتی ہیں۔ مصائب سے پلک جھپکتے نجات مل جاتی ہے۔ ان قطب کے نام تک کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ

ان کے نام لیتے ہی ان کی پناہ مل جاتی ہے اور دنیا و مافیہا سے محافظت حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً نظام الدین اولیاء سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”جب میں سولہ سال کا ہوا تو میں نے دہلی جانے کا ارادہ کیا۔ اس سفر میں میرے عزیز بزرگ عوض نامی میرے ساتھ ہوئے۔ راستے میں اگر کہیں شیر یا چور کا خوف ہوتا تو وہ بزرگ کہتے ”اے پیر! تشریف لائیے۔ اے پیر! ہم آپ کی پناہ میں جارہے ہیں۔“ میں نے اس بزرگ سے پوچھا: آپ کس کو پیر کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ شیوخ العالم فرید الدین کو۔“ ۶۷

جب ان شیوخ کا مرتبہ اس قدر بلند قرار پایا کہ خدا سے بھی زیادہ بلندی پر وہ فائز کر دیے گئے تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خدا کا مرتبہ اور ضرورت ان شیوخ کے مقابلے میں نہایت ہی فروتر ہو کر رہ گئی۔ لہذا، امام غزالی کے بقول اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بائزید بسطامی کو دیکھنا ستر درجہ بہتر قرار پایا۔ امام غزالی کی عبارت پیش ہے:

”ابو تراب نخشی (م ۲۳۵ھ / ۸۵۹ء) نے فرمایا کہ ایک بار بائزید کو تیرا دیکھنا خدا کو ستر بار دیکھنے سے افضل ہے۔“ ۶۸

اسی طرح خدا کے نام کے بجائے شیخ کے نام کا ورد کرنا اور اسے اپنے دل میں بٹھانا زندگی کا مقصد قرار پایا۔ حتیٰ کہ مرتے وقت بھی شیخ کا نام اپنی زبان پر جاری رکھنے کو سعادت سمجھا جانے لگا۔ نظام الدین اولیاء کے متعلق منقول ہے:

”آپ تنہا سفر کر رہے تھے۔ موسم سخت تھا۔ پیاس شدید لگ رہی تھی۔ ایسے میں گھوڑے نے سرکشی کی اور بدک کر آپ کو زمین پر گرا دیا۔ آپ اتنے زور سے زمین پر گرے کہ بے ہوش ہو گئے اور بہت دیر تک وہیں جگمگ میں بے ہوش پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ آپ حضرت بابا فرید (فرید الدین گنج شکر) کا نام چپ رہے ہیں۔ اس پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور سوچا کہ اس سے امید بندھتی ہے کہ ان شاء اللہ مرتے وقت بھی شیخ کا مبارک نام زبان پر جاری رہے گا۔“ ۶۹

صوفیہ کے مطابق جب شیخ کا مقام خدا کے مقابلے میں ستر درجہ افضل قرار پایا تو ظاہر

ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی عبادت، اطاعت اور استعانت سبھی کچھ شیخ کی عبادت، اطاعت اور استعانت کے مقابلے میں انتہائی ہیچ بلکہ بے حیثیت ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کے یہاں یہ عقیدہ کارفرما ہے کہ:

”جج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو۔“ ۱۰۷

یہ تو عقیدہ کا حال ہے، اطاعت کے معاملے میں بھی صوفیہ کو خدا کے مقابلے میں اپنے پیر کا زیادہ فرماں بردار ہونے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ بلکہ مرید کے لیے یہ شرط اول ہے۔ ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء) کا قول ہے:

”ہرگز مرید نہ بود تا استاذ خود را فرمان برندہ تر نبود از خدائی۔“ (کوئی بھی شخص ہرگز مرید نہیں ہو سکتا، جب تک خدا سے زیادہ اپنے استاذ (شیخ) کا فرماں بردار نہ ہو جائے)۔ ۱۰۸

کے رہنما، فیض رساں، دست گیر، مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہوتے بلکہ مرنے کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ ان کے فیوض و برکات، استعانت و نصرت، دست گیری، رہنمائی اور حاجت روائی وغیرہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے بلکہ اس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

”علیؑ کے بعد اولیاء کرام اور اصحاب طریق کا سلسلہ چلتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ وہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو باحسن وجوہ طے کر کے نسبت اولیٰ کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے قدم رکھا وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات گرامی ہے۔ اس بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔“ ۱۰۹

مزارات

لہذا، ان کے مزارات مرجع خلایق ہوتے ہیں۔ ان مزارات کی زیارت، قدم بوسی اور سجدہ ریزی سے لوگوں کی مرادیں برآتی ہیں، مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور فیوض و برکات کا گنجینہ بے بہا ہاتھ آ جاتا ہے۔ ان فیوض و برکات کا سلسلہ دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت تک دراز ہوتا ہے اور مرنے کے بعد تو ان شیوخ کے تصرفات و اختیارات دو آتشہ، سہ آتشہ بلکہ اس سے بھی قوی تر ہو جاتے ہیں۔ امام غزالی خواص کے آداب سفر کے ذیل میں ہدایت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سفر کو جاتے وقت نیت کرتے ہیں کہ جس شہر میں بھی جائیں گے وہاں کے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کریں گے۔“ ۱۱۰

نظام الدین اولیاء کو اپنے شیخ کے مزار کی زیارت سے حج کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس کے سوا کچھ اور بھی مل جاتا ہے۔ ۱۱۱ علی بن عثمان ہجویری، ابو العباس قاسم بن المہدی السیری (م ۳۴۲ھ/ ۹۵۳ء) کے متعلق فرماتے ہیں:

کامل صوفیہ مرکز نابود نہیں ہو جاتے بلکہ سرتاپا جوہر ہو جاتے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مطابق:

”بات یہ ہے کہ جب کوئی کامل اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ دنیا سے نابود ہو گئے۔ حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس موت کے بعد اس کامل کا وجود عرض و جوہر کے مرکب سے نکل کر سرتاپا جوہر ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ اپنے کمال میں اور قوی تر ہو جاتا ہے۔“ ۱۱۱

موت کے بعد بھی غوثیت کے تصرفات، اقتدار اور اختیار جاری چنانچہ صوفیہ کے مطابق یہ منصب داران ”رجال الغیب“ بالخصوص قطب اور غوث اپنی زندگی سے زیادہ مرنے کے بعد تصرفات پر قادر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی ہی میں لوگوں

”ہر زمانے میں ان کی قبر مبارک مرو میں روشن اور تاباں ہے اور مخلوق حاجت روائی کے لیے آپ کے مزار پر انوار پر جاتی ہے اور اپنی مشکلات کا حل ان سے طلب کرتی ہے اور ان کی مشکلات وہاں پر حل ہو جاتی ہیں۔ یہ باتیں مجرب اور آزمودہ ہیں۔“ ۶۷

”سری سقطی (م ۲۵۳ھ/ ۸۶۷ء) نے (معروف کرنی ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء) کے بارے میں (فرمایا کہ دم مرگ آپ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ مجھ کو بالکل برہنہ دفن کرنا کیوں کہ میں دنیا میں برہنہ ہی آیا تھا۔ اس کے بعد انتقال کر گئے اور آپ کا مزار مبارک آج تک مربع خلائق بنا ہوا ہے اور لوگوں کی تمام مرادیں پوری ہوتی ہیں۔“ ۶۸

ابوالحسن خرقانی کے بارے میں روایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے:

”فرمایا کہ مرنے کے بعد بھی میں اپنے معتقدین کی نزع کے وقت مدد کروں گا۔“ ۸۷

”شیخ ابوالحسن قریشی نے کہا ہے کہ میں نے چار اولیاء کو دیکھا ہے جو اپنی قبور میں صاحب تصرف ہیں، اسی طرح جس طرح زندوں کو تصرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ چار حضرات یہ ہیں — حضرت معروف کرنی، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عقیل منجی (چھٹی صدی ہجری) اور حیات حرانی (حیوة بن قیس الحرانی ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء)۔“ ۹۷

مولانا عبدالرحمن جامی سے یہ بھی منقول ہے کہ:

”سلطان محمود سبکتگین حضرت بایزید بسطامی کے مزار پر گئے۔ ایک درویش وہاں موجود تھا۔ ان سے سلطان نے دریافت کیا کہ تمہارا شیخ کیا کہتا تھا؟ انھوں نے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ جس نے مجھے دیکھا (مزار کی صورت میں) اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔“ ۱۰۷

یہاں تک کہ قبر پر جنازہ رکھ دینے سے بھی بخشش واجب ہو جاتی ہے۔ مولانا عبدالرحمن جامی بیان فرماتے ہیں:

”آپ (شیخ ابونصر سراج) سے منقول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا: جس جنازے کو میری خاک (قبر) کے سامنے سے لے جائیں گے، وہ بخش دیا جائے گا۔ اس بشارت کی بنا پر طوس کے لوگ جنازے کو کچھ دیر آپ کے مزار کے سامنے رکھتے ہیں پھر اس کو اٹھاتے ہیں۔“ ۱۰۸

معین الدین چشتی (۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء) فرماتے ہیں:

”میرا ایک ہم سایہ جو خواجه (عثمان) ہارونی (م ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء) کے مریدوں میں تھا۔ (میں) اس کے جنازے میں شریک تھا۔ جب اس کو قبر میں رکھا اور لوگ لوٹ گئے تو میں اس کی قبر پر ٹھہرا رہا۔ میں نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے حاضر ہوئے ہیں۔ اسی دوران خواجه عثمان (جو قبل ہی انتقال کر چکے تھے) تشریف لائے اور فرشتوں سے کہا کہ اسے عذاب مت دو کہ یہ میرے مریدوں میں سے ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سے کہو یہ تمہارے خلاف تھا۔ خواجه عثمان ہارونی نے فرمایا کہ بے شک یہ میرے خلاف تھا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو میرے دامن سے وابستہ کیا تھا۔ حکم ہوا کہ خواجه عثمان ہارونی کے مرید کو عذاب نہ دو۔ ہم نے اس کو بخش دیا۔“ ۱۰۹

امیر خورد سے منقول ایک اور بیان:

”منقول ہے کہ سلطان سنجر کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد میں نے کیا تھا، وہ میرے سامنے لایا گیا۔ پھر عذاب کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ اسی اثنا میں یہ حکم پہنچا کہ فلاں دن اس نے مسجد دمشق میں خواجه شریف زندنی (م ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۵ء) کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس ملاقات کی برکت سے اس کو بخش دیا جائے۔“ ۱۱۰

نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

”سیدنا عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ جو میری قبر کے احاطے یعنی خانقاہ اور میری مسجد میں داخل ہوا، اس کے لیے امان ہے، اس پر عذاب قیامت نہ ہوگا۔“

وہ جنت میں جائے گا۔“ ۸۴

بابا فرید الدین گنج شکر کے مزار کے جتنی دروازہ کے متعلق نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے مجھ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا حکم یہ

ہے کہ جو شخص اس دروازے سے گزرے گا، جنتی ہے۔“ ۸۵

شیخ احمد سرہندی اس کی عملی شہادت پیش کرتے ہیں اور اکتساب فیض کی خبر بھی دیتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

”ارشاد پناہی قبلہ گاہی (خواجہ محمد الباقی جوان کے پیر تھے) کی رحلت کے بعد

آپ کے مزار شریف کی تقریب زیارت کے لیے آفات سے محفوظ شہر دہلی میں

آنے کا اتفاق ہوا۔ عید کے دن مزار شریف کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا۔ مزار

مبارک کی توجہ کے دوران آپ کی روحانیت کی پوری توجہ اس فقیر کی جانب

مبذول ہوئی اور کمال غریب نوازی سے اپنی نسبت خاصہ جو خواجہ احرار کی طرف

منسوب تھی، عطا فرمائی۔ فقیر نے جب اس نسبت کو اپنے اندر پایا تو بالبداہت

ان علوم و معارف کی حقیقت کو بطریق ذوق پالیا (جن علوم و معارف سے اب

تک نا آشنا تھے)۔“ ۸۶

شاہ ولی اللہ دہلوی نے تو اس معاملے میں بھی حد کردی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”سالم کو اس بزرگ (جس سے سالم کو نسبت ہے) سے غیر معمولی محبت ہے

اور اس بزرگ کی قبر پر وہ اکثر جاتا ہے۔ اس نسبت کا انحصار یا تو سالم کی اپنی

استعداد پر ہوتا ہے یا اس میں فیض حاصل کرنے کی خود کتنی قابلیت ہے۔ دوسری

چیز اس خاص بزرگ کا اثر و نفوذ ہے، جس سے سالم کو ربط ہوتا ہے۔ اب اگر

وہ بزرگ اپنے سلسلے کے متعلق کی تربیت میں بڑی ہمت رکھتا ہے اور اس دنیا

سے انتقال کے بعد اس کی روح میں تاثیر و تصرف کی یہ ہمت ہنوز باقی ہے تو

اس اعتبار سے سالم کے باطن میں اس نسبت کو پیدا کرنے میں مرشد کا اثر بڑا

کام کرے گا۔“ ۸۷

شاہ ولی اللہ دہلوی تمام سلسلوں کے ذکر و مراقبہ کی تعلیم دیتے ہوئے چشتی مشائخ کے ذیل

میں فرماتے ہیں:

”چشتی مشائخ فرماتے ہیں کہ جب طالب کسی مقبرے میں داخل ہو تو دو رکعت

نماز پڑھے اور ان رکعتوں میں سورہ ”اننا فتحنا“ ختم کرے۔ پھر وہ اس طرح

بیٹھے کہ قبر اس کے منہ کے سامنے ہو اور کعبہ پشت پر اور سورہ ”الملک“ کی

تلاوت کرے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے، پھر گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ

پڑھے۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور میت کے نزدیک ہو اور گیارہ بار

”یارب یارب“ کہے۔ بعد ازاں ”یاروح“ کی ضرب آسمان کی طرف لگائے

اور ”یاروح الروح“ کی دل میں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اندر انشراح خاطر اور

نور محسوس کرے۔ اس کے بعد وہ منتظر رہے کہ صاحب قبر سے اس کے دل پر

کیا فیضان ہوتا ہے۔“ ۸۸

اس طرح شاہ ولی اللہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی خلاف ورزی کی تلقین بھی

کردی جس کے مطابق قبر پر نماز پڑھنا حرام قرار پاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ ان کے

مطابق مشائخ صوفیہ کے انتقال ہونے کے چار سو سال یا پانچ سو سال یا اس کے قریب گزر

جانے کے بعد جب طبعی قوتیں بے اثر ہو جاتی ہیں تو ان کی ارواح سے توجہ کرنے والے کی

روح پر ایک فیضان ہوتا ہے:

”یہ فقیر جب مشائخ صوفیہ کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ان کی توجہ

کے اثرات کو مختلف صورتوں میں اپنے اندر منعکس پایا۔ اس توجہ کے اثرات میں

سے ایک اثر یہ تھا کہ اس سے طبیعت کی بھی قوتیں یکسر ملکی رنگ میں اس طرح

رنگی گئیں گویا کہ بہیمیت ملکیت میں بالکل فنا ہو گئی۔ اس سلسلے میں فقیر کو بتایا گیا

کہ مشائخ صوفیہ کو انتقال فرمائے چار سو سال یا پانچ سو سال یا اس کے قریب

گزر جاتے ہیں تو ان نفوس کی طبعی قوتیں زندگی میں ان کی ارواح کو خالص مجرد

صورت میں ظاہر ہونے نہیں دیتی تھیں۔ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد طبعی قوتیں

بے اثر ہو جاتی ہیں اور اس دوران میں ان نفوس کے ”نسمہ“ یعنی روح ہوائی

کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں جب ان مشائخ کی قبور کی طرف

توجہ کی جاتی ہے تو ان مشائخ کی ارواح سے اس توجہ کرنے والی روح پر ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے۔“ ۹۹

شاہ صاحب حقیقت طہارت سے متعلق ہدایات کے ذیل میں وضو و غسل اور صدقہ وغیرہ کئی چیزوں کے علاوہ مساجد کے بجائے سلف کے آثار و مزارات میں اعتکاف کرنے کو بھی شامل کیا ہے، جن سے ان کے خیال کے مطابق طہارت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ان سے تقویت ملتی ہے۔ ۱۰۰

شیخ احمد سرہندی تاکید فرماتے ہیں:

”پس تجھ پر لازم ہے کہ قبلہ توجہ کو ہر طرف سے ہٹا کر کلیتاً اس طریقے علیہ کے بلند مرتبہ اکابر کی طرف کرے اور ان کے باطن سے ہمت اور توجہ طلب کرے۔ ... اور اگر بوقت ذکر الہی بے تکلف پیر کی صورت ظاہر ہو تو اسے بھی دل میں لے جائے اور دل میں بٹھا کر ذکر کرے۔“ ۱۰۱

شیخ احمد سرہندی کو بزرگ کے مزار سے مدد ملتی ہے، عنایت خداوندی شامل حال ہوتی ہے اور بے قراری کو قرار آ جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ مبادا ان کشفوں پر مواخذہ کریں اور ان وہمی باتوں کی نسبت پوچھیں۔ اس خوف کے غلبہ نے بڑا بے قرار کیا اور بے آرام کیا اور بارگاہ الہی میں التجا کا باعث ہوا۔ یہ حالت بہت مدت تک رہی۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہوا۔ اور اس معاملے میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا۔ اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور معاملہ کی حقیقت کما حقہ ظاہر کر دی گئی۔ حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت عالمیان ہیں، ان کی روح مبارک نے حضور فرمایا اور غم ناک دل کی تسلی کی اور معلوم ہوا کہ بے شک قرب الہی ہی فضل کل کا موجب ہے۔“ ۱۰۲

شیخ احمد سرہندی کے اس اقتباس سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں:

ایک تو یہ کہ مزار کو ذریعہ استعانت قرار دیا گیا جو درپیش مشکلات میں آخری چارہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ صاحب مزار کو مددگار بنایا گیا۔ پتہ نہیں وہ کس طرح مددگار بنے۔ آیا وہ زندہ ہو کر مددگار بنے یا ان کی روح مزار سے نکل کر شیخ احمد سرہندی کی مددگار بنی۔ یہ تو واضح نہیں ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہوتی ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جن کا عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور خلق سے ان کے معاملات ممکن ہیں۔

تیسری بات یہ کہ صاحب مزار سے ہم کلامی ثابت کی گئی۔ اس سے درپیش مسئلہ میں مشورہ کیا گیا اور ان سے رہنمائی حاصل کی گئی۔

چوتھی بات یہ کہ صاحب مزار سے حاصل کیے گئے مشورے یا رہنمائی کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی، جو اس مشورے یا رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو پارہی تھی۔ حالاں کہ ایک لمبی مدت تک اس عنایت خداوندی کے لیے بے قراری اور بے آرامی رہی اور بے قراری اور بے آرامی کے نتیجے میں بارگاہ الہی میں بڑی التجا اور زاری بھی کی جاتی رہی۔ لیکن اس کے باوجود بھی کامیابی نہیں مل پارہی تھی۔

پانچویں بات یہ کہ اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ صاحب مزار کی مدد لیے بغیر خدا تعالیٰ بھی اپنے بندوں کی نہیں سنتا۔ وغیرہ۔

مذکورہ تمام باتیں شرک و کفر جلی و بواح ہیں جو شکر لپیٹ کر لوگوں کے حلق میں انڈیلنے کی خطرناک سازشیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس طرح کی مشرکانہ باتیں پیش کیے بغیر تصوف کی باتیں بنتی ہی نہیں ہیں۔

ان ہی ترغیبات اور تحریصات کے نتیجے میں مزارات کو علو مرتبت حاصل ہے۔ یہ مزارات عام خلایق کے نزدیک صرف دنیا ہی کے لیے فیوض و برکات، رشد و ہدایت اور سکینہ قلب کے ذرائع نہیں ہیں بلکہ آخرت کی کامیابی، حصول مغفرت اور جنت کی ضمانت بھی ہیں۔ ایسی صورت میں مزارات کی زیارت کی تاکید کرنا، ان پر عرسوں کا قیام، ان پر نمازیں اور فاتحہ خوانی، ان کی ارواح کے نام صدقہ دینا، ان کے چھوڑے ہوئے آثار و تبرکات کی تعظیم و تکریم بجالانا، ان کے سامنے سجدہ ریز ہونا، ان کی صفات اور کرامات کے گن گانا، ان سے امیدیں وابستہ رکھنا اور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرنا عام خلایق کے لیے فطری بات ہے۔ چنانچہ قبر پرستی کی وبا طوفان کی سی تیزی کے ساتھ عام ہو گئی۔ اس لیے

کہ قبروں سے مرادوں کے بر آنے اور مشکلات کے حل ہو جانے کی پوری پوری ضمانت ملی ہوئی ہے، وہ بھی نقد کہ اس ہاتھ مراد طلب کی اور اس ہاتھ مراد پوری بھی ہوگئی۔ صرف ایک مثال ’فوائد الفوائد‘ سے پیش ہے:

”شاہی موئے تاب (م ۶۵۸ھ / ۱۲۵۹ء) اکثر فرماتے تھے کہ میری وفات کے بعد جس شخص کو کوئی مشکل پیش آئے اس کو لازم ہے کہ مسلسل تین روز میری (قبر کی) زیارت کو آئے۔ ان شاء اللہ اس کی مراد پوری ہوگی۔ اگر نہ ہو تو چوتھے دن پھر آئے۔ ضرور حاجت پوری ہوگی۔ اگر (چوتھے روز بھی) بالفرض پوری نہ ہو تو پانچویں دن آکر میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔“ ۹۳

صوفیہ سے شرک اور لالینی باتوں سے پر عجیب و غریب واقعات و حکایات بھی منقول ہیں جو بظاہر تو چند و خانے کی گپیں معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت یہ نہ تو چند و خانے کی گپیں ہیں اور نہ ہی بے مقصد باتیں، بلکہ ان کی تہوں میں عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے، ان کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے اور انھیں عبث اور لالینی افکار و اعمال میں مبتلا کرنے کی ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی ہے۔ علی بن عثمان ہجویری، جنید بغدادی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حضرت جنید نے اس (مرید کو جس نے جنید بغدادی کا امتحان لینا چاہا تھا) کو کہا کہ تو نہیں جانتا کہ اولیاء اللہ بھیدوں کو جاننے والے ہوتے ہیں۔ تو ان اولیاء اللہ کے لگائے ہوئے زخم کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس وقت آپ نے اس کو پھونک ماری اور وہ اپنی مراد کی انتہا کو پہنچ گیا۔ یعنی دوبارہ اولیاء کے گروہ میں شامل ہو گیا اور اولیاء اللہ کا امتحان لینا چھوڑ دیا۔“ ۹۴

ہجویری ابوالحسن نوری کا قول پیش کرتے ہیں:

”فان اللہ عباداً یا کلون باللہ و یشربون باللہ و یجلسون باللہ و یقولون باللہ . (بے شک کچھ بندے (صوفیہ) ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بولتے ہیں۔“ ۹۵

نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کھاتا، پیتا، بیٹھتا اور بولتا بھی ہے اور وہ بھی اپنے بندے کے ساتھ! شیخ احمد سرہندی مولانا صادق کشمیری کو اس کے استفسارات کے جواب میں لکھتے ہیں:

”آپ نے دریافت کیا تھا کہ رشحات میں بابا آب ریز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا: جب حق سبحانہ و تعالیٰ روز ازل آدم کی مٹی گوندھ رہا تھا تو میں اس میں پانی ڈال رہا تھا۔ اس مقولہ کی کیا توجیہ و تاویل ہے۔ جان لیں کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کی خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حصہ لینے کی اجازت دی گئی اس بزرگ کی روح کو بھی خدمت گاری کی اجازت دی اور پانی ڈالنے کی خدمت اس کے سپرد کی گئی۔ پھر اس کی جسمانی پیدائش کے بعد بلکہ ان کے کامل ہونے کے بعد انھیں اس معنی سے اطلاع دی گئی۔

جائز ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ارواح مجردہ کو ایسی قدرت عطا کرے کہ ان سے افعال اجسام صادر ہوں، اسی قبیل سے ہے وہ جو بعض اکابر نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے جو ان سے ان کے وجود غضری میں آنے سے زمانہ ہائے دراز پہلے صادر ہوئے۔ ان افعال کا صدور ان کی ارواح مجردہ سے ہوا تھا اور انھیں اس معنی پر اطلاع وجود غضری میں آنے کے بعد حاصل ہوئی۔

ایک گروہ کو اس طرح کے افعال کا صدور تنازع کے وہم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حاشا وکلا کہ کسی اور جسم نے ان کی روح سے تعلق قائم کیا ہو۔ مجرد روح ہی ہے جو قدرت خداوندی جل شانہ سے بدن کا کام کرتی ہے اور کج رو لوگوں کو ضلالت و گمراہی میں ڈال دیتی ہے۔“ ۹۶

غضب کا اقرار و انکار کا ملغوبہ ہے۔ تنازع کی تائید بھی کرتے ہیں اور پھر تنازع سے انکار بھی ہے۔ فلسفیانہ افکار و انداز صوفیہ کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ لہذا مذکورہ اقتباس پر تبصرہ کرنا بھی فعل عبث ہی ہے۔

یہ ہیں توحید کے خلاف صوفیہ کی مشرکانہ جسارتیں۔ قرآن نے شرک کی خرابیاں واضح کرنے کے ساتھ ساتھ مشرکین کے لیے طرح طرح کی وعیدیں بھی سنائیں ہیں۔ مثلاً شرک

کا ارتکاب کرنے کے بعد جو توبہ نہیں کرے گا، اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔ ارشادِ بانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (النِّسَاء: ۴۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا۔)

چنانچہ مشرک کے لیے جنت حرام ہے اور ہیشتگی کے لیے جہنم مقدر کر دیا گیا ہے جہاں وہ بے یار و مددگار ہوگا:

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا فِيهَا النَّارُ ط وَمَا

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ (الْمَائِدَة: ۷۲)

(یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت

حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہوگا)

اور مشرکین وہ نجس اور ناپاک ہیں جن کے لیے مغفرت کی دعا بھی جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کر دی ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ

قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ (التَّوْبَة: ۱۱۳)

(نبی ﷺ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے

لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں،

جب کہ یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں)

باب ۴

عقیدہ رسالت

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے ہمیشہ رسولوں کو ذریعہ بنایا۔ اس لیے انھیں علم و حکمت کے ساتھ مبعوث فرمایا کیا۔ لہذا، وہ انسانوں کے لیے تزکیہ و تربیت اور علم و حکمت کا واحد ذریعہ ہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (ال عمران: ۱۶۳)
(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے)
ان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صراط مستقیم کا کامل نمونہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)
(درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے)
اس لیے ان پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے:
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ط (النساء: ۶۴)
(ہم نے جو رسول بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ حکم خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے)

لہذا، ان حیثیتوں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور بلا پس و پیش ان کی اطاعت کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ج (النساء: ۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)
ان سے انحراف اور اختلاف زندگی نہیں موت ہے اور عظیم خسران کا موجب، جس کا نتیجہ حسرت و یاس، ناکامی، نامرادی اور جہنم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ
(مُحَمَّد: ۳۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو)
چنانچہ صاف صاف ہدایت فرمادی گئی ہے کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ج وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ج وَ اتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
(الحشر: ۷)

(جو کچھ رسول ﷺ تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کی سختی سے پابندی لازم قرار دے دی گئی کہ اسی میں خیر ہے۔ ورنہ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچنا امر محال ہے۔ ایسی سخت سزا کہ اس سے نہ تو مفر کی صورت ہے اور نہ ہی تخفیف کی امید:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ ج فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ
(ال عمران: ۳۲)

(ان سے کہو کہ ”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو“ پھر اگر وہ یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کافروں سے محبت کرے)

صوفیہ نے محض تصور توحید کو الٹ کر رکھ دینے، توحید کو شرک اور شرک کو توحید ثابت کرنے اور کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی الہ سوائے اللہ کے، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں) کو منہدم کر دینے اور اس کے برخلاف کلمہ شرک لا موجود الا اللہ (کوئی موجود نہیں سوائے اللہ کے) کو استوار کرنے ہی کی کوششیں نہیں کیں بلکہ اس کے ساتھ ہی کلمہ شہادت کے دوسرے

جز وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں) کو بھی غیر متوازن کر کے اسے منہدم کر دینے کی ہر ممکن کوششیں کر ڈالی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے رسول ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو مسخ کرنے، ان کے اقوال و ارشادات کی تفہیم و تشریح میں من مانی کرنے، انھیں اپنے مقاصد کے تحت ڈھالنے اور اپنی جانب سے احادیث وضع کر کے پیش کرنے کی بھی اپنی سی کوششیں کر ڈالیں۔ یہ صوفیہ کبھی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ انھیں الوہیت کے درجے پر فائز کر دیتے ہیں اور کبھی تو ایک ایسے عام شخص کی حیثیت میں لاکھڑا کر دیتے ہیں کہ رسول ﷺ کی رسالت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ حتیٰ کہ یہ صوفیہ رسول ﷺ کی رسالت سے مستغنی ہونے کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا ہم سر قرار دے دیتے ہیں۔ بالائے ستم یہ کہ رسالت کو ہنسی کھیل اور تفریح طبع کا ایک ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ حضرات صوفیہ کی ان کارستانیوں کی چند مثالیں پیش ہیں:

حقیقت محمدی یا مظہر خداوندی

صوفیہ نے اول تو یہ مغالطہ پیش کیا کہ حقیقت محمدی اور وجود محمدی دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں میں فرق بعد المشرقین ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

”الغرض ذات حق نے سب سے پہلے ”حقیقت محمدی“ کا ابداع فرمایا اور پھر اس ”حقیقت محمدی“ سے اور حقائق نکلے اور اس طرح یہ حقیقت محمدی ذات حق (اللہ تعالیٰ) اور دوسرے جو حقائق بعد میں پیدا ہوئے، ان کے درمیان بطور ایک واسطہ کے بن گئی۔“

اس حقیقت محمدی کی کیا حقیقت ہے۔ شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے سے ہزار اور چند سال کے بعد ایک ایسا زمانہ آرہا ہے کہ حقیقت محمدی ﷺ اپنے مقام سے عروج فرماتی ہے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائے گی اور اس وقت حقیقت محمدی کا نام

حقیقت احمدی ہو جائے گا اور ذات احد جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی اور دونوں اسم مبارک اپنے مسٹی کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے۔“

اس طرح بقول شیخ احمد سرہندی حقیقت محمدی، ذات احد (یعنی خدا تعالیٰ) کا مظہر ہونے والی ہے۔ حقیقت محمدی کا یہ وہ مسلمہ عقیدہ ہے جسے صوفیہ نے وضع کیا ہے اور اس عقیدے پر تمام صوفیہ جمے ہوئے ہیں۔ لہذا تمام اکابرین صوفیہ نے اپنے اس عقیدے کو بیان کیا ہے۔ اس کی وضاحتیں اور دلیلیں پیش کی ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا قول پیش کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی اس عقیدے پر مہر تصدیق ہی ثبت نہیں کرتے بلکہ قرآن میں معنوی تحریف کا ارتکاب کرنے سے بھی نہیں چوکتے ہیں۔ پیش ہے ایک اقتباس:

”۱۸۶) (حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے) فرمایا کہ چون کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہیں۔ عباد اللہ کو عباد رسول ﷺ کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ اَسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ (الزمر: ۵۳) (اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے) مرجع ضمیر متکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ قرینہ بھی انھیں معنی کا ہے۔ آگے اللہ فرماتا ہے: لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: ۵۳) (تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو)۔ اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا تو فرماتا: من رحمۃ منی تا کہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔“

اس طرح انھوں نے براہ راست بندہ خدا کو بندہ رسول ثابت کر دکھایا اور اپنے اس دعوے کی دلیل بھی قرآن سے فراہم کر دی۔ صوفیہ یہاں تک کہتے ہیں کہ حقیقت محمدی تنزلات ستہ کی پہلی منزل ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے خود کو ظاہر کرنا چاہا تو اس کی پہلی شکل حقیقت محمدی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ پھر یہی حقیقت محمدی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔

اس طرح ایک طرف صوفیہ نے رسول ﷺ کو حقیقت محمدی کے حوالے سے خدا تعالیٰ سے ملا دیا اور خدا قرار دے دیا اور یہ خیال عام کیا کہ کائنات کا تمام کاروبار اسی روح محمدی کے حوالے سے جاری ہے۔ دوسری طرف وہ منصب نبوت کو عام صوفیہ کی سطح پر اتار لائے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ ایک ولی میں جو جامعیت ہوتی ہے، وہ اسی حقیقت محمدیہ کی وراثت ہے اور اس ولی میں جو استعدادیں ہوتی ہیں، وہ اسے روح محمدی سے ورثہ میں ملتی ہیں۔ الغرض عطایات کا مرتبہ تو ایک ہے لیکن ان عطایات کے وجود میں آنے کے اسرار متعدد ہیں۔“ ۵

صرف یہی نہیں کہ صوفیہ نبی ﷺ کو عام سطح پر اتار لائے بلکہ غیر نبی کو نبی ﷺ پر فضیلت بھی بخش دی۔ شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

”میرے بھائی نے استفسار کیا تھا کہ گیارہویں عرض داشت میں جو حضرت خواجہ (باقی باللہ م ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) کی طرف لکھی گئی تھی، واقع ہوا ہے کہ ایک رنگین مقام میں اس فقیر کا گزر ہوا، جو صدیق اکبرؒ کے مقام سے بلند تر ہے، اس کلام کے کیا معنی ہیں؟ ... جزئیات میں سے ایک جزو میں غیر نبی کو اگر نبی پر فضیلت لازم آئے تو کچھ ہرج نہیں۔ بلکہ ایسی فضیلت کا وقوع بھی ہو چکا ہے۔ ... لہذا ایسی صورت میں غیر نبی کو اس جزئی کے کمالات میں سیر واقع ہوا ہو اور اپنے آپ کو اس مقام بلند پر پائے تو اس کی گنجائش ہے۔ ... جب غیر نبی کو نبی پر فضیلت جزئی جائز ہے تو غیر نبی پر بطریق اولیٰ فضیلت جزئی ثابت ہو سکتی ہے۔“ ۶

چنانچہ نبی پر غیر نبی کی اسی فضیلت کی بنا پر صوفیہ نے اپنے حق میں بہت ہی بڑے بڑے دعوے پیش کیے ہیں:

”آپ (شیخ احمد سرہندی) فرماتے تھے کہ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ جس جنازے پر تم نماز پڑھو گے اس میت کو میں بخش دوں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور انور ﷺ کی طرف سے مجھے بشارت حاصل ہے کہ کل روز قیامت میں کتنے ہزار مسلمانوں کو تمہاری شفاعت سے بخش دیا جائے گا۔“ ۷

شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق کہا جاتا ہے:

”روایت ہے کہ مشائخ کی ایک جماعت نے یہ فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر (جیلانی) نے قیامت تک اپنے مریدوں کے سلسلے میں اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ ہر ایک کو موت تو بہ پر آئے گی۔“ ۸

شیخ بدرالدین سرہندی، شیخ احمد سرہندی کی کرامات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”ایک دن حضرت تنہائی میں بیٹھے ہوئے تھے اور نو مسلم عبدالمؤمن خدمت میں تھا۔ آپ نے فرمایا: ”ماگ کیا مانگتا ہے، وہی ملے گا۔“ اس نے کہا: حضور میرا بھائی اور میری والدہ اپنے کفر میں بڑی شدت اور تعصب رکھتے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ آپ توجہ فرمائیں کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ ... آپ نے فرمایا: ”بہت اچھا وہ بہت جلد مسلمان ہو جائیں گے۔“ آپ کے فرمانے کے تیسرے دن بھائی اور والدہ دونوں سامانہ سے سرہند آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔“ ۹

یہ صفات تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک میں نہیں تھیں کجا کہ اور نبیوں میں ہوتیں۔ ورنہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفات بابرکات ہوتیں تو وہ بھی کئی ہزار مسلمانوں کی بخشش کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ تمام مشرکین مکہ کو اگر نہیں جو تمام مومنوں کو اور خود انھیں اذیتیں دے رہے تھے تو کم از کم اپنے عزیز اور محسن چچا ابو طالب کو تو ضرور ہی مسلمان بنا دیتے، جن سے آخری وقت تک التجا کرتے رہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان بھی کلمہ شہادت پڑھ دیں تاکہ وہ وہاں ان کے حق میں گواہی دے سکیں۔ لیکن وہ ایمان نہیں لائے اور کفر کی حالت ہی میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

علی بن عثمان ہجویری، ابراہیم بن ادہم (م ۱۶۱ھ / ۷۷۸ء) کا قول نقل کرتے ہیں:

”ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور اس سے پانی مانگا۔ اس نے کہا: میرے پاس دودھ اور پانی دونوں موجود ہیں۔ آپ کو کون سی چیز چاہیے۔ میں نے کہا: مجھے پانی کی ضرورت ہے۔ وہ اٹھا اور اپنے عصا کو پتھر پر مارا اور اس پتھر سے بہت ہی عمدہ اور پاکیزہ پانی ظاہر ہوا۔ میں اس کی بات پر بڑا متعجب ہوا۔ اس نے کہا: تعجب نہ کرو کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار ہو جاتا ہے تو تمام جہاں اس کا مطیع و فرماں بردار ہو جاتا ہے۔“ ۱۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے پتھر پر عصا مارنے کا حکم دیا تھا، جس کے نتیجے میں پانی کے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ اس بات کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ تھا بلکہ یہ تو حکم

خداوندی کے نتیجے میں پتھر سے چشمے پھوٹ نکلے تھے۔ وہ بھی پانی کے چشمے ہی۔ یہاں صوفیہ تو اتنے باختیار ہیں کہ وہ جب چاہیں پتھر پر عصارہ مار کر صرف پانی ہی نہیں بلکہ دودھ بھی بہا ڈالیں۔ انبیاء بے چارے اتنے باختیار کہاں!

انبیاء کی تحقیر و تذلیل اور ان پر طعن و تضحیک

صرف یہی نہیں کہ صوفیہ نے نبیوں پر اپنی فضیلت ثابت کی اور بہت بڑے بڑے دعوے پیش کیے بلکہ انبیاء کی تحقیر اور تذلیل کا ”فریضہ“ بھی انجام دیا۔ صوفیہ کی قائم کردہ اس ”سنت“ کی ادائیگی بھی بکثرت صوفیہ کے یہاں ملتی ہے۔ شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں:

”شیخ ابو العباس قصاب نے فرمایا کہ محشر میں تمام پرچموں سے زیادہ بلند میرا پرچم ہوگا اور جب تک حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک میرے پرچم تلے نہیں آجائیں گے، میں باز نہیں آؤں گا۔“ ۱۱

ان ہی سے یہ بھی منقول ہے:

”حضرت بابزید (بسطامی) سے پوچھا گیا کہ کیا تمام مخلوق قیامت میں حضور اکرم ﷺ کے علم کے نیچے ہوگی۔ فرمایا کہ قسمیہ کہتا ہوں کہ میرے علم کے نیچے مخلوق کے علاوہ انبیاء کرام بھی ہوں گے۔“ ۱۲

ان ہی سے یہ بھی منقول ہے:

”سری سقطی نے فرمایا کہ محشر میں امتوں کو انبیاء کرام کی جانب سے ندا دی جائے گی۔ لیکن اولیاء کرام کو خدا کی جانب سے پکارا جائے گا۔“ ۱۳

محمی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

”ولایت و رسالت میں کون سی چیز دائمی اور ابدی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ گزرا: ولی، اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے۔ نبی یا رسول اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے۔ لہذا ولایت ابدی اور ہمیشہ باقی رہتی ہے اور رسالت منقطع اور ختم ہو جاتی ہے۔“ ۱۴

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ کو تو صوفیہ کے تلامذہ میں شامل

کر دیا ہے وہ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

”مشہور ہے کہ آپ (عبدالقادر جیلانی) کی مجلس وعظ میں تمام اولیاء و انبیاء جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو زندہ نہیں تھے وہ اپنی روحوں کے ساتھ موجود ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ کی تربیت و تائید کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تجلی فرماتے تھے۔“ ۱۵

آگے چل کر خود عبدالقادر جیلانی کا قول نقل کرتے ہیں:

”میری مجلس میں مقرب فرشتے، مخصوص اولیاء اور رجال الغیب اس لیے آتے ہیں کہ مجھ سے بارگاہ اقدس کے آداب تواضع سیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی اور ولی پیدا فرمائے ہیں، وہ سب اگر زندہ ہیں تو اپنے جسموں کے ساتھ اور اگر زندہ نہیں ہیں تو اپنی روحوں کے ساتھ ضرور میری مجلس میں آتے ہیں۔“ ۱۶

رسول ﷺ سے استغناء اور بے نیازی کا سبب

صوفیہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو پرکاہ کے برابر بھی حیثیت اور اہمیت اس لیے نہیں دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک نبوت اور ولایت (صوفیہ) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مثلاً شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

”مقام نبوت کے کمالات کے حصول کا سبب بھی وہی نور ہوتا ہے (جو ولایت

کے کمالات کے حصول کا سبب ہے)۔“ ۱۷

”یہ ملحدین (صوفیہ) یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم درجہ ولایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک ہیں جو کہ مقام رسالت سے بڑھ کر ہے۔“ ۱۸ ”صوفیہ نے احادیث پر یہ کہہ کر بھی طعن کیا ہے کہ یہ مرے ہوؤں سے لیا گیا علم ہے۔ اس کے عوض وہ حدثنی قلبی عن دبی (میرے دل نے میرے رب سے روایت کی) کہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول ﷺ سے مستغنی قرار دیتے ہیں۔“ ۱۹ اہل سلوک کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا دل براہ راست بغیر کسی واسطے کے وہیں سے علم حقائق اخذ کرتا ہے، جہاں سے رسول ﷺ اخذ

کرتے ہیں۔ یہ ایسا دعویٰ ہے جو نہ صرف اسلام کے خلاف ہے بلکہ اسلام پر براہ راست تیشہ چلانے کے مترادف ہے۔ شیخ سری سقطی لکھتے ہیں:

”تدعی الامم یوم القيامة بانبياءها عليهم السلام فيقال يا امة موسى ويا امة عيسى ويا امة محمد غير المحبين لله تعالى فانهم ينادون يا اولياء الله“ ۲۰

(روز قیامت امتوں کو ان کے انبیاء کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ پس کہا جائے گا کہ اے موسیٰ کے امتیو! اے عیسیٰ کے امتیو! اور اے محمد کے امتیو! لیکن ان (صوفیہ) لوگوں کو نہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ انھیں، اے خدا کے دوستو! کہہ کر پکارا جائے گا)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صوفیہ جب ”حدثنی قلبی عن ربی“ (میرے دل نے میرے رب سے روایت کی) کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہیں۔ اس کا اظہار ایک صاحب طریقت نے اس طرح کیا ہے:

”قرآن حجاب ہے، رسول حجاب ہے، عبد اور رب کے سوا کچھ نہیں ہے۔“ ۲۱

بلکہ ان کے مطابق پیغمبر تو اس فرشتہ کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی طرف وحی لے کر آتا ہے جب کہ صوفیہ کی رسائی براہ راست اللہ تک ہے۔ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے مربوط ہوتے ہیں۔ لہذا خود ان کا دل ہی براہ راست اللہ تعالیٰ سے کلام اخذ کر لیتا ہے۔ اسی لیے وہ فرماتے ہیں — حدثنی قلبی عن ربی — اس قول کی ابتداء محی الدین ابن عربی سے منسوب کی جاتی ہے اور اس کا تسلسل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک بالفاظ ”الھمنی ربی“ (میرے رب نے مجھ پر الہام کیا) قائم ہے۔

نبوت بھی کسی عمل اور کسی عمل کا نتیجہ

شاہ ولی اللہ نے تو نبوت، فردیت، فنا و بقا کو یکساں حیثیت دے دی۔ اور فردیت، فنا و بقا

وغیرہ تمام چیزوں کی طرح نبوت کو بھی کسی عمل قرار دے دیا۔ وہ فرماتے ہیں:

”جس شخص کی ملکی قوت شدید ہو، وہ بڑے بڑے کمالات مثلاً نبوت، فردیت، فنا و بقا اور اس طرح کے دوسرے بلند مرتبہ احوال و مقامات کا اہل ہوتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ”لسان قدم“ یعنی زبان الہی کا ترجمان ہوتا ہے اور مادی عالم سے ماوراء جو عالم تجرد ہے۔ اس کے حالات کی وہ خبر دیتا ہے۔“ ۲۲

صوفیہ نے عقیدہ رسالت کو اس حد تک پامال کیا ہے کہ وہ دھڑلے سے اپنے آپ کو بھی رسول اللہ کہلوا دیتے ہیں:

”ایک دفعہ جنید بغدادی کے پاس ایک طالب علم آیا۔ حضرت شیخ موصوف نے اس سے کہا کہ تم یہ کلمہ پڑھو ”لا الہ الا اللہ جنید رسول اللہ“ طالب نے یہی الفاظ کہے۔“ ۲۳

”نظام الدین اولیاء نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص (ابوبکر) شبلی کی خدمت میں آیا اور کہا: میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ میں اس شرط کے ساتھ مرید کروں گا کہ اگر تم سچی ارادت کے ساتھ آئے ہو تو جو میں حکم دوں گا وہ تمہیں کرنا پڑے گا۔ اس شخص نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔ شبلی نے اس سے کہا کہ تم کلمہ شہادت کیسے پڑھتے ہو۔ اس شخص نے کہا: میں اس طرح پڑھتا ہوں — لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ — شبلی نے کہا: یوں پڑھو — لا الہ الا اللہ اور حضور ﷺ کی جگہ اپنا نام لیا۔ اس نے فوراً اسی طرح پڑھا۔“ ۲۴

اپنے آپ کو نبی کہلوانے کا سلسلہ جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/ ۹۱۰ء) اور ابوبکر شبلی (م ۳۳۴ھ/ ۹۴۶ء) سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی تک جاری ہے۔ اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے انھیں اپنے ایک خواب کے متعلق لکھا کہ:

”میں نے رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ ہر چند کلمہ شہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کے بعد اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے۔“ ۲۵

مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کے جواب میں سرزنش اور تنبیہ نہیں کی بلکہ الٹا اسے مستحسن

قرار دیا اور فرمایا:

”تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب کچھ اسی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔“ ۲۶

یہ تو خیر خواب کی بات تھی، بیداری کے عالم میں مرید نے کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں درود شریف پڑھنے کی کوشش کی تو زبان سے ”اللہم صلی علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف“ کے الفاظ نکلے تو مولانا نے اسے مرید کے لیے تسلی کی بات بتائی کہ وہ ان جیسے متبع سنت کی طرف راجع ہے۔ ۲۷

غرض کہ عقیدہ رسالت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے متعلق جس قدر بھی ان کے بس میں تھیں، خرابیاں پیدا کرنے اور انھیں منہدم کرنے کی ہر ممکن کوششیں کر ڈالیں۔

قرآن و سنت

دین اسلام کی بنیاد اور اس کی حدود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والی کتاب ”قرآن کریم“ اور اس کی ہدایت کے مطابق مرتب شدہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ ان دو کے علاوہ نہ تو کوئی بھی تیسری چیز جزوی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول ہے اور نہ ہی ان دو میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کے حذف و اضافے اور ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ہے۔ اس لیے کہ یہ اس اللہ تعالیٰ کا بخشا ہوا علم ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ جَ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

(الْإِمْرَان: ۸۵)

(اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا)

اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا:

وَلَنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لَا مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

(الْبَقَرَة: ۱۲۰)

(اگر تم نے اس العلم کے بعد جو تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے، ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہ ہوگا)

وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لَا إِنَّكَ إِذَا لَمَنْ الظَّالِمِينَ ۝

(الْبَقَرَة: ۱۲۵)

(اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔)

صوفیہ کا مقصد چوں کہ دین اللہ میں شکاف ڈالنا، اسے منہدم کرنا اور اس کی جگہ شیطانی مذہب کی تنصیب و ترویج کرنا تھا، لہذا، انھوں نے قرآن و سنت کو مختلف طریقوں سے نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں۔ قرآن و سنت کی اہمیت کو زیر کرنے، انھیں بے وقعت قرار دینے اور ان کی تذلیل و تحقیر کرنے میں اپنا انتہائی زور صرف کیا۔ حتیٰ کہ اصطلاح ”علم“ کو نہایت ہی حقیر باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس علم کے مقابلے میں وہ ایک خاص اصطلاح ”معرفت“ استعمال کرتے ہیں۔ وہ اس عقیدے کے حامل ہیں کہ ان کی ”معرفت“ قرآن و سنت سے فائق ہے اور پوست کے مقابلے میں مغز ہے۔ ان کے یہاں ”معرفت“ کے حصول کے ذرائع نقل و روایت، عقل و استدلال اور فکر و استنباط نہیں ہیں، بلکہ یہ مراقبہ و مشاہدہ، کشف و مجاہدہ اور عزلت و گوشہ نشینی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے قرآن و سنت کی اصطلاحات اور کلمات میں ظاہری اور باطنی دو قسم کی معنویت کا شوشہ چھوڑ کر معنوی تحریفات اور تاویلات کا دروازہ بھی کھول رکھا ہے۔ ظاہری معنویت کو جسم اور باطنی معنویت کو روح سے تشبیہ دیتے ہیں، جسم بھی وہ جس کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہوتی۔ چنانچہ قرآن و سنت کی ظاہری معنویت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور باطنی معنویت ہی کو اصل قرار دیتے ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی کا مشہور شعر ہے، جسے انھوں نے اپنی مثنوی میں پیش کیا ہے:

من از قرآن مغز را برداشتم استخوان پیش سگان انداختم

(میں نے قرآن سے مغز (اصل مطلب) اخذ کر لیے ہیں اور ہڈیاں جو بچ گئیں

وہ میں نے کتوں (اہل ظاہر) کے آگے پھینک دی ہیں)

پھر ان حضرات نے قرآن و احادیث سے باطنی معنویت اخذ کرنے کی گنجائش پیدا کرنے کے لیے ایک حدیث بھی وضع کر ڈالی:

ان القرآن له ظهراً و بطناً و لبطنه بطنٌ الى سبعة ابطن و فى رواية الى سبعين بطناً . ۲۸

(بے شک قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ پھر اس کے باطن کا ایک اور باطن ہے سات بطنوں تک اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بطن ستر بطنوں تک ہے)

ابونصر سراج نے تو قرآن و حدیث کے ساتھ ہی ساتھ اسلام کو بھی ظاہری اور باطنی دورخ میں بانٹ دیا ہے:

”خلاصہ کلام یہ کہ علم قرآن و حدیث اور اسلام ہر ایک کے دورخ ہیں۔ یعنی ظاہری اور باطنی۔“ ۲۹

قرآن کے ساتھ صوفیہ کا سلوک

اول تو یہ کہ صوفیہ نے قرآن اور رسول ﷺ کو عبد اور رب کے درمیان حجاب قرار دیا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق قرآن و سنت ان کے مقصد کے حصول میں رکاوٹ ہیں اور ان کے لیے براہ راست وصل خداوندی کے حصول میں حارج۔ مثلاً علامہ ابن جوزی کے مطابق:

”ابن ناصر (م ۸۴۲ھ / ۱۴۳۸ء) نے ابوعلی بن البناء سے روایت کیا کہ بازار اسلحہ میں ہمارے پاس ایک شخص تھا جو کہتا تھا کہ قرآن حجاب ہے اور رسول حجاب ہے۔ بجز عبد اور رب کے کچھ نہیں۔“ ۳۰

اس لیے کہ یہ صوفیہ اپنے آپ کو ایسے راسخون فی العلم (علم میں راسخ) میں شمار کرتے ہیں جن کے اندر سرّی، باطنی اور غیب الغیب کا سمندر سمویا ہوا ہوتا ہے اور ایسے منبع تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے، جس سے انھیں بحث و تحقیق اور غور و فکر کے ذریعہ مطالب و معانی

کے حصول سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ پیش ہے ابونصر سراج کا علمی رسوخ:

”ابوبکر واسطی نے فرمایا: وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (الْ عَمْرَان: ۷) (جو علم میں راسخ ہیں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیب الغیب کی اتھاہ گہرائیوں میں اپنی روحوں کے ساتھ اتر گئے اور سرّ السرّ کو جان لیا۔ گویا ان کے رب کریم نے جو چاہا انھیں بتا دیا۔ اور آیت کریمہ کا جو مفہوم و معنی انھیں عطا کیا وہ دوسروں کو نہیں دیا۔ اس طرح یہ بندگان خاص مزید کچھ حاصل کرنے کی غرض سے فہم کی روشنی لے کر بحر علم میں غوطہ زن ہو گئے، جس کے نتیجے میں ان پر بے بہا خزانہ معرفت کے منہ کھول دیے گئے اور کلام اللہ کے ہر حرف و آیت میں پنہاں، متلاطم بحر معانی نے ان کا رخ کیا اور اس مقام پر پہنچ کر نص قرآنی سے بیش قیمت مطالب اخذ کیے اور نادرہ روزگار حکمتوں کا پتہ دینے لگے۔ بعض تو ان بندگان خدا میں سے ایسے بھی ہیں جن کے علمی مبلغ کے سامنے سمندروں کی حیثیت ایک قطرہ کے برابر ہے۔ بلاشبہ علم کی یہی وہ نادر قسم ہے جس سے خدائے علیم و خبیر نے انبیاء علیہم السلام، مقرب اولیاء کرام اور اصفیاء کو نوازا۔ اور یہی وہ مقرب بندے ہیں جنھوں نے اپنے باطن کی صفائی، ذکر خالص اور حضور قلب کے ساتھ بحر ادراک کی پنہائیاں سرکیں تو ایک جوہر نایاب کو پالیا اور انھیں یہ بھی علم ہو گیا کہ خود مصادر کلام کا سرچشمہ کہاں ہے۔ عرفان و آگہی کے اسی پر معنی سفر میں وہ ایک ایسے منبع تک پہنچ گئے جس نے انھیں بحث و تحقیق اور غور و فکر کے ذریعے مطالب و معانی کے حصول سے آزاد کر دیا۔“ ۳۱

دوسری طرف یہ صوفیہ بحث و تحقیق اور غور و فکر کے ذریعہ مطالب و معانی کے حصول ہی سے آزاد نہیں ہو گئے بلکہ مطالب و معانی کے بیان کرنے میں بھی وہ ایسے آزاد ہو گئے کہ قرآن کے الفاظ و کلام کو ان کے اپنے صحیح معانی و مطالب سے جیسے چاہیں پھیر دیں، جو معنی چاہیں پنہاں دیں اور جو مطلب چاہیں بیان کر دیں، خواہ وہ لغت و استعمال کے خلاف ہوں یا زبان و بیان کے اصولوں سے متصادم اور ربط و تناظر سے لاتعلق۔ انھیں تو بس اپنے عقائد و نظریات کی تائید اور مقاصد کی تکمیل سے غرض ہے۔ چنانچہ اپنے ان ہی مذموم مقاصد کے

حصول کے لیے قرآن کے الفاظ و اصطلاحات اور کلام و بیان میں معنوی تحریفات اور تصرفات کرنا بھی تمام اکابرین صوفیہ نے اپنے اوپر فرض قرار دے لیا۔ مثلاً صوفیہ کے درمیان مشہور اور مستند سمجھی جانے والی ابو بکر محمد بن ابراہیم کلابازی (م ۳۸۰ھ/ ۹۹۰ء) کی کتاب ”التعرف لمذہب اہل تصوف“ سے چند مثالیں پیش ہیں:

صبر: ”اس (صوفی) نے صبر میں صبر کے ساتھ مقابلہ کیا، یہاں تک کہ صبر

پکار اٹھا: فریاد! اور صابر نے پکار کر کہا: اے صبر! صبر کرو۔“ ۳۲

شکر: ”انعام کنندگان کو نگاہ میں رکھتے ہوئے شکر کو بھی بھول جانا شکر ہے۔“ ۳۳

تقویٰ: ”سہل (بن عبد اللہ) تستری فرماتے ہیں: اللہ کی طرف مائل ہونے کی

مقدار کے مطابق احوال کا مشاہدہ کرنا تقویٰ ہے۔“ ۳۴

”ان سے دوسرا قول منقول ہے: تقویٰ سے مراد اوروں سے بیزاری

ہے اور یہی اخلاص ہے۔“ ۳۵

توکل: ”سری سقطی فرماتے ہیں: توکل یہ ہے کہ تو اپنی معصیت سے رکنے کی

قدرت اور نیک کام کرنے کی طاقت سے علاحدگی اختیار کرے۔“ ۳۶

”بقول کسی بڑے صوفی: توکل کی حقیقت ترک توکل ہے اور یہ اس طرح

ہے کہ اللہ ان کے لیے ایسا ہو جیسا اس وقت تھا، جب وہ موجود نہ تھے۔“

یقین: ”ابوالحسین نوری فرماتے ہیں: یقین مشاہدے کا نام ہے اور سہل بن

عبد اللہ تستری فرماتے ہیں: یقین پردے کے کھل جانے کا نام ہے۔“ ۳۷

ابونصر سراج، ابوالحسین نوری کے حوالے سے قرآن کی آیت — وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّٰرِیّٰت: ۵۶) کے لفظ لیعبدون کے معنی لیعرفون بتاتے ہیں اور

کہتے ہیں کہ عبادت کرنے سے مراد معرفت الہی کا حصول ہے۔ ۳۸

علی بن عثمان ہجویری بھی مذکورہ آیت کے لفظ لیعبدون کے معنی لیعرفون بتاتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا — وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(ای لیعرفون) ترجمہ: جنوں اور انسانوں کو ہم نے اس لیے پیدا کیا تاکہ ہمیں

پہچانیں۔“ ۳۹

انہوں نے لفظ ”طہّر“ کو ”قَصّر“ بنا دیا:

”اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کپڑوں کو چھوٹا کرے۔

فرمایا ”وَيَبَايَكَ فَطَهَّرَ أَيُّ فَقَصَّرَ (المُدَّثِّر: ۴) (ترجمہ: اپنے کپڑوں کو

صاف کریں یعنی چھوٹا کریں)۔“ ۴۰

امام ابو حامد محمد غزالی قرآن کی آیت — وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۚ لَا فَرْحِينَ بِمَا أَنَّهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَ

يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۖ إِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ ۚ (الْأَمْوَان: ۱۶۹-۱۷۰) (جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں۔ انہیں

مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پارہے ہیں، جو کچھ اللہ

نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں، اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان

کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں، ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج

کا موقع نہیں ہے) — رقم فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

”یہ نہ جاننا چاہیے کہ یہ آیت اس شخص کے باب میں ہے جو معرکے میں مارا

گیا ہو بلکہ عارف کے تعلق سے ہے کہ اس کو ہر ایک دم میں درجہ ہزار شہید

کا ملتا ہے۔“ ۴۱

شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۚ ۚ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۚ لَا

يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۚ (الْوَاقِعَةُ: ۷۷-۷۹) (یہ ایک بلند پایہ قرآن

ہے، ایک محفوظ کتاب میں ثبت، جسے مطہرین کے سوا کوئی چھون نہیں سکتا) آیت کا

مطلب وہی ہے جو اللہ چاہے اور وہ رمز جو اس مقام پر ذہن نارسا میں آتی ہے

یہ ہے کہ قرآن کے پوشیدہ اسرار کا مساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تعلقات

بشریہ کی آلودگی سے پاک ہو چکے ہوں اور جب اسرار قرآنی کا مساس پاک

لوگوں کا حصہ ہے تو پھر دوسروں کو کیا مل سکتا ہے؟“ ۴۲

علامہ ابن جوزی نے اس سلسلے میں جنید بغدادی، ابو العباس بن عطاء (م ۳۰۹ھ/ ۹۲۱ء)

وغیرہ کی کارستانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں:

”جعفر بن محمد خلدی (م ۳۲۸ھ/ ۹۵۹ء) نے بیان کیا کہ میں اپنے شیخ جنید (بغدادی) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابن کیمان نے ان سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا—سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى ۝ (الْأَعْلَى: ۶) (ہم تمہیں پڑھوا دیں گے، پھر تم نہیں بھولو گے)۔ جنید نے کہا: مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو۔۔۔ مصنف نے کہا کہ جنید کی یہ تفسیر کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو بے وجہ ہے، جس میں صریح غلطی ہے۔ کیوں کہ یہ تفسیر اس بنا پر لا تنسی صیغہ نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ جملہ خبریہ ہے، نہی نہیں ہے۔ اور ما تنسی کے معنی میں ہے۔۔۔ غرض یہ تفسیر اجماع علماء کے خلاف ہے۔۔۔ محمد بن جریر نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں نے ابو العباس بن عطاء سے سنا۔ ان سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے—فَنَجِّنِكَ مِنَ الْغَمِّ (طہ: ۴۰) (ہم نے تجھے غم سے نجات دی)۔ ابو العباس نے کہا: یعنی تمہاری قوم کے غم سے تم کو نجات دی اور اپنے ماسوا سے جدا کر کے تم کو اپنا مفتوں بنالیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر بھاری جرأت ہے۔ حضرت موسیٰ کی نسبت یہ کہنا کہ عشق الہی کے فتنہ میں پڑ گئے اور خدا کی محبت کو فتنہ قرار دینا نہایت ہی قبیح بات ہے۔

ابن عطاء سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے—فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۝ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۝ (الْوَاقِعَةُ: ۸۸-۸۹)

(پھر وہ (مرنے والا) اگر مقربین میں سے ہو تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے)۔ جواب دیا کہ روح کے معنی ہیں خدا کا دیدار دیکھنا۔ ریحان اس کلام کا سننا۔ جنت نعیم وہ مقام ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حجاب نہ ہو۔ مصنف نے کہا کہ یہ کلام فی الواقع مفسرین کے خلاف ہے۔

ابو عبد الرحمن سلمیٰ (م ۴۱۲ھ/ ۱۰۲۱ء) نے قرآن کی تفسیر میں صوفیہ کے بعض کلام دو جلدوں میں جمع کیے ہیں، جن میں بے ہودہ باتیں ہیں جو جائز نہیں ہیں۔ ان کا نام رکھا ہے ”حقائق التفسیر“۔ ۴۳

اسی طرح انھوں نے شیخ واسطی، محمد بن علی روزباری، ابوالحسن نوری، ابوتراب نخشی، سہل بن عبد اللہ تستری، ابو بکر وراق (م ۳۳۷ھ/ ۹۵۸ء)، زنجانی، حسین بن منصور حلاج، ابو حامد طوسی، ابو شعیب البراثی (م ۱۹۷ھ/ ۸۱۲ء)، ابو حمزہ خراسانی وغیرہ کی تفسیری کلمات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

”مجھ کو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے کہ... تفسیر قرآن میں اس حد تک بے تکلف کیوں کر ہو گئے۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو گو درست ہو مگر خطا پر ہے اور فرمایا کہ جو کوئی قرآن شریف میں اپنی عقل سے گفتگو کرے تو دوزخ اپنا ٹھکانا سمجھ لے۔“ ۴۴

امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ زکشی (م ۷۹۴ھ/ ۱۳۹۲ء) نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد—يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَالْيَحْدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً (التَّوْبَةُ: ۱۲۳) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جنگ کرو ان منکرین حق سے جو غلظت میں ہیں اور چاہیے کہ تمہارے اندر سختی پائیں) کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کفار سے مراد نفس ہے۔ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ قریب کے کافروں سے قتال کریں اور انسان کے قریب ترین اس کا نفس ہے۔ ۴۵

اسی طرح قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی طویٰ میں حکم دیا:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ (طہ: ۱۲)

(جو تیاں اتار دے۔ (اس لیے کہ) تو وادی مقدس طویٰ میں ہے)

اس کی تفسیر میں صوفیہ کا کہنا ہے کہ عالم اجسام میں نعلین سے مراد نعلین ہی ہیں۔ مگر عالم ارواح میں دنیا اور آخرت ہے۔ اور دونوں عالموں میں موازنہ و مناسبت موجود ہے جس سے صرف انبیاء اور خواص اولیاء واقف ہیں۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر میں نعلین اتارنے کا حکم دیا، اسی طرح اس سے باطن میں ترک دنیا و آخرت کا مطالبہ بھی کیا۔ ۴۶

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نظریہ حلول کو قرآن سے ثابت فرماتے ہیں اور حروف

مقطعات کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا اوتار بتلاتے ہیں۔ ان کی چند حروف مقطعات سے متعلق خرافات بنام تفسیر پیش ہیں:

۱۔ حَمَّ اِیْ حَقِّ الْمَحْتَجِبِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ بِالْحَقِیْقَةِ مُحَمَّدٌ بِالْخَلْقِیَةِ . (المومن) (حَمَّ یعنی حق تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں چھپا ہوا ہے۔ پس آپ ﷺ حقیقت میں حق ہیں اور خلقت میں محمد ﷺ۔ ۴۷)

ایک دوسرے مقام پر ان ہی حروف کی تفسیر ذرا آسان لفظوں میں بیان فرمائی ہے:

۲۔ حَمَّ ظُهُورِ الْحَقِّ بِالصُّورَةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (حَمَّ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور صورت محمدی ﷺ میں ہے۔ ۴۸)

۳۔ حَمَّ عَسَقَ اِیْ حَقِّ ظَهْرٍ بِحَمْدِ ظُهُورِ عِلْمِهِ بِسَلَامَةِ قَلْبٍ فَالْحَقُّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا . (حق تعالیٰ، محمد ﷺ کے ساتھ ظاہر ہوا جیسا کہ علم الہی کا ظہور سلامتی قلب کے ساتھ ہے۔ پس حق تعالیٰ ظاہر و باطن میں محمد ﷺ ہیں۔ ۴۹)

یعنی اگر صرف حَمَّ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں محمد ﷺ اور باطن میں حق تعالیٰ ہیں اور اگر حَمَّ عَسَقَ بھی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محمد ظاہر میں بھی حق ہیں اور باطن میں بھی۔ یا حق تعالیٰ ظاہر میں بھی محمد ہے اور باطن میں بھی۔

۴۔ قَ - اِشَارَةُ اِلَى الْقَلْبِ الْمُحَمَّدِی الَّذِیْ هُوَ الْعَرْشُ الْاِلَهَی الْمَحِیْطُ بِالْکُلِّ (ق سے قلب محمدی کی طرف اشارہ ہے اور وہ عرش الہی ہے جو کہ ہر شے کو محیط ہے) ۵۰

غرض کہ ابن عربی نے نہایت عیاری کے ساتھ قرآن کی آیات میں تحریف اور تصرف کرنے کی ناپاک کوششیں کیں۔ مثلاً اس نے دعویٰ کیا کہ قوم ہود، جنہیں قرآن میں کافر کہا گیا ہے، صراطِ مستقیم پر تھی۔ فرعون بھی کامل ایمان والا تھا اور اسی طرح قوم نوح بھی اہل ایمان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دیتے ہوئے وحدت الوجود کے سمندر میں غرق کیا اور عشق الہی کی آگ میں داخل کیا تاکہ انہیں اس میں عیش و آرام

حاصل ہو۔ اور ہارون علیہ السلام سے یہ غلطی ہوئی کہ انھوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے روکا۔ حالانکہ بچھڑا خدا تھا اور سچا معبود تھا یا خدا کا عکس تھا۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے نہایت اچھا کردار ادا کیا۔ وہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت کرنے سے باز نہ آئے۔ اس لیے کہ یہ تمام بت ایک ہی خدا کے مختلف مظاہر ہیں۔ جس مینڈھے کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے فدیہ میں اتارا تھا وہ مینڈھا بھی خدا تھا۔ جہنم عذاب کی جگہ نہیں ہے، بلکہ اس میں حلاوت اور شیرینی ہے۔ جہنمی بظاہر دوزخ میں ہوں گے لیکن انجام کار وہ نعمتوں میں ہوں گے وغیرہ ہفوات محی الدین کی کتاب ”فصوص الحکم“ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

عبدالکریم جیلی (م ۸۳۲ھ / ۱۴۲۸ء) کی تفسیری تحریفات کی ایک جھلک پیش ہے۔ وہ ”بسم اللہ“ اور ”الحمد للہ“ کی تفسیر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پھر جب بحر توحید میں قلب کا ملاح اسم کی کشتی پر سوار ہو گیا۔ ... پھر وہ (بندہ) اپنی ذات و صفات میں منزہ ہوا اور وجود کی فاتحہ کو کھولا اور ثابت ہو گیا کہ عابدین معبود ہے۔“ ۵۱

شیخ عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء) کی تفسیری تحریفات کی ایک جھلک پیش ہے۔ وہ یَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ۝ (الرُّوم: ۷) (وہ لوگ تو دنیا کی زندگی کا ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”جو شخص ظاہری امور میں مشغولیت اختیار کرتا ہے لیکن اس کے حقائق اور باطنی علم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا، وہ انسان غافل، لادین ہے۔ اسلام کا اس سے کچھ لگاؤ نہیں۔ حالانکہ مقصود علم باطنی ہے اور اسی پر نجات کا دار و مدار ہے۔“ ۵۲

اسی طرح صوفیہ نے قرآن کی آیت وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ (بَنٰی) اِسْرَآئِیْلَ: (۲۳) (اور تمہارے رب نے فیصلہ فرمایا ہے کہ تم کسی کی عبادت نہ کرو مگر اسی کی) کا ترجمہ اس طرح کیا ہے — ”اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم عبادت نہ کرو گے مگر وہ اسی کی ہوگی۔“ یعنی جس چیز کی عبادت کرو گے وہ اللہ ہی کی عبادت ہوگی۔ اسی

طرح ایک آیت فَآيِنَمَا تَوَلَّوْا فَنَّمْ وَجْهَ اللَّهِ (البقرة: ۱۱۵) (جس طرف بھی تم رخ کرو گے اسی طرف اللہ کا رخ ہے) کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے — تم جس چیز کی طرف بھی منہ کر کے اس کی عبادت کرو گے۔ اس طرف اللہ کا منہ ہوگا۔ خواجہ حسن سنجری کا یہ شعر ان ہی معانی کو بیان کر رہا ہے۔

کافراں سجدہ کہ بروئے بتاں می کردند ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سوروئے تو بود
(کافر جو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ان سب کا منہ تیری ہی طرف ہوتا ہے۔)

کیوں کہ ہر طرف تیرا ہی چہرہ ہے ۵۳
صوفیانہ نقطہ نظر سے لکھی جانے والی تفسیروں میں سب سے زیادہ شہرت علامہ آلوسی (م ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء) کی تفسیر ”روح المعانی“ کو حاصل ہوئی۔ اس تفسیر میں صوفیانہ رموز و اشارات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ۵۴

غرض کہ صوفیہ نے قرآن کی تفسیر کے نام پر دراصل اپنے عقائد اور نظریات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لیے انھوں نے تفسیر بیان کرتے ہوئے من مانی اور غلط تاویلات ہی پیش نہیں کیں بلکہ قرآن کے الفاظ و اصطلاحات اور واقعات و بیانات کو عجیب و غریب معانی و مطالب پہنا دیے ہیں۔ یہ دراصل قرآن کی حقیقی تعلیم اور حقیقی روح سے لوگوں کو منحرف کرنے اور بیگانہ بنانے کی ایک انتہائی تخریبی کوشش ہے۔

شروع میں ”صوفیہ کی تفسیر کو کبھی بھی تفسیر تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ علماء نے ایسی تفاسیر کا ذکر ”العجائب و الغرائب“ کے ذیل میں کیا ہے۔ شیخ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء) نے اپنے فتاویٰ میں امام الحسن واحدی (م ۴۶۸ھ/ ۱۰۷۶ء) کا قول نقل کیا ہے:

”صنف عبدالرحمن السلمي ”حقائق التفسير“ فان كان قد اعتقد ان
ذالك تفسير فقد كفر (عبدالرحمن سلمی نے حقائق التفسیر کے نام سے ایک
کتاب تصنیف کی ہے تو اگر اس کا اعتقاد ہے کہ یہ قرآن کی تفسیر ہے تو اس نے
کفر کیا۔“ ۵۵

علامہ نسفی (م ۷۱۰ھ/ ۱۳۱۰ء) کہتے ہیں کہ (قرآن کے) نصوص کا دار و مدار ان ظاہری معنوں پر ہے، جو الفاظ سے متبادر ہوتے ہیں اور ان سے ہٹ کر معانی مراد لینا جن

کی طرف اہل باطن (صوفیہ) دعوت دیتے ہیں، الحاد ہے۔ ۵۶
راغب الطباخ تفسیر قرآن کی بے اعتدالیوں کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”رہا قرآن میں صوفیہ کا کلام (تفسیر) تو وہ تفسیر نہیں ہے۔“ ۵۷

حد تو یہ ہے کہ قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے کے پردے میں قرآن سے کھلواڑ کرنے سے بھی یہ صوفیہ باز نہیں آتے بلکہ حیا سوز گفتگو تک پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ امام غزالی کی نازیبا عبارت پیش ہے۔ وہ آیت کا یہ فقرہ — رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ج (البقرة: ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے برداشت کی ہم میں طاقت نہ ہو) کا مطلب بیان کرتے ہیں:

”بعضوں نے طاقت سے زیادہ چیز کے یہی معنی لکھے ہیں کہ شدت شہوت جماع

مراد ہے۔“ ۵۸

حدیث

صوفیہ نے دین اللہ کو منہدم کرنے کے لیے قرآن کی اصطلاحات اور اس کے الفاظ و کلمات کی غلط اور بے بنیاد تاویل، تعبیر اور تشریح ہی نہیں پیش کی بلکہ احادیث کے ساتھ بھی انھوں نے معاندانہ رویہ اپنایا اور بکثرت احادیث وضع کر کے صحیح احادیث کے ذخیرے کو خلط ملط کر دیا۔

یوں تو سیاسی بازی گروں اور مختلف عقائد و نظریات کے حامل افراد اور گروہوں نے حدیثیں وضع کرنے کا کام خوب زور و شور سے انجام دیا۔ لیکن صوفیہ نے اس میدان میں سب سے زیادہ زور آزمائی کی اور سب پر سبقت لے گئے۔ اس کے علاوہ مختلف سیاسی گروہوں کی وضع کردہ حدیثیں حالات کے بدل جانے سے یا سمت مخالف کی جانب سے سمت مخالف احادیث وضع ہو جانے کی صورت میں ان کی وضعی حدیثیں خود ہی دم توڑتی بھی رہی ہیں اور ان کی روایات منقطع بھی ہوتی رہی ہیں۔ لیکن صوفیہ کے مقابلے میں چوں کہ کوئی دوسرا گروہ ایسا نہیں تھا اور نہ ہی ان کے مخالفین میں ان سیاسی گروہوں کی طرح شدت

اور قوت تھی کہ وہ ان کا قلع قمع کر سکتے۔ دوسری طرف گروہ صوفیہ کو اسلام کے اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کے دشمنوں کی خوب سے خوب تر حمایت حاصل تھی۔ یہ حمایت ظاہر میں تو نہیں کے برابر تھی۔ البتہ پوشیدہ طریقے سے اسلام دشمن عناصر کے ساتھ ہی ساتھ ارباب حکومت کی بھی پوری پوری پشت پناہی انھیں حاصل تھی۔ اسلام دشمن عناصر اپنی اسلام دشمنی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہیں۔ ارباب حکومت کے لیے چوں کہ صوفیہ کے عقائد و اعمال نہایت ہی خوش آئند، مفید اور کارآمد تھے۔ کیوں کہ وہ عام لوگوں کو ترک دنیا اور ترک معاملات و مسائل حیات کی تعلیم و تربیت فراہم کر کے ارباب حکومت کو بے لگام ہو کر کھل کھیلنے کے مواقع فراہم کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ وضعی حدیثوں کا ایک طویل سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ چند وضعی احادیث سے متعلق محدثین اور محققین کی رائیں اور فیصلے بطور نمونہ پیش ہیں، جن احادیث کے ذکر سے شاید ہی تصوف کی کوئی کتاب خالی ہو:

”علم باطن کے سلسلے میں جو روایت مشہور ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو خاص طور سے کوئی علم عطا فرمایا تھا، من گھڑت ہے۔ حضرت علیؑ کے سلسلے میں جن وصایا کا ذکر آتا ہے، ان کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔“ ۵۹ ”حضرت ابو بکرؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو جن احادیث میں علم باطن کا حامل قرار دیا گیا ہے وہ بھی موضوع ہیں۔“ ۶۰

”فقر کے سلسلے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں اور جن میں غنا پر فقر کی برتری ثابت ہوتی ہے، موضوع ہیں۔“ ۶۱

”اربعین یا چلہ کشی کے متعلق جو احادیث بیان کی جاتی ہیں، وہ بھی من گھڑت اور بے اصل ہیں۔“ ۶۲

”لیلیۃ الرغائب اور لیلیۃ الشعبان کی نمازوں سے متعلق جو احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔“ ۶۳ ”صوفیہ کی دوسری نمازوں صلوٰۃ الشکر، صلوٰۃ الاستعاذہ، صلوٰۃ الاستخارہ وغیرہ کے متعلق جو احادیث منقول ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔“ ۶۴ ”حضرت اولیس قرنی سے منسوب صلوٰۃ اولیس قرنی اور حضرت خضر سے منسوب صلوٰۃ الخضر بھی من گھڑت ہیں۔“ ۶۵ ”نماز احتزاب،

نماز تنویر القبر، صلوٰۃ العاشقین کا ثبوت بھی حدیث اور روایات سے نہیں ملتا۔“ ۶۶ ”صوفیہ میں ایک نماز ”صلوٰۃ معکوس“ کے نام سے مشہور ہے۔ اصل میں یہ ہندو جوگیوں کی ایک خاص ورزش ہے۔ اس میں سالک کنویں میں یا درخت سے لٹا لٹک کر ذکر الہی کرتا ہے۔ صوفیہ نے اسے صلوٰۃ معکوس کا نام دیا ہے۔“ ۶۷

”ابدال، اقطاب، نجباء، نقباء اور رجال الغیب کے بارے میں صوفیہ کے یہاں جتنی احادیث بیان کی جاتی ہیں، سب کی سب من گھڑت ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ ۶۸ ابدال سے متعلق جو حدیث مسند احمد بن حنبل میں منقول ہے وہ بھی منقطع الاسناد ہے۔ ۶۹

”حضرت خضر علیہ السلام اور ان کی طویل العمری کے متعلق جو احادیث بیان کی جاتی ہیں، ان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔“ ۷۰

”تجرید یا ترک نکاح کی فضیلت اور اولاد کی مذمت کے باب میں جو احادیث صوفیہ کے یہاں قبول عام حاصل کر چکی ہیں، ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔“ ۷۱ ”زیارت قبر رسول ﷺ کے لیے جو احادیث بیان کی جاتی ہیں، امام ابن تیمیہ کے نزدیک سب کی سب موضوع ہیں۔“ ۷۲

”ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۶ء) ”موضوعات کبیر“ میں لکھتے ہیں کہ ”روافض نے حضرت علیؑ اور اہل بیت کے فضائل و مناقب میں تین لاکھ روایات وضع کی تھیں۔“ ۷۳ ان روایات سے صوفیہ نے خوب خوب استفادہ کیا ہے۔

صوفیہ کی کتابوں میں جو احادیث ملتی ہیں، ان پر محدثین نے سخت تنقیدیں کی ہیں۔ امام غزالی پر محدثین نے یہ الزام لگایا ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیفات میں موضوع احادیث کو نقل کیا ہے۔ ۷۴ ان کی شہرہ آفاق کتاب ”احیاء علوم الدین“ تصوف پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنی۔ علامہ ابن جوزی نے احیاء پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و جاء ابو حامد الغزالی فصنف كتاب الاحياء على طريق القوم و

ملاه بالحديث الباطلة. ۷۵ (اور ابو حامد غزالی آئے تو صوفیہ کے طریقے

پر کتاب احیاء لکھی اور اسے باطل حدیثوں سے بھر دیا)

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء) نے بھی موضوع احادیث کو احیاء کے نقائص میں شمار کیا ہے۔ ۶۷ علامہ تاج الدین سبکی نے غزالی کی بے سند احادیث پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔ یہ ایک باب ایک سو دو صفحات پر محیط ہے۔ ۷۷ علامہ ابن اندازے کے مطابق ”احیاء علوم الدین“ میں چھ سو ضعیف اور موضوع احادیث ہیں۔ ۸۷ ابن الولید طرطوشی (م ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء) بھی ایک رسالہ میں امام غزالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب کو موضوع احادیث سے بھر دیا ہے۔ ۹۷ خود مترجم احیاء علوم الدین محمد احسن نانوتوی بھی احیاء میں پیش کی گئی کئی احادیث کو بے اصل بتاتے ہیں یا ان کا پتہ نہ ملنے کی شہادت دیتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ احادیث —

- ۱۔ ”غرائب کم تر نیک بخت لوگ ہیں بہت سے لوگوں میں اور خلق میں۔ ان سے جو بغض رکھنے والے بہت ہوتے ہیں، بہ نسبت دوستی رکھنے والوں میں۔“ ۱۰۷
- ۲۔ ”ما ضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ الا اتوا الجلال ثم قرء ما ضربوہ لک الا جدلا بل ہم قوم خصمون۔“ ۱۱۷
- ۳۔ ”العظمة ازاری و الکبریاء روائی فمن نازعنی واحدا فیہا قصمتہ۔“ ۱۲۷
- ۴۔ ”خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے۔ ہر روز یوں پکارتا ہے کہ جو کوئی خلاف کرے نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اس کو شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب نہ ہوگی۔“ ۱۳۷

۵۔ ”الوضوء علی الوضوء نور علی نور۔“ ۱۴۷

۶۔ ”جس قوم کو گفتگو ملی، وہ عمل سے روک دی گئی۔“ ۱۵۷

”احیاء العلوم کی عمارت جن بنیادوں پر تعمیر کی گئی ان میں سب سے اہم تصنیف ابوطالب مکی (م ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء) کی کتاب ”قوت القلوب“ ہے۔ اس کے متعلق بھی محدثین کا فیصلہ وہی ہے جو احیاء کے بارے میں ہے۔ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ / ۱۰۷۱ء) لکھتے ہیں کہ محمد بن علی بن عطیہ، ابوطالب المعروف بہ المکی نے صوفیہ کے طریقے پر ”قوت

القلوب“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ناپسند اور منتشر چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ۸۶ ”علامہ ابن جوزی نے اس پر تنقید کی اور ان تمام روایات کو جو مختلف ایام و شہور کی نمازوں کے متعلق اس میں موجود ہیں موضوع قرار دیا۔“ ۸۷ امام ابن تیمیہ، ملا علی قاری، علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) وغیرہ نے قوت القلوب اور احیاء العلوم دونوں کے ایام و شہور کی نمازوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ ۸۸

شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں مذکور دنوں اور مہینوں سے متعلق احادیث کو نشانہ تنقید بنایا گیا ہے۔ اور قوت القلوب اور احیاء العلوم کے ساتھ ہی ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۸۹

”حلیۃ الاولیاء“ کے متعلق محدثین کی رائے ہے کہ اس میں بکثرت موضوع روایات ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس کتاب پر سخت تنقید کی ہے۔ ۹۰

”شیخ محمد بن طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ / ۱۱۱۳ء) کی کتاب ”صفوة التصوف“ کو بھی محدثین نے موضوع احادیث کی بنا پر ہدف تنقید بنایا ہے۔“ ۹۱

ابو عبدالرحمن السلمی حدیثوں کے وضع کرنے میں ید طولی رکھتے تھے۔ ۹۲ علماء رجال میں سے کچھ حضرات نے تو تصوف میں سلمیٰ پر وضع احادیث کا اتہام لگایا ہے۔ ۹۳

تصوف کی دوسری بنیادی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً اللمع، الرسالة القشیریہ، التعرف لمذہب اہل التصوف بھی اس عیب سے خالی نہیں ہیں۔ ”عوارف المعارف“ میں بکثرت موضوع احادیث ہیں۔ ان سب میں بدتر حال ”ہیجۃ الاسرار“ کا ہے۔ ... اس کے مصنف علی بن یوسف الشطونی (م ۷۱۳ھ / ۱۳۱۴ء) ہیں جنہیں وضع حدیث کا مرتکب کہا گیا ہے۔“ ۹۴

برصغیر میں کشف المحجوب، فوائد الفوائد، سیر الاولیاء، خیر المجالس اور فوائد السالکین میں بہت سی موضوع روایات اور بے سرو پا باتیں ہیں اور حضرات مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی بعض تصنیفات میں بھی موضوع روایات ملتی ہیں۔ ۹۵

چند موضوع احادیث

چند مشہور موضوع احادیث بطور مثال پیش ہیں، جنہیں صوفیہ نہایت تواتر کے ساتھ پیش کرتے چلے آ رہے ہیں:

۱. علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل .

(میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہیں) ۹۶

۲. اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ ... الخ

(اللہ نے پہلے عقل پیدا فرمایا... آخر تک) ۹۵

۳. كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِياً فَاحْبَبْتُ أَنْ أَعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، اس لیے خلق کو

پیدا کیا) ۹۸

۴. لَوْلَا كَمَا لَمَا خَلَقْتُ الْإِفْلَاقَ .

(اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا) ۹۹

۵. كُنْتُ نَبِياً وَالْآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ .

(میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے) ۱۰۰

۶. أَنْ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي

رسول ﷺ نے فرمایا: بے شک پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا) ۱۰۱

۷. مَنْ رَأَى آمَنَ بِي

(رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے دیکھا وہ مجھ پر ایمان لایا) امام ابن

تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ قول درایتاً بھی غلط ہے۔ کیوں کہ کفار مکہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ دیکھتے تھے۔ ۱۰۲

۸. مَا وَسَعَنِي سَمَائِي وَالْأَرْضُ بَلْ وَسَعَنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ

(میں اپنے آسمان و زمین میں نہیں سما سکتا، لیکن اپنے بندہ مؤمن کے دل میں

ساتا ہوں) ۱۰۳

۹. حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ أَنَا وَأَنَا أَنْتَ (اے محمد ﷺ! تو میں ہوں اور میں تو ہے) ۱۰۴

۱۰. عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ اللَّهُ: وَبِعِزَّتِي وَجَلَالِي لَوْلَا كَمَا لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا .

(ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اے محمد ﷺ) اگر تم نہ ہوتے تو

میں دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا۔) ۱۰۵

۱۱. أُولِيَّائِي تَحْتَ قَبَائِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي .

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اولیاء میری قبائیں ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں

جانتا) ۱۰۶

۱۲. أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ تَلَامِيذُ الرَّحْمَنِ

(بے شک اولیاء اللہ رحمن کے شاگرد ہیں) ۱۰۷

۱۳. الشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي أَمْتِهِ .

(شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں) ۱۰۸

۱۴. رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ .

(ہم جہاد اصغر (جہاد بالسيف) سے جہاد اکبر (مجاہدہ نفس) کی طرف لوٹ

آئے ہیں) ۱۰۹

۱۵. سَلَمَانَ فَارِسِيٍّ نَزَلَتْ آيَةُ — وَأَنَّ جَنَّتَهُمْ لِمَوْعِدِهِمْ أَجْمَعِينَ — سَنَ كَرَّ

زور سے نعرہ مارا اور سر کے بل زمین پر گر پڑے پھر بھاگ کھڑے ہوئے

اور تین دن تک غائب رہے۔ اس وضعی حدیث کے متعلق علامہ ابن جوزی

فرماتے ہیں کہ ”سلمانؓ (فارسی) کی نسبت جو کچھ ذکر کیا ہے، غلط ہے اور

محض دروغ ہے۔ پھر اس حدیث کی کوئی اسناد بھی نہیں۔ آیت مذکورہ مکہ

میں نازل ہوئی ہے اور سلمانؓ مدینہ میں اسلام لائے اور کسی صحابی نے ایسا

قصہ ہرگز نقل نہیں کیا۔“ ۱۱۰

۱۶. علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ”صوفیہ نے (قلت طعام کے حق میں) اس

حدیث سے جو حجت پکڑی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے نفسوں کو

عمدہ کھانے سے محروم رکھو تو یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔“ ۱۱۱

۱۷۔ اخذتم علمکم عن المیت و اخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت (تم نے علم مردے سے حاصل کیا ہے اور ہم (صوفیہ) نے علم اس ہستی سے اخذ کیا ہے جسے موت نہیں ہے)۔ یہ وضعی حدیث بایزید بسطامی سے منسوب ہے، اسے محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں درج کیا ہے، اس کے بعد بیشتر صوفیہ نے اسے بطور تبرک پیش کرنا اپنی سعادت سمجھی ہے۔ یہاں تک کہ مجدد الف ثانی نے بھی ۱۱۲

۱۸۔ علم باطن کی دلیل میں حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حسن بن علیؑ نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”باطن ایک راز ہے، اسرار الہی سے اور ایک حکم ہے خدا سے۔ اللہ تعالیٰ اس راز کو اپنے اولیاء میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے، ڈالتا ہے۔“ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس کی اسناد نامعلوم، غیر معتبر (مبہول) لوگ ہیں۔ ۱۱۳

۱۹۔ اس حدیث کو تو نہایت ہی شد و مد کے ساتھ تقریباً تمام ہی صوفیہ نے متعدد جگہ استعمال کیا ہے — من عرف نفسه فقد عرف ربه (جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا) محمد لطفی جمعہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یحییٰ معاذ رازی سے روایت کی گئی ہے۔ یحییٰ معاذ رازی صوفی تھے۔ ۱۱۴ علماء حدیث نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ ۱۱۵

۲۰۔ ما رأیت شیئاً الا رأى الله فیہ۔

(میں نے جو چیز بھی دیکھی، اس میں اللہ کو دیکھا)، اسے کلمہ وحدۃ الوجود کے حق میں وضع کیا گیا۔ ۱۱۶

۲۱۔ انا احمد بلا مسم۔ (میں بغیر مسم کے احمد ہوں)

اس کی عبارت سے ہی ظاہر ہے کہ یہ موضوع ہے۔ ۱۱۷

امام مسلم اپنی کتاب ”صحیح مسلم“ کے مقدمے میں مندرج ذیل روایت درج کرتے ہیں:

قال محمد بن يحيى بن سعيد القطن عن ابيه قال: ”لم تر الصالحين

فی شیء اکذب منهم فی الحدیث۔“ قال ابن ابی عتاب فلقیت انا

محمد بن يحيى بن سعيد القطن فسألتہ عنه فقال عن ابيه ”لم تر اهل

الخير فی شیء اکذب منهم فی الحدیث۔“ ۱۱۸

(محمد بن یحییٰ بن سعید القطن کہتے ہیں کہ میرے والد یحییٰ نے کہا: ”ہم نے

صالحین (اشارہ ہے صوفیہ کی جانب) سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملے میں

جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے محمد بن یحییٰ

بن سعید القطن کی ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے یہی بات پوچھی، تو کہنے

لگے ”ہاں میرے والد فرماتے تھے کہ تو ان اہل خیر (صوفیہ) سے زیادہ کسی کو بھی

حدیث کے معاملے میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔)

شروع میں صوفیہ کی بہت ساری کارستانیوں سے متعلق لوگوں کا ذہن صاف تھا۔

اس لیے اہل علم حضرات ان صوفیہ سے محتاط رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ جہاں تک

وضع احادیث کا تعلق ہے تو صوفیہ اور وضع حدیث لازم و ملزوم چیز سمجھی جاتی تھی۔ یعنی اگر کوئی

صوفی ہے تو لامحالہ وہ وضع حدیث بھی ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی وضعی حدیث سننے کو ملتی ہے تو

لازمًا وہ حدیث کسی نہ کسی صوفی کی گھڑی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی نے صاف

صاف یہ اصول طے کر دیا کہ:

”اذا وقع فی الاسناد صوفی فاغسل یدیک منہ۔“

(اگر اسناد میں کوئی صوفی واقع ہوتا ہو تو اس (حدیث) سے ہاتھ دھو لو) ۱۱۹

”بعد میں محدثین نے یہ دستور بنالیا کہ صوفیہ کی بیان کردہ حدیث کو بغیر تحقیق

کے قبول نہ کیا جائے۔“ ۱۲۰

صوفیہ نے احادیث وضع کرنے کی ذمہ داری محض اس لیے اٹھائی کہ اس طرح وہ

شریعت مطہرہ کو آلودہ کر سکیں اور نبوی تعلیمات کو خلط ملط کر کے رکھ دیں تاکہ اسلام اپنی صحیح

حالت پر قائم نہ رہ سکے۔ ورنہ ان کا اپنا عقیدہ تو احادیث کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اور ان کی بعثت سے متصادم اور سنت و شریعت سے قطعاً منحرف۔ چنانچہ اکابر صوفیہ

بہر صورت حدیث کے خلاف سینہ سپر ہوتے ہیں۔ احادیث و سنت کے خلاف فضا سازگار

بنانے کی انتہائی کوششیں کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ احادیث، سنت اور شریعت کی تذلیل، تحقیر اور تضحیک کا ارتکاب تک کر گزرتے ہیں۔ مثلاً جنید بغدادی کی کارستانی ابو طالب کی (م ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء) اپنی کتاب ”قوت القلوب“ میں جو تصوف کی امہات کتب میں سے ایک ہے، بطور تبرک درج کرتے ہیں:

”احب للمبتدی ان لا يشغل قلبه بهذه الثلاث و الاّ تغيرت حاله التكسب و طلب الحديث و الزوج و احب للصوفی ان لا يقرء و لا يكتب لانه اجمع لهم.“ ۱۲۱

(مبتدی کے لیے مستحب ہے کہ اس کا دل تین چیزوں کی آلاش سے بچا رہے ورنہ حالت دگرگوں ہو جائے گی — نہ تو وہ کسی کام میں مشغولیت اختیار کرے، (یعنی روزی کمانے سے باز رہے)، نہ وہ علم حدیث طلب کرے اور نہ وہ نکاح کرے، اور صوفی کے دل کو اس سے بہت سکون حاصل ہوگا کہ وہ پڑھنا لکھنا چھوڑ دے)

ابوسلیمان دارانی (م ۲۱۵ھ/ ۸۳۰ء) کا قول ہے:

”اذا طلب الرجل الحديث او سافر في طلب المعاش او تزوج فقد ركن الى الدنيا.“ ۱۲۲

(جب کوئی شخص حدیث کا علم حاصل کرنے لگے یا طلب معاش کے لیے سفر اختیار کرے یا رشتہ زوجیت میں منسلک ہو جائے تو وہ دنیا دار ہے)

بلکہ صوفیہ اس عقیدے حامل ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ان کے پاس جو علم ہے وہ کتاب و سنت سے فائق ہے، بلکہ کتاب و سنت کا علم ان کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ صرف ایک مثال پیش ہے۔ ابو یزید بسطامی شریعت اسلامیہ کے علماء پر تنقید کرتے ہوئے فخریہ انداز میں کہتے ہیں:

”اخذتم علمكم ميتاً عن ميت و اخذنا علمنا عن الحي الذي لا يموت، يقول امثالنا حدثني قلبی عن ربی و انتم تقولون حدثني فلان و اين هو؟ قالوا مات، عن فلان و اين هو؟ قالوا مات.“ ۱۲۳

(تم نے اپنا علم فوت شدہ لوگوں سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم اس ذات سے حاصل کیا ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے۔ اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی اور

ہم اور ہمارے جیسے تو کہتے ہیں کہ میرے دل پر میرے رب کی طرف سے القا ہوا اور تم کہتے ہو کہ مجھ سے فلاں نے حدیث بیان کی۔ لیکن بتاؤ وہ کہاں ہے؟ جواب ملا وہ فوت ہو گیا ہے۔ اس نے فلاں سے بیان کیا۔ جواب ملا وہ بھی فوت ہو گیا۔ یہ چند اقوال بطور نمونہ ذکر کیے گئے ہیں، ورنہ اس مضمون کے اقوال کثرت سے مذکور ہیں، جو علم حدیث اور علم شریعت کی طلب سے کنارہ کش رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ احادیث کا مذاق اڑاتے ہیں انھیں غیر ضروری قرار دیتے ہیں اور اپنے کشفی علوم کے مقابلے میں ہج گردانتے ہیں۔ اور کشف و شہود اور القاء والہام کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ چوں کہ صوفیہ اپنے آپ کو واصل خدا بلکہ خدا قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں درمیان میں رسولوں اور نبیوں اور ان کی تعلیمات اور ان کی اطاعت کی بھلا کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

مذکورہ اقوال و افکار دراصل اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور معاشرے کو تباہ و برباد کردینے کی مذموم سازشیں اور کوششیں ہیں۔

قرآن و احادیث کے ساتھ جب ان کا یہ رویہ ہے تو ظاہر ہے کہ دیگر حالات و واقعات اور امور و معاملات میں وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے اور کون کون سی طلسماتی کرشمہ سازیاں نہیں دکھا سکتے ہیں۔

شریعت

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے اور اسے قبول کرنے اور اس پر جم جانے کی ضرورت ہے کہ انسانی عقل و خرد اور شعور و آگہی بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کی نہ تو ضامن ہو سکتی ہیں، نہ ہی اس کے امور و معاملات اور مسائل و احتیاجات کا مداوا کر سکتی ہیں۔ اس لیے کہ انسانی عقل و شعور، علم و آگہی، تدبیر و اکتشاف اور تجربہ و مشاہدہ بہر صورت، بہر کیفیت اور بہر حال محدود و محصور اور ناقص و ناتمام ہیں۔ چنانچہ بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کا مدار و انحصار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہدایت ابدی پر ہے جسے اللہ تعالیٰ

نے اپنی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی شکل میں نازل فرمایا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو بلا کم و کاست من وعن لوگوں تک پہنچا دینے کی ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دے دیا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ (النجم: ۳، ۴)

(اور نہ وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے کچھ بولتے ہیں (بلکہ) وہ تو صرف وحی

ہے جو اتاری جاتی ہے۔)

اور اس ہدایت کے پہنچانے کے ساتھ ہی ساتھ اس کی تشریح اور تفصیل بھی اپنے قول و عمل سے پیش فرمادی۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، ان کے اقوال و اعمال بنی نوع انسان کے لیے اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ وہ نمونہ جس کی پیروی ہی اس ہدایت ابدی کی صحیح پیروی ہے اور اس کے برخلاف جہالت، ناکامی اور خسران ہے۔ اسی لیے ہدایت فرمادی گئی کہ:

وَمَا اتَّكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷)

(جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے

رک جاؤ)

یہ ہدایت ابدی یعنی دین اللہ ہماری زندگی کی مکمل رہنما ہے۔ یہ رہنمائی زندگی کے تمام پہلوؤں اور جملہ امور و مسائل کو محیط ہیں۔ چنانچہ قرآن و سنت نے جن اصولوں اور طریقوں کی رہنمائی فرمائی ہے وہ شریعت ہے۔ یعنی شریعت ان تمام عقائد و اعمال کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہمیں تفویض فرمایا ہے اور جو معروفات پر عمل آوری اور منکرات سے اجتناب کے ساتھ ہی ساتھ ہمہ جہت تزکیہ پر مشتمل ہے۔

صوفیہ نے چوں کہ اپنا ایک آزاد مذہب وضع کیا، جس کے اپنے عقائد و نظریات، افکار و خیالات اور اعمال و اشغال ہیں اور جن کی ترویج و اشاعت کے لیے وہ اپنی انتہائی کوششیں صرف کرتے رہے ہیں انھیں بھلا شریعت سے کیا غرض۔ شریعت تو ان کے پیروں کی بیڑیاں ہیں۔ لہذا شریعت کے انہدام کے لیے انھوں نے ”معرفت“ اور ”حقیقت“ کی داغ بیل ڈالی اور اس معرفت اور حقیقت کے قیام اور استحکام کے لیے شریعت کو نشانہ بنایا۔ شریعت کو بے حیثیت اور بے وقعت قرار دیا، اس کی تذلیل و تحقیر کی، برے کلمات سے نوازا،

اور اس کی جگہ ”معرفت“ اور ”حقیقت“ کو جو عقل و کشف اور الہام و شہود کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں، اصل قرار دیا اور ان کی کھل کر تعریفیں کیں۔ صوفیہ معرفت کو شریعت پر فوقیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ —

”اتباع شریعت صرف اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ معرفت حاصل نہ

ہو جائے۔ معرفت کے حصول کے بعد شریعت کے احکام کا اتباع ساقط ہو جاتا

ہے۔ اگرچہ وہ لوگ پھر بھی احکام شریعت کا اتباع کرتے ہیں لیکن اس کو لازمی

سمجھ کر نہیں بلکہ اس لیے کہ جن لوگوں کی رسائی ابھی حقیقت تک نہیں ہوئی ہے،

وہ کہیں شریعت کو ترک نہ کر بیٹھیں۔ ان کی نظر میں شریعت ان عام انسانوں

کے لیے ہے جو حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔“ ۱۲۴

امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری (م ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۲ء) حقیقت کو شریعت سے اس طرح برتر ثابت کرتے ہیں:

”الشريعة امر بالتزام العبودية و الحقيقة مشاهدة الربوبية، فالشريعة

أن تعبدہ و الحقيقة أن تشہدہ. (شریعت نام ہے التزام عبودیت کے حکم کا

اور حقیقت مشاہدہ ربوبیت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ شریعت یہ ہے کہ تم اس کی عبادت

کرو اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کرو۔) ۱۲۵

عبدالحق محدث دہلوی، شیخ حمید الدین صوفی (م ۶۷۳ھ/ ۱۲۷۴ء) کی منازل اہل شریعت اور اہل طریقت کی روایت نقل کرتے ہیں:

”اہل شریعت کا سرمایہ حیات اور منزل مقصود یہ ہے کہ نفس و مال کو ختم کر کے نعيم

دائمی یعنی جنت میں داخل ہونا ہے اور منزل اہل طریقت یہ ہے جیسا کہ ارشاد

خداوندی ہے وَ تَبْتَغِلْ إِلَيْهِ تَبْتِغِلًا (اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف

متوجہ ہو جا) یعنی اپنے دل و جان کو خدا کے حوالہ و سپرد کر دینا اور وحدت کی بلند

ترین چوٹی پر چڑھ جانا، جیسا کہ ارشاد ہے وَ إِلَهِ رَبِّكَ الْمُنْتَهَى. (اور یہ کہ

آپ کو رب ہی کی طرف پہنچنا ہے) ۱۲۶

شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

”شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اس کی صورت وہ ہے جس کے بیان کے علماء کفیل اور ضامن ہیں اور اس کی حقیقت وہ ہے جس کے بیان کے ساتھ بلند گروہ صوفیہ ممتاز ہیں۔“ ۱۲۷

صوفیہ نے شریعت کی تحقیر کے لیے مختلف قسم کے کلمات بھی استعمال کیے ہیں۔ ان میں سے ایک لفظ ”پوست“ بھی ہے جسے انھوں نے بکثرت استعمال کیا ہے۔ شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

”سایہ اور ظل میں پہنچنے والی جماعت کا گمان ہوتا ہے کہ انھوں نے دائرہ شریعت سے قدم باہر رکھ لیا اور پوست سے ترقی کر کے مغز تک پہنچ گئے ہیں۔“ ۱۲۸

مولانا عبدالرحمن جامی، شیخ عبداللہ انصاری ہروی (م ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء) سے روایت کرتے ہیں:

”شیخ عبداللہ انصاری ہروی فرماتے ہیں کہ اس (تصوف) کا نام علم ہے مگر لوگ اس سے غافل ہیں۔ پوست (شریعت) کے علم کی طرف مشغول ہیں۔ حالانکہ ضرورت مغز (معرفت یا حقیقت) کی ہے۔“ ۱۲۹

صوفیہ کی پیش کردہ شریعت کی تذلیل، تضحیک اور تحقیر کی صرف ایک مثال پیش ہے۔ اے دریغا! کس شریعت ملت اعمائی است ملت ما کافری و ملت ترسائی است کفر و ایمان، زلف و روئے آں پری زیبائی است کفر و ایمان ہر دو اندر راہ ما یکتائی است (افسوس یہ شریعت اندھوں کا ہے طریقہ آتش پرست و کافر جیسا ہے یہ وظیفہ کفر اس پری کی زلفیں، ایمان اس کا چہرہ ہے کفر اور ایمان کا ایک ہی قرینہ) ۱۳۰

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو تو شریعت چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔ البتہ بایزید بسطامی کو یہ حکم مل گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہیں اور فرماتے ہیں:

”مجھے تیرے وجود کے بغیر اپنا وجود بھی ناپسند ہے بلکہ تیرے وجود کا اپنے وجود کے بغیر بھی قیام چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ شریعت کو چھوڑ کر حد اعتدال سے نکل جا تاکہ تیری کوشش ہمارے لیے پسندیدہ ہو۔“ ۱۳۱

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے کیا خوب گل کھلائے ہیں۔ تمام صوفیہ کی جانب سے نمائندگی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تحقیق عالی — جماعت اولیاء میں سے ایک بڑی تعداد ایسے اولیاء کی بھی ہوتی ہے جن کو الہام کے ذریعہ یہ القا کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں سے شرع کی قید اٹھادی ہے۔“ ۱۳۲

علم ظاہر

صوفیہ شریعت کو علم ظاہری اور علماء شریعت کو علماء ظاہری قرار دیتے ہوئے ان دونوں کی تحقیر کرتے اور ان کے حق میں ہمیشہ سے طعن و تمسخر سے کام لیتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ علم باطنی یا علم لدنی کو اصل علم یا مغز قرار دیتے ہیں اور اسے طریقت، معرفت اور حقیقت کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ ارباب طریقت اپنے آپ کو اہل شریعت کے مقابلے میں برتر اور ممتاز ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ ائمہ امت اور اساطین فقہ کو بھی فروتر گردانتے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیہ برملا کہتے ہیں ۱۳۳

بو حنیفہ ز عشق درس گلفت شافعی را در و حکایت نیست
حنبل از عشق نیز بے خبر است مالکی را درو روایت نیست
(امام ابوحنیفہ نے عشق کا درس نہیں دیا، امام شافعی کی عشق کے باب میں کوئی حکایت نہیں ہے) (امام احمد بن حنبل عشق سے بے خبر ہیں، امام مالک کی اس سے متعلق کوئی روایت نہیں ہے)

صوفیہ کے یہاں طریقت جو علم باطن یا علم لدنی کا نتیجہ ہے شریعت سے بالکل جداگانہ، مختلف اور متضاد ہے۔ تصوف کی کتابوں میں ہزاروں احوال و واقعات، افکار و اعمال، تجربات و مشاہدات ایسے بیان کیے جاتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی گنجائش ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف ہیں۔ ارباب حقیقت اس بات کا خود دعویٰ بھی پیش کرتے ہیں کہ ہم جس راہ پر گامزن ہیں وہ شریعت کے بتائے ہوئے راستے سے جداگانہ ہے۔ مثلاً شیخ علی بن عثمان ہجویری کا بیان ہے:

شریعت اندر حکم از حقیقت جدا است۔ (شریعت حکم میں حقیقت سے جدا ہے) ۱۳۳ اور ایک مقام پر اس سے بھی واضح طور پر فرمایا ہے:

فرق بسیار میان هر دو باشد (دونوں کے درمیان کافی فرق ہے) ۱۳۴ امام قشیری کہتے ہیں:

شریعت التزام عبودیت ہے اور حقیقت مشاہدہ ربوبیت۔ ۱۳۵ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

”اللہ تک پہنچانے والے راستے دو ہیں۔ ایک کی وحی اور تعلیمات انبیاء نے تلقین کی ہے۔ ... اور دوسرا وہ راستہ ہے جس کا تعین الہام اور اولیاء کے معارف سے ہوا ہے۔“ ۱۳۶ وہ دوسری جگہ کہتے ہیں:

”خدا رسیدگی کی دو راہیں ہیں۔ ایک راہ تو وہ ہے جو نبی کے ذریعہ لوگوں تک پہنچی اور دوسری جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے۔“ ۱۳۷

اس دوسرے راستے کے بارے میں شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اس طریقہ میں درمیانی واسطہ نہیں ہے۔ ۱۳۸

صوفیہ کے یہاں سلوک طریقت کے نظریہ کے مطابق انھیں عالم ظاہر سے عالم حقیقت کی طرف عروج کرنا ہے۔ یعنی عالم زمین سے عالم آسمان کی طرف صعود کرنا ہے۔ دوسرے درجہ میں اپنے آپ کو اپنے باطن کے حوالے کرنا ہوتا ہے۔ اور نفسانی صفات کو تبدیل کر کے اپنے محبوب اعظم ”اللہ“ کے ساتھ اتصال پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ۱۳۹

طریقت کے معنی ڈاکٹر ابو العلا عفیفی کے مطابق صوفیہ کے نزدیک روح کو معراج بخشنا ہے، اس لفظ کا اطلاق سفر، سلوک اور معراج پر ہوتا ہے۔ طریقت کے مقامات مراحل یا منازل کے ناموں سے موسوم ہیں۔ ۱۴۰

اس علم کے دروازے صرف اولیاء کرام بلکہ اکابر صوفیہ پر ہی کھلتے ہیں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ کلام فرماتا ہے۔ اس لیے ان پر جو کچھ بھی الہام یا انکشاف ہوتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کی غلطی، یا شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ ۱۴۱

یہ بلا واسطہ الہامی طریقہ پیغمبرانہ طریقے کے بالعکس بڑے دعووں کا حامل رہا ہے۔ مثلاً بایزید بسطامی کا دعویٰ کہ ہمارا علم براہ راست اس ذات سے ماخوذ ہے جو زندہ ہے اور جسے موت نہیں ہے۔ یا یہ کہ قرآن حجاب ہے، رسول حجاب ہے، بجز عبد اور رب کے کچھ بھی نہیں۔ ایک نبی کو جس طرح بواسطہ جبریل کلام الہی کی سماعت کا دعویٰ ہوتا ہے، اسی طرح ایک عالم باطن ”حدثنی قلبی عن ربی“ کہتا ہے۔

بایزید بسطامی اور ابو بکر شبلی سے لے کر عصر حاضر تک صوفیہ نے کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، شریعت اور شعائر اللہ کو غیر ضروری، بے وقعت اور قابل انہدام قرار دینے کی کوششیں ہی نہیں کیں بلکہ ان کا تمسخر اور مذاق اڑانے سے بھی باز نہ آئے۔ حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہے ے

بہ بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ رسم منزل ہا

(اگر تجھے پیر مغاں کہتا ہے کہ اپنا مصلیٰ شراب سے رنگین کر تو ایسا ضرور کر کیوں کہ سالک منازل سلوک کی راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہے)

”تاریخ دعوت و عزیمت“ (ج ۲، ص ۱۹۳) سے چند اشعار:

تعالوا نخرب الجامع و نجعل فیہ خمارہ

(آؤ ہم لوگ مسجد کو ویران کریں اور اس میں شراب خانہ بنائیں)

و نحن نکسر المنبر و نجعل منه طنبارہ

(اور منبر کو توڑ کر اس سے ساز و مزامیر بنائیں)

و نحن نخرق المصحف و نجعل منه ذمّارہ

(اور قرآن کو پھاڑ کر اس کی بانسری بنائیں)

و تنقف لحیة القاضی و نجعل منه اوتارہ

(اور قاضی کی داڑھی کو اکھاڑ کر اس سے تانت بنائیں) ۱۴۲

چنانچہ صوفیہ حضرات بجائے طریق نبوی کے طریق صوفیہ کے والہ و شیدا ہیں۔ شیخ احمد سرہندی اپنے شیخ کی روایت بیان کرتے ہیں:

”خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے ایسا طریق مانگا ہے جو بلاشبہ

مطلوب تک پہنچانے والا ہے۔“ ۱۴۳

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ان کے لیے مطلوب تک پہنچانے والا نہ تھا۔ اس لیے انھیں اللہ سے علاحدہ سے ایسا طریقہ طلب کرنے کی ضرورت درپیش ہوئی۔ شیخ احمد سرہندی خود بھی ان ہی بزرگوں کے طریقے پر ثابت قدم رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

”تَبَتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى طَرِيقَةِ هَوَالَاءِ الْأَكَابِرِ“

(اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کے طریقے پر ثابت قدم رکھے) ۱۴۴

اور پھر اس طریق بزرگان کو عالی مرتبہ، زیادہ بہتر اور مناسب بھی قرار دیتے ہیں:

”ہمارا طریق وہی حضرت ایشاں یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ کا طریق ہے اور ہماری نسبت آنحضرت شریف سے ہی نسبت ہے۔ اس طریق سے بڑھ کر عالی اور کون سا طریق ہے اور اس نسبت سے زیادہ بہتر اور مناسب اور کون سی نسبت ہے کہ کوئی اس کو اختیار کرے۔“ ۱۴۵

یہ دین طریقت مسلسل جاری و ساری ہے:

”عام طور پر یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر زمانے میں اولیاء میں سے کوئی نہ کوئی ایسا بزرگ ضرور پیدا ہوتا ہے جس کو عنایت الہی سے اس امر کی استعداد ملتی ہے کہ وہ باطن دین کے قیام اور اس کی اشاعت کی کوشش کرے۔“ ۱۴۶

علم شریعت راہ تصوف میں رکاوٹ اور حارج ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

”یہ جو تونے سنا ہوگا کہ صوفی کہتے ہیں کہ علم اس راہ میں رکاوٹ ہے اور ممکن ہے تو نے اس سے انکار کیا ہوگا تو یہ انکار درست نہیں ہے۔ صوفیوں کا کہنا ٹھیک ہے۔“ ۱۴۷

شیخ احمد سرہندی شریعت و طریقت سے متعلق کچھ عجیب و غریب باتیں بھی کرتے ہیں۔ مثلاً:

”جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے، طریقت میں بھی کفر و اسلام ثابت ہے۔ اور جس طرح شریعت میں کفر، شرارت اور نقص ہے اور اسلام کمال ہے، اسی طرح طریقت میں کفر طریقت نقص ہے اور اسلام طریقت کمال ہے۔ ... یہ طریقت کا کفر شریعت کے کفر سے پوری طرح مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ شریعت کا کافر مردود ہے اور سزا کا مستحق ہے اور طریقت کا مقبول ہے اور

درجات کا مستحق ہے۔“ ۱۴۸

اللہ تعالیٰ نے صاف صاف واضح فرمادیا اور گواہی دے دی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول خدا ہیں اور سیدھے راستے پر قائم ہیں:

إِنَّكَ لَيَمُنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (یس: ۴۳)

(اے نبی ﷺ! آپ بے شک رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں)

اسی کی پیروی بنی آدم کی صلاح و فلاح دنیا و آخرت کا واحد ذریعہ ہے۔ چنانچہ اس راستے کے علاوہ دوسرے راستوں کے اختیار کرنے سے ہمیں منع کر دیا گیا ہے:

وَ أَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ ذَلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (الأنعام: ۱۵۳)

(اور اس بات کی ہدایت ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ لہذا، تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں وصیت کی ہے، شاید کہ تم تقویٰ اختیار کرو)

اور اس طریق مستقیم کے سب سے اعلیٰ ترین نمونہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے:

أَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ . (بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت

ہے) (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالكتاب و السنة، باب

الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

خود اللہ تعالیٰ نے اس رحمۃ للعالمین کے حق میں اس طرح تعریف پیش کی ہے:

وَ إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (القلم: ۴)

(اور بے شک تم اخلاق کے عظیم مرتبے پر ہو)

اور مذکورہ بالا حدیث میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ:

وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا . (اور سب کاموں میں برے کام وہ ہیں جو نئے

نکالے جائیں۔) (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالكتاب و

السنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

امام ابن تیمیہ نے اس سلسلے میں جو فتوے دیے ہیں، وہ آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں:

- ۱۔ ”اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کسی ولی کو اللہ تک پہنچنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ کر کوئی اور طریقہ اپنانے کا اختیار ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر اور شیطان کا دوست ہے۔“ ۱۴۹
- ۲۔ ”علم یا زہد و عبادت کے باوجود اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی مکمل شریعت پر ایمان نہیں لاتا تو وہ کافر اور اللہ کا دشمن ہے، اگرچہ بعض لوگ اسے ولی سمجھیں۔“ ۱۵۰

- ۳۔ ”اگر کوئی شخص شب و روز مسلسل اللہ کا ذکر کرے اور انتہائی عابد و زاہد بھی ہو، لیکن اللہ کے نازل کردہ ذکر یعنی قرآن کریم کا تابعدار نہ ہو تو وہ شیطان کا دوست ہے۔ اور اگر وہ ہوا میں اڑے یا پانی کے اوپر چلے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شیطان اسے ہوا میں یا پانی پر اٹھائے ہوئے ہے۔“ ۱۵۱
- ۴۔ شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری قرار دینے کے تعلق سے ان کا فتویٰ ہے:

” (کوئی) یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باطنی حقائق کو چھوڑ کر صرف ظاہری شریعت کے تابعدار تھے۔ یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے اولیاء (صوفیہ) کا طریقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کے علاوہ ہے، یا یہ کہے کہ انبیاء نے تو راستہ تنگ کر دیا ہے۔ یا یہ کہے کہ انبیاء تو عام لوگوں کے رہنما تھے، خواص کے نہیں، یا اسی قسم کی کوئی اور بات کہے جو ولایت کے دعوے دار کہتے ہیں تو ایسے شخص کا ولی ہونا تو درکنار، وہ ایمان کے منافی، کفر کا مرتکب ہے۔ لہذا جس نے کسی خارق عادت امر کی بنا پر کسی کے ولی ہونے کی دلیل پکڑی وہ یہود و نصاریٰ سے بھی (زیادہ) گم راہ ہے۔“ ۱۵۲

- ۵۔ ”جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ بعض اولیاء ایسے بھی ہیں جنہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہنچی، لیکن اللہ تک پہنچنے کے لیے ان کے پاس کچھ

ایسے راستے ہیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج نہیں ہیں۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے وہ کافر اور بے دین ہے۔ اور جو یہ کہے کہ علم ظاہر میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج ہوں، علم باطن میں مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے، یا علم شریعت میں ان کا محتاج ہوں، علم حقیقت میں مجھے ان کی ضرورت نہیں تو ایسا شخص یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پڑھ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، اہل کتاب کی طرف نہیں، یہ رسالت کے بعض حصہ پر تو ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا جس کی وجہ سے کافر قرار پائے۔ اور یہی حال اس شخص کا بھی ہے جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علم ظاہر کے ساتھ بھیجے گئے تھے علم باطن کے ساتھ نہیں۔ ایسا شخص رسالت کے بعض حصے پر ایمان رکھتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے۔ لہذا یہ یہود و نصاریٰ سے بدتر کافر ہے کیوں کہ علم باطن جو کہ دلوں کے ایمان، دلوں کے علوم و معارف اور احوال کا علم ہے۔ یہی ایمان کے حقائق باطنی کا علم ہے اور یہ اسلام کے محض ظاہری اعمال کے علم سے افضل و اشرف ہے۔ لہذا، جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف امور ظاہری کا علم تھا، آپ حقائق ایمانی سے واقف نہ تھے اور وہ شخص ان حقائق کو کتاب و سنت سے اخذ نہ کرے، تو گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے جس حصے پر ایمان رکھتا ہے وہ رسالت کے دوسرے حصے سے کم تر ہے اور ایسا شخص اس شخص سے بھی بدتر ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں رسالت کے بعض حصے پر تو ایمان رکھتا ہوں اور بعض پر نہیں، مگر یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جس حصے پر اس کا ایمان ہے وہ کم تر حصہ ہے۔“ ۱۵۳

غرض کہ تصوف کا راستہ قرآن و سنت کے خلاف اور ان سے متضاد ہے۔ اسی لیے صوفیہ قرآن و سنت سے مستغنی ہوتے ہیں۔ کبھی وہ ہاتف غیبی کی آواز سے رہنمائی حاصل

کرتے ہیں، کبھی خضر کے وسیلے سے، کبھی فوت شدہ انبیاء اور صوفیہ کی ارواح سے اور کبھی براہ راست خدا سے۔ لیکن صرف یہی نہیں کہ قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنے کشف والہام اور معرفت و سلوک کے ذریعہ قرآن و سنت کی رہنمائی کی خلاف ورزی میں لازمی طور پر اپنی ”حقیقت“ اور ”طریقت“ تصنیف کرتے ہیں اور اپنی تصنیف کردہ حقیقت اور طریقت کو اپنی معرفت کے ذریعہ قرآن میں معنوی تحریف کرنے اور جھوٹی احادیث وضع کرنے اور جھوٹے ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حالاں کہ ہدایت صرف وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ یہی ایک ایسا راستہ ہے جو اللہ سے قریب کر سکتا ہے اور جہنم سے نجات کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز گمراہی ہے اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ ہر وہ عقیدہ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، وہ باطل عقیدہ ہے۔ اس کے خلاف جنگ کرنا اور ایسے عقائد کا قلع قمع کرنا ہر ایک مومن پر فرض ہے۔ ہر وہ شخص جو قرآن و سنت کے علاوہ کسی غیبی علم کا دعویٰ کرتا ہے، خواہ وہ کسی جن، فرشتہ یا کسی اور مخلوق کے ذریعہ حاصل ہونے یا فیضان پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہو یا کشف، شہود، القا اور الہام کے ذریعہ، وہ جھوٹا اور خارج از اسلام ہے۔

ملائکہ

ملائکہ (فرشتے) کارخانہ قدرت کے کارندے اور اہل کار ہیں۔ وہ انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا تو درکنار، صوفیہ نے انہیں اپنے کارندے اور اہل کار کی حیثیت تک دے دی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

نبیوں پر بھی فرشتے ان کے نبوت پر فائز ہونے کے بعد ہی خدا کے حکم سے صرف اسی وقت نازل ہوا کرتے تھے جب انہیں کوئی پیغام پہنچانا یا کام انجام دینا ہوتا تھا۔ لیکن شیخ عبدالقادر جیلانی کو اپنی دس سال کی عمر میں بھی اپنے ارد گرد فرشتے نظر آتے تھے بلکہ انہیں

چلتے ہوئے دیکھتے تھے اور وہ عام بچوں سے گفتگو بھی کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک روایت پیش کرتے ہیں:

”روایت ہے کہ لوگوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے عرض کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں۔ فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی، جب میں مدرسہ جاتا تو راستے میں فرشتوں کو اپنے ارد گرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مکتب میں پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو! اللہ کے ولی کے لیے جگہ کشادہ کرو۔“ ۱۵۴

فرشتے انسانوں کی طرح باختیار مخلوق نہیں ہیں کہ چاہیں تو حکم خدا بجالائیں اور چاہیں تو ان سے سرتابی کریں۔ بلکہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التَّحْرِيم: ۶)

(وہ کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں)

لیکن صوفیہ نے اس مخلوق سے متعلق عقیدے میں بھی چھید کرنے سے باز نہ آئے۔ اول تو انہوں نے اس عقیدے کے خلاف تانے بانے بن دیے کہ فرشتے معصوم عن الخطا ہیں دوسرے یہ کہ انسانوں کے رحم و کرم پر ان کی قسمتوں کو معلق کر دیا کہ انسانی سفارش کے بغیر ان کی معافی تلافی نہیں ہو سکتی۔ پیش ہے ایک اقتباس:

”ایک روز ایک شخص دور دراز سے سفر کر کے خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ابھی بیٹھا تھا کہ ایک خوبصورت جوان خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دعا کا طالب ہوا۔ خواجہ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ اس کے بعد وہ نو جوان یکبارگی غائب ہو گیا۔ اس مسافر نے خواجہ سے دریافت کیا کہ یہ نو جوان کون تھا۔ خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک مسافر تھا۔ اس کا مقام فلک چہارم پر تھا کہ کسی تقصیر کے باعث اس کو اس مقام سے رد کر دیا گیا تھا اور وہ فلک دنیا پر آ گیا تھا۔ اس نے فرشتوں سے کہا کہ میں کیا کروں کہ میری تقصیر معاف ہو جائے اور اللہ تعالیٰ مجھ کو پھر میرے مقام پر پہنچا دے۔ فرشتوں نے

اس کو میرے بارے میں بتا دیا۔ اس لیے وہ طالب دعا بن کر میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس کے حق میں دعا کی اور خداوند تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا اور اس کو پھر پہلا مقام مل گیا۔“ ۱۵۵

قرآن نے منکر آخرت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بتائی ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہیں وہ فرشتوں کو عورتوں کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةً الْأُنثَىٰ ۝

(النجم: ۲۷)

(بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو دیویوں کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں)

صوفیہ نے قرآن کے اس بیان کے خلاف اپنے بزعم باطل یہ ثابت کر دکھایا کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ فرشتے حقیقتاً عورتیں ہی ہیں۔ اس ملعون جسارت کی ایک مثال پیش ہے:

”کسی نے بایزید بسطامی سے سوال کیا کہ آپ کے پاس عورتوں کا اجتماع کیوں رہتا ہے اور اس میں کیا راز ہے؟ فرمایا کہ یہ ملائکہ ہیں جن کو علمی مسائل سمجھاتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ایک شب فلک اول کے ملائکہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے ہمراہ عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا: میری زبان میں وہ طاقت نہیں جس سے میں ذکر الہی کر سکوں۔ لیکن اس کے باوجود رفتہ رفتہ ساتوں افلاک کے ملائکہ میرے پاس جمع ہو گئے اور سب نے وہی خواہش ظاہر کی جو فلک اول کے فرشتوں نے کی تھی۔“ ۱۵۶

تمام فرشتوں یا فرشتوں کی جماعت کو تو بیک وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں دیکھا۔ لیکن ان صوفیہ حضرات کے کیا کہنے۔ یہ تو بیک وقت ملائ اعلیٰ اور ملائ سافل کے فرشتوں کی پوری پوری جماعت کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کی دیدنی قابل دید ہے:

”یہ فقیر (شاہ ولی اللہ دہلوی) جب عالم ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے وہاں ارواح کے یہ طبقے دیکھے — ایک ملائ اعلیٰ کا طبقہ۔ اس طبقے میں میں نے

عالی مرتبہ اور کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتوں مثلاً جبرئیل اور میکائیل کو پایا۔ نیز میں نے اس مقام پر بعض ایسے انسانی نفوس کو دیکھا کہ وہ ان ملائکہ کبار سے ملحق ہیں اور سرتاپا ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ... ملائ اعلیٰ کے بعد میں نے عالم ارواح میں ایک دوسرا طبقہ ملائ سافل کو دیکھا۔ جس شخص کو اس طبقے سے ”نسبت اولیٰ“ حاصل ہو، اس کی علامت یہ ہے کہ اسے خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں فرشتے نظر آتے ہیں۔ فرشتوں کی یہ جماعت جن کاموں پر مامور ہے، سالک انھیں کاموں کو کرتا ہے اور اس ضمن میں ان کو آتے جاتے دیکھتا ہے اور انھیں جانتا اور پہچانتا بھی ہے۔“ ۱۵۷

فرشتوں سے متعلق صوفیہ کے عقیدے کی حد تو یہ ہے کہ ان پر صوفیہ کا حکم بھی چلتا ہے۔ پیش ہے صرف ایک مثال:

”ابوالحسن، محمد بن اسماعیل خیرالنساج سے متعلق فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت شام کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ جب آپ موت کی غشی سے واپس لوٹے تو آنکھ کھول کر ملک الموت کی طرف دیکھا۔ اس وقت آپ نے اس کو کہا: ”ٹھہر جاؤ! اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے۔ تو بھی فرمان پورا کرنے والا بندہ ہے اور میں بھی فرمان پورا کرنے والا ہوں۔ جس چیز کا تجھے حکم دیا گیا ہے، وہ تجھ سے فوت نہ ہوگی یعنی جان لینا، جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ مجھ سے فوت ہو رہی ہے۔ مجھ کو تھوڑی سی مہلت دے تاکہ میں نماز ادا کر لوں یعنی اپنے فرمان کو پورا کر لوں پھر میں اپنی جان تیرے حوالے کروں گا تاکہ تو اپنے فرمان کو پورا کرے۔“ اس وقت آپ نے پانی منگوا یا اور وضو کیا اور مغرب کی نماز ادا کی اور جان خدا کے حوالے کی۔“ ۱۵۸

عقیدہ آخرت

صوفیہ نے توحید و رسالت کے عقیدے ہی کو الٹ کر نہیں رکھ دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی ایمان کے تیسرے جزو آخرت کے عقیدے کا بھی برا حشر کر کے چھوڑا اور اسے بھی بری طرح مجروح کر دیا۔ جنت اور اس کی نعمتوں کی وقعت اور اہمیت کو بالکل ہی ختم کر کے اسے ایسا ہلکا کر دیا کہ اس کا ہونا نہ ہونا یکساں قرار پایا بلکہ جنت کو ہنسی کھیل کا موضوع بنا کر رکھ دیا اور اس کا تمسخر اڑانے میں بھی انھیں باک نہیں ہوتا۔ دوسری طرف جہنم اور اس کی سزاؤں کو بھی ایسا معمولی اور آسان بنا کر رکھ دیا کہ اگر انھیں اس میں دھکے مار کر اوندھے منہ گرا بھی دیا جائے تو انھیں کوئی پروا نہ ہو، بلکہ وہ ہنسی خوشی اس میں گرنا پسند فرمائیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک جہنم دہکتی ہوئی آگ کی سزا نہیں ہے بلکہ لالہ زار نعمتوں بھری جائے قرار ہے۔ غرض کہ قرآن کے پیش کردہ عقیدہ آخرت کی ہمہ جہت خلاف ورزی کرنا بھی صوفیہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ہمیں جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کی دعا کی تلقین کی ہے:

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ (الشعراء: ۸۵)

(اور مجھے جنت کے وارثوں میں سے بنا)

اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمائی کہ تم ہر ممکن کوشش اس بات کی کرو کہ تمہیں جنت حاصل ہو سکے اور جہنم سے نجات مل سکے۔ اس لیے کہ دوزخ کا عذاب بڑا ہی سخت اور ذلت آمیز ہے:

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَاسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

(ال عمران: ۱۳۱-۱۳۲)

(اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دوڑو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جاتی ہے) لہذا، نیک لوگوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ جہنم اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں:

يُؤْفُونَ بِالْأَنذَارِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ (الدھر: ۷)

(وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں سختی عام ہوگی)

وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ (المعارج: ۲۷-۲۸)

(اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، کیوں کہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی بے خوف ہو جائے)

دوزخ بدترین جائے قرار اور بری جگہ ہے:

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (ال عمران: ۱۹۷)

(اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے)

وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

(اور وہ بدترین جائے قرار ہے)

اس لیے بندہ مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوتا ہے:

سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ط

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ (ال عمران: ۱۹۱-۱۹۲)

(تو پاک ہے اے ہمارے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا، اور پھر

ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا)

اسی بنا پر خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ .

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب قول النبی ﷺ ربنا آتنا فی

الدنیا حسنة، الجزء الثامن)

(اے اللہ، اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی

بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذابِ جہنم سے نجات دے)

عقیدہ جنت و جہنم کی بے وقعتی

صوفیہ نے جنت اور جہنم کے عقیدے کو الٹ دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ نہ تو جنت کی رغبت ہونی چاہیے اور نہ جہنم کا خوف۔ بلکہ جہنم کو بخوشی قبول کرنا چاہیے۔ شیخ فرید الدین عطار، ابوسلیمان دارانی کا قول نقل کرتے ہیں:

”رضا کا مفہوم یہ ہے کہ نہ رغبت بہشت رہے اور نہ خوفِ عذاب۔ فرمایا کہ رضا کی تو مجھے ایسی چسکی پڑ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر فرد کو جہنم میں بھیجنا چاہے تو وہ مجبوراً چلے جائیں گے لیکن میں اس کو بخوشی قبول کر لوں گا۔“

ابراہیم بن ادہم (م ۱۶۱ھ/ ۷۷۸ء) دنیا اور آخرت سے قطعی لاپرواہ ہونے کی نصیحت کرتے ہیں:

”ابراہیم بن ادہم نے کسی سے سوال کیا کہ کیا تم جماعتِ حق میں شمولیت چاہتے ہو؟ اور جب اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ دنیا و آخرت کی رتی بھر پرواہ نہ کرتے ہوئے خود کو غیر اللہ سے خالی کر لو۔“

شیخ ابوالعباس قصاب (م ۳۹۷ھ/ ۱۰۰۶ء) فرماتے ہیں:

”شیخ ابوالعباس قصاب نے فرمایا کہ خدا نے دنیا میں ایسے لوگ بھی پیدا کیے، جنہوں نے دنیا کے ہر عیش و راحت کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دیا اور عقبیٰ کی تمام راحتیں اہل عقبیٰ کے لیے چھوڑ دیں اور خود اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو گئے۔“

ابوبکر واسطی کا قول ہے:

”جو شخص طلبِ جنت اور خوفِ جہنم سے بے نیاز ہو کر خدا کے لیے اعمالِ صالحہ کرتا ہے اس کو اپنے اعمال کا اجر حاصل ہوتا ہے۔“

امام قشیری (م ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۲ء) فرماتے ہیں:

”رضا تو یہ ہے کہ تو اللہ سے نہ جنت مانگے اور نہ دوزخ سے پناہ طلب کرے۔“

امام قشیری، احمد بن یزید بن رویم (م ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء) کی روایت نقل کرتے ہیں:

”اعمال میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کے عوض دنیا اور آخرت

میں کوئی چیز نہ چاہے اور نہ ہی فرشتوں سے کوئی حصہ مانگے۔“

صوفی کے منصب کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

”(صوفی) دنیا ترک کر دیتا ہے، خویش و اقارب سے بھی الگ ہو جاتا ہے۔...

اپنے نفس کو مجاہدہ و ریاضت میں لگا دیتا ہے۔ پھر حکمِ الہی کے بموجب آخرت کی

طلب بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس حصے سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے جو

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے جنت میں رکھا ہوا ہے۔ دونوں جہانوں

(دنیا و آخرت) کے میل کچیل سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات کو خدا

ہی کے لیے مخصوص کر دیتا ہے۔ چنانچہ تمام علاقے کے اسباب اس سے خود ہی

دور ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اہل و عیال اور خویش و اقارب کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

خواہشِ ربانی کے سوا باقی تمام خواہشات اس کے دل سے نکل جاتی ہیں۔“

دنیا کے ساتھ آخرت کو بھی میل کچیل کہہ کر اس کی تحقیر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جنت جب

میل کچیل ٹھہری تو اس سے تو پاک و صاف رہنا ہی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ علمو مشاد دینوری

(م ۲۹۸ھ/ ۹۱۰ء) تو جنت کی طرف نگاہ بھر کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے:

”علمو مشاد دینوری کے وصال کے وقت ایک بزرگ پاس بیٹھے تھے۔ وہ (ان

کے لیے) جنت کی دعا کرنے لگے۔ حضرت مشاد نے ہنس کر فرمایا: تمیں سال

تک جنت اپنی ساری دل کشیوں سمیت میرے سامنے آتی رہی مگر میں نے ایک

مرتبہ بھی ان کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں۔“

شیخ ابوسلیمان داؤد بن نصر الطائی (م ۱۶۵ھ/ ۷۸۱ء) اپنے مرید کو ہدایت کرتے ہیں:

”ان اردت السلامة سلّم علی الدنیا و ان اردت الکرامة کبر علی

الآخرة. (اگر سلامتی چاہتے ہو تو دنیا کو سلام کر لو یعنی ترک کر دو اور اگر کرامت

چاہتے ہو تو آخرت پر تکبیر کہو یعنی آخرت کی خواہش ترک کر دو۔“ ۹
مولانا عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں:

”صوفی اغراض کی آمیزش سے پاک اور معزا ہوتا ہے۔ یہ حضرات تو خدا کی عبادت خدا کے لیے کرتے ہیں، نہ کہ اس لیے کہ ثواب اخروی حاصل کریں۔“ ۱۰
امام محمد غزالی بھی اس تعلق سے اپنا کمال یوں پیش کرتے ہیں:

”زہد میں تیسرا درجہ کمال کا ہے۔ یعنی دل میں نہ دوزخ کا ڈر ہو اور نہ بہشت کی امید، بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی محبت میں دنیا اور آخرت کی محبت کو دل سے دور کر دیا ہو، اس حد تک کہ جو چیز خدا کے سوا ہو، اس کی طرف توجہ کرنے سے شرم آئے۔ چنانچہ رابعہ بصری سے لوگوں نے جنت کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ الحجاز ثم الدار یعنی صاحب خانہ گھر سے بہتر ہے۔“ ۱۱
دنیا کے ساتھ آخرت کو بھی چھوڑ دینا ان کے یہاں سچی معرفت ہے:

”سچی معرفت یہ ہے کہ انسان دنیا اور آخرت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا ہی ہو جائے۔“ ۱۲
چنانچہ وہ ہدایت کرتے ہیں کہ دنیا اور آخرت سے انسان پاک و صاف ہو جائے:
”ایک اور محبت نے دعا کرتے ہوئے کہا: میری آنکھیں دنیا اور اس کی زیب و زینت سے کور کر دے اور میرے دل کو آخرت کے خیالات سے پاک فرمادے۔“ ۱۳

شیخ احمد سرہندی ولایت میں دنیا و آخرت سے ہاتھ دھونا ضروری قرار دیتے ہیں:
”اے برادر! مقام ولایت میں دنیا و آخرت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور آخرت کے ساتھ گرفتاری کو دنیا کے ساتھ گرفتاری کی طرح تصور کرنا چاہیے اور درد آخرت کو بھی درد دنیا کی طرح اچھا خیال نہیں کرنا چاہیے۔ امام داؤد طائی فرماتے ہیں: اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو دنیا سے الگ ہو جاؤ اور اگر بزرگی کے طالب ہو تو آخرت سے ناامید ہو جاؤ۔... مختصر یہ کہ فنا جو حق جل و علا کے سوا ہر شے کو فراموش کر دینے سے عبارت ہے، دنیا و آخرت کو شامل ہے۔ اور فنا و بقا دونوں ولایت کے اجزاء ہیں۔ پس ولایت میں نسیاں آخرت سے چارہ نہیں۔“ ۱۴

شیخ ابوالعباس قصاب (م ۳۹۷ھ / ۱۰۰۶ء) کے نزدیک تو صوفیہ کے لیے دنیا و عقبیٰ میں کہیں جگہ نہیں ہے:

”بعض لوگوں نے (شیخ ابوالعباس قصاب سے) پوچھا کہ قیامت میں جب تمام لوگ فردوس و جہنم میں جا چکے ہوں گے تو جواں مرد (صوفیہ) کہاں ہوں گے۔ فرمایا کہ جواں مردوں کے لیے دنیا و عقبیٰ میں کہیں جگہ نہیں ہے۔“ ۱۵

جہنم کی خواہش

صوفیہ صرف جنت کی پروا ہی نہیں کرتے بلکہ وہ جہنم کے آرزو مند ہوتے ہیں اور خدا کے حضور جہنم کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

”ابوموسیٰ دبیلی کہتے ہیں کہ میں نے ابو یزید کو سنا کہتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو میں خدا سے درخواست کروں گا کہ مجھ کو دوزخ میں داخل کرے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں کرو گے؟ جواب دیا کہ اس لیے کہ مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و لطف اپنے اولیاء پر دوزخ میں ہے۔

یہ کلام قبیح تر اقوال میں سے ہے۔ کیوں کہ یہ قول اس چیز کے حقیر جاننے پر شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امر عظیم قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی صفت میں مبالغہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ (البقرة: ۲۴)

(اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) نیز فرمایا:

إِذَا رَأَوْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيْطًا وَ زَفِيرًا ۝ (الفرقان: ۱۲)

(جب وہ (جہنم) دور سے ان کو دیکھے گی تو یہ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سن لیں گے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور فرمایا کہ یہ آگ جو بنی آدم جلاتے

ہیں، دوزخ کی حرارت کی ستر جزوں میں سے ایک جز ہے۔“ ۱۶
ابوبکر شبلی اور جنید بغدادی جنت پر جہنم کو ترجیح اور قابل تشکر قرار دیتے ہیں:

”کسی نے جنید بغدادی کے سامنے (ابوبکر) شبلی کا یہ قول نقل کیا کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو فردوس و جہنم کا اختیار دے دے تو میں جہنم کو اس لیے اختیار کروں کہ جنت تو میری پسندیدہ شے ہے اور جہنم خدا کی۔ لیکن جنید بغدادی نے فرمایا کہ میں تو بندہ ہونے کی حیثیت سے صاحب اختیار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ مجھے جہاں بھیج دے گا شکر بجالاؤں گا۔“ ۱۷

شیخ ابوعلی دقاق (م ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء) جہنم کی بڑی خوبصورت آرزو رکھتے ہیں:

”ایک دن شیخ ابوعلی دقاق نے فرمایا کہ اگر محشر میں اللہ تعالیٰ نے مجھے جہنم رسید کیا تو کفار مجھے اپنا مصاحب دیکھ کر بہت مسرور ہوں گے اور میرا مذاق اڑائیں گے اور مجھ سے پوچھیں گے کہ آج ہمارے اور تیرے اندر کیا فرق ہے؟ میں انھیں جواب دوں گا کہ جواں مردوں کو فردوس و جہنم کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔“ ۱۸

عبدالکریم جیلی کو تو دوزخیوں کو دوزخ میں مختلف لذتوں سے فیضیاب ہوتے دیکھتے ہیں:

”دوزخیوں کو دوزخ میں لذت ہوگی۔ جیسے اس شخص کو لڑائی بھڑائی میں لذت آتی ہے جو اس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ... وہ ربوبیت جو ان کے نفس میں پوشیدہ ہے، ان امور میں خوض کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ پھر ان کے لیے ایک اور بھی لذت ہے جو خارش والوں کی لذت کے مشابہ ہے۔ ... پھر ان کے لیے ایک مختلف لذت ہے۔ حتیٰ کہ میرا ایک جماعت سے (کشف میں) ملنے کا اتفاق ہوا جو دوزخ کے سخت ترین عذاب میں تھے۔ اس حالت میں میں نے ان کو دیکھا کہ جنت ان پر پیش کی جاتی تھی اور وہ اسے اچھا نہیں جانتے تھے۔ ... پھر جاننا چاہیے کہ دوزخیوں میں ایسے آدمی بھی ہیں جو اللہ کے نزدیک بہت سے جنتیوں کی نسبت اچھے ہیں (اس لیے) خدا تعالیٰ نے ان کو دار الشقاۃ (بدبختی کے گھر) میں داخل کیا ہے تاکہ ان پر تجلّی کرے۔“ ۱۹

جنت میں نہ جانے کی آرزو رکھنے کی دلیلیں

مذکورہ عقائد و نظریات کی بنا پر صوفیہ جنت میں نہ جانے کی تحریص اور ترغیب دلاتے ہیں، بلکہ جنت کی رغبت اور دوزخ کے خوف سے نہ جانے والی عبادت کو غلط بتاتے ہیں اور جرم قرار دیتے ہیں۔ آخرت سے لگاؤ کے خلاف ہونا اخلاص عارفانہ کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ معرفت اور دیدار الہی کی لذت ہی ان کے یہاں اصل ہے۔ ابو یزید بسطامی نے جنت کی رغبت سے اس طرح بیزار کرنے کی کوشش کی ہے:

”ابو یزید (بسطامی) نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے ملکوت اعلیٰ اور ملکوت اسفل تک عرش و کرسی، بہشت اور آسمانوں کی سیر کرائی اور پھر فرمایا کہ ان چیزوں میں سے جو چیز تم مانگو گے تمھیں عطا کر دی جائے گی۔ میں نے عرض کیا کہ میں ان سب میں سے کچھ نہیں چاہتا۔ تب ارشاد ہوا کہ بے شک تو میرا اور صرف میرا بندہ ہے۔“ ۲۰

”حضرت ابو یزید (بسطامی) فرماتے ہیں کہ محبت نہ دنیا سے محبت کرتا ہے اور نہ آخرت سے، بلکہ اپنے مولیٰ سے مولیٰ ہی کو چاہتا ہے۔“ ۲۱

شیخ احمد سرہندی جنت کی رغبت اور دوزخ کے خوف کے تحت عبادت کرنے کو اپنی عبادت گویا شرک قرار دیتے ہیں:

”وہ عبادت جو رغبت جنت یا خوف دوزخ کے تحت ہوتی ہے، فی الحقیقت یہ عبادت اپنی عبادت ہے۔ اس سے مقصود اپنی نجات اور اپنا سرور ہے:

تا تو در بند خویشتن باش عشق گوئی دروغ زن باشی
(جب تک تو اپنی بندش میں ہے، تیرا دعویٰ عشق دوزخ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا) ۲۲

ابوبکر شبلی اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے گزارش کرتے ہیں:

”اے اللہ اپنے غیب کے خزانوں میں جنت اور دوزخ کو پوشیدہ کر دے اور ان کی یاد مخلوق کے دل سے مٹا دے تاکہ تیری عبادت جنت اور دوزخ کی لالچ کے بغیر کریں۔“ ۲۳

چنانچہ صوفیہ کے مطابق جنت کے حصول کے خیال سے عبادت کرنا جرم ہے، بلکہ جنت کے حصول کی خواہش بھی دنیا میں مصیبت کا باعث ہو جاتی ہے۔ رابعہ بصریہ (م ۱۸۵ھ/ ۸۰۱ء) کا حال ابو بکر کلابازی (م ۳۸۰ھ/ ۹۹۰ء) اپنی کتاب ”التعرف لمذہب اہل التصوف“ کے صفحہ ۱۵۵ پر درج کرتے ہیں:

”کچھ لوگ رابعہ بصری کی خدمت میں بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوئے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ رابعہ بصری نے جواب دیا: واللہ! مجھے اپنی بیماری کا کوئی سبب نظر نہیں آتا سوا اس کے کہ مجھ پر جنت پیش کی گئی اور میرا دل اس طرف مائل ہو گیا۔ اس پر میرے آقا نے مجھ پر عتاب کیا ہے۔“ ۲۴

رابعہ بصریہ نے ایک بار فرمایا:

”اگر میں تیری عبادت بہشت کی چاہت میں کروں تو مجھے اس سے محروم رکھنا اور اگر تیرے دوزخ کے ڈر سے کروں تو مجھے اس میں جلانا اور اگر تیری عبادت صرف تیری محبت میں کروں تو مجھے اپنے جمال بے مثال سے محروم نہ رکھنا۔“ ۲۵

صوفیہ کے نزدیک ثواب کی امید اور عذاب کے خوف کے بغیر عمل ہی اخلاص کا نتیجہ ہے:

”اخلاص یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال کے اجر کا طالب نہ ہو، اس لیے جو شخص ثواب کی امید اور عذاب کے خوف سے عبادت کرتا ہے، اس کا اخلاص مکمل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس نے تو اپنی بھلائی کے لیے عبادت کی ہے۔“ ۲۶

اسی کی تائید شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (م ۷۵۶ھ/ ۱۳۵۶ء) بھی کرتے ہیں:

”شیخ یحییٰ منیری فرماتے ہیں: نیت جب دنیا کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے تو اس گروہ کے لوگ یعنی اہل تصوف اس کو اخلاص زاہدانہ کہتے ہیں اور جب عقبیٰ و آخرت سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کو اخلاص عارفانہ کہتے ہیں۔“ ۲۷

امام غزالی نے تو بہت ہی برے انداز سے جنت کی تحقیر کی ہے۔ گندی زبان سے ان کی لذت یابی پیش ہے:

”اور بہشت کی لذت بھی پیٹ کی لذت، جنس کی لذت اور آنکھوں کی لذت سے زیادہ نہیں کہ اہل بہشت باغوں میں بیٹھے محو نظارہ ہوں گے۔ اچھے اچھے

کھانے کھا رہے ہوں گے۔ سبزہ و گل اور آب رواں کا تماشا، خوبصورت آرام گاہوں میں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ یہ خواہش اس دنیا میں بھی حکومت، غلبہ اور ریاست کی خواہش کے مقابلے میں حقیر و ناچیز ہو جاتی ہے۔ پھر معرفت کی لذت کے سامنے بطریق اولیٰ حقیر ہو جائے گی۔۔۔ انھیں عزت و مقبولیت کی لذت انھیں بہشت کی لذت سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک بہشت کی لذت، پیٹ، فرج اور آنکھوں کی لذت سے زیادہ نہیں ہوتی۔“ ۲۸

چنانچہ آخرت، جہاں جنت جیسی حقیر چیز ہو، کی بہتری کی دعا کرنا بھی صوفیہ کی شان کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ صوفیہ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کی جزا اور سزا، نفع و نقصان اور جنت و دوزخ کی کوئی حیثیت نہیں ہے:

”ممشاد دینوری کے بارے میں روایت ہے کہ ان کے انتقال کے وقت ایک مرید نے ان کی مغفرت اور بہشت بریں میں جگہ پانے کی دعا کی تو انھوں نے نظر اٹھائی اور فرمایا: کیا واہیات خرافات بک رہے ہو، تیس برس سے کہا جا رہا ہے کہ یہ دیکھو بہشت ہے، پسند کرتے ہو؟ مگر ہم نظر اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھتے۔ یہ بھی کوئی دعا میں دعا ہے۔“ ۲۹

ابراہیم بن ادہم کے سامنے جنت کی حیثیت چھڑ کے پر کے برابر بھی نہیں ہے:

”ابراہیم بن ادہم نے عرض کیا: اے بار خدایا! تو جانتا ہے کہ تو نے جو محبت اور اپنے ذکر کا اُنس مجھے عطا فرمایا ہے اس کے سامنے بہشت میرے نزدیک چھڑ کے پر کے برابر بھی نہیں۔“ ۳۰

ابوعلیٰ احمد بن محمد روزباری (م ۳۲۲ھ/ ۹۳۴ء) جنت کو رشوت قرار دیتے ہیں:

”ابوعلیٰ روزباری نے (انتقال کے وقت) فرمایا کہ آسمان کے درتچے کھل چکے ہیں اور ملائکہ بہشت کو سجا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم تجھے ایسی جگہ پہنچا دیں گے جو تیرے وہم و گمان سے بھی باہر ہے۔ اور حواریں میرے دیدار کی منتظر ہیں۔ لیکن میرا قلب یہ صدا لگا رہا ہے کہ تجھے تیرے حق کی قسم ہے کہ غیر کی جانب نہ دیکھنا اور میں نے اپنی حیات کا بڑا حصہ اس انتظار میں گزارا ہے اور اس وقت بھی میں اس کے سوا

کچھ طلب نہ کروں گا اور جنت کی رشوت پر ہرگز راضی نہ ہوں گا۔“ ۳۱
اللہ تعالیٰ بھی رشوت دیتا ہے اور وہ بھی بندے کو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ معروف کرخی
(م ۲۰۰ھ / ۸۱۵ء) جنت میں جانے سے انکار کرتے ہیں اور جنت کا مذاق اڑاتے ہیں۔
خواجہ حسن دہلوی لکھتے ہیں:

”اولیائے حق اور ان کے کمال محبت کا ذکر چلا۔ اس موقع پر آپ (نظام الدین اولیاء) نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن حشر کے میدان میں معروف کرخی کو لایا جائے گا اور وہ یوں نظر آئیں گے جیسے کوئی حد سے زیادہ مست ہو۔ خلقت انھیں دیکھ کر حیران ہو جائے گی اور پوچھ گئے: یہ کون ہیں؟ پھر وہ یہ آواز سننے لگی کہ یہ ہماری محبت میں مست ہے۔ اسے معروف کرخی کہتے ہیں۔ اس وقت معروف کرخی کو حکم ہوگا کہ بہشت میں چلو، وہ کہیں گے: میں نہیں جاتا۔ میں نے تیری بہشت کے لیے عبادت نہیں کی ہے۔“ ۳۲

امام غزالی نے تو نہایت ہی گھناؤنے الفاظ میں بہشت کا مذاق اڑایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:
”جب اسے (صوفی کو) حضرت الہی کی محبت کا مزہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی دید سے ایک دم صبر نہیں کر سکتا۔ اس جمال لازوال کی دید اس کی بہشت بن جاتی ہے اور آنکھ، پیٹ اور فرج کی شہوت کے حصے میں جو بہشت ہے وہ اس کے نزدیک بیچ اور بری ہو جاتی ہے۔“ ۳۳

یہ صوفیہ اس جہنم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اس کی سزاؤں اور سختیوں کو پھولوں کی بیج باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ خود بھی جہنم میں داخل ہونے کے آرزو مند ہوتے ہیں، جس جہنم سے اللہ تعالیٰ ہمیں خوف دلاتا ہے، اس کی ہولناکیوں سے خبردار کرتا ہے اور اس سے خود بھی بچنے اور اپنے اہل و عیال کو بچانے کی تاکید اُہدایت فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْجِبَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (التَّحْرِيمُ: ۶)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ

سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے، اسے بجالاتے ہیں)

اور یہ صوفیہ اس جنت کا مذاق اڑاتے ہیں، جس کی تعریف خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، جو اس نے اپنے صالح بندوں کو بطور نعمت عطا فرمانے کی خوش خبری دی ہے، وہ جنت جہاں انسانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور و فرحت کے لیے ایسی ایسی نعمتیں مہیا ہوں گی جن کا اس دنیا میں تصور بھی محال ہے، بلکہ اس تصور کا تصور بھی ناممکن ہے اور انھیں خصوصیات کے پیش نظر خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ہدایت فرمائی ہے:

سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ط ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (الْحَدِيدُ: ۲۱)

(دوڑو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

قرآن و احادیث میں پیش کردہ جہنم کی سزاؤں، سختیوں اور ہولناکیوں کے تعلق سے صوفیہ نے عام لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی ہے کہ اگر کسی کو جہنم پھولوں کی بیج باور نہ ہوتی ہو تو وہ یہ بھی جان لیں کہ یہ اکابر صوفیہ آخر کس کام کے ہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ کو سرد کر ہی دیں گے۔ اس طرح نہ جہنم باقی رہے گا نہ اس میں کسی کے جلنے کی نوبت آئے گی۔ شیخ فرید الدین عطار، بایزید بسطامی کے حالات ان ہی کی زبانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فرمایا کہ کاش قیامت جلدی سے آجائے تاکہ میں جہنم کے قریب مقیم ہو جاؤں اور میرے قیام کی وجہ سے جہنم سرد پڑ جائے تاکہ اہل جہنم کو میری ذات سے آرام و سکون حاصل ہو سکے۔“ ۳۴

خواجہ معین الدین اجمیری (م ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) کی زبانی پیش ہے:

”ایک بار خواجہ بایزید بسطامی مقامِ قرب میں تشریف لے گئے۔ ہاتھ نے آواز دی: اے بایزید! تمہاری خواستگاری اور ہماری بخشش و عطا کا وقت ہے، مانگو کیا مانگتے ہو، میں تم کو دوں گا،... خواجہ نے قسم کھا کر عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت و جلال کی اگر تو مجھ کو کل قیامت میں طلب کرے گا اور آتش دوزخ کے سامنے کھڑا کرے گا تو حاضر ہوں گا اور کھڑا ہو کر ایسی سرد آہ کھینچوں گا کہ دوزخ کی حرارت زائل ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ کچھ نہ رہے گی۔ کیوں کہ آتش محبت کے سامنے اس کی کیا اصل ہے۔“ ۳۵

یعنی صرف یہی نہیں کہ جہنم کی آگ کو سرد کر دیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرتے ہوئے اس کے اقتدار و اختیار کے باوجود خود اسی کے سامنے سرد آہ کھینچ کر جہنم کو سرد کر دیں گے۔ ان ہفوات کو کیا کہا جائے۔ اس طرح کی کچھ ہفوات گزشتہ صفحات میں بھی بیان کی جا چکی ہیں۔ لہذا مزید مثالیں طوالت کا باعث ہوں گی۔

صرف یہی نہیں کہ اس طرح جہنم سے نجات مل ہی جائے گی بلکہ جنت کے حصول کا آسان نسخہ بھی بتا دیا گیا۔ وہ نسخہ مجرب پیش ہے:

”(ابوبکر) شبلی نے ایک روز اہل مجلس سے کہا: تم منتخب لوگ ہو، تمہارے لیے جنت میں نور کے منبر بنائے جائیں گے۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی تم پر رشک کریں گے۔ کسی نے پوچھا: کس عمل کے بدلے یہ مقام ملے گا۔ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ علم تصوف پر آپس میں تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔“ ۳۶

اس کے علاوہ دوسرا نسخہ مجرب بھی ہے، جو اس سے بھی سہل اور زود اثر ہے۔ دوسرا نسخہ یہ ہے: ”(شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں، سلسلہ والوں، میرے طریق کا اتباع کرنے والوں اور میرے عقیدت مندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔“ ۳۷

چنانچہ ان سے کسی بھی قسم کا محض تعلق بھی جنت میں رسائی کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے متعلقین اور متوسلین کو چن چن کر کے جنت میں لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک بھی

جہنم میں نہیں جاسکے گا۔ ورنہ اگر شیخ عبدالقادر روٹھ گئے تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔ پیش ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب ”اخبار الاخیار“ سے ایک اقتباس:

”عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ میں نے داروغہ جہنم سے جن کا نام مالک ہے دریافت کیا کہ میرے مریدوں میں سے تمہارے پاس کوئی ہے؟ جواب دیا کہ عزت پروردگار کی قسم! کوئی بھی نہیں۔ (پھر میں نے کہا) دیکھو میرا دستِ حمایت میرے مریدوں پر ایسا ہے، جیسے آسمان زمین کے اوپر۔ اگر میرا مرید اچھا نہیں ہے تو کیا ہوا، میں تو اچھا ہوں۔ جلال پروردگار کی قسم! جب تک میرے تمام مرید بہشت میں نہیں چلے جائیں گے، میں بارگاہِ خداوندی میں نہیں جاؤں گا۔“ ۳۸

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء) اور فرید الدین گنج شکر نے ان سے بھی آسان نسخہ فراہم کر دیا:

”فرید الدین مسعود گنج شکر نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص ملتان سے آیا۔ اس نے کہا: میں شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں تھا۔ ایک مرتبہ جب آپ پر حالت طاری ہوئی تو اپنی خانقاہ سے نکل کر سوار ہو کر ملتان میں پھرے اور ڈونڈی پٹوادی کہ جو شخص آج بہاء الدین کا چہرہ دیکھ لے گا، میں ضامن ہوں کہ قیامت کے دن اسے دوزخ میں نہیں لے جایا جائے گا۔ جوق در جوق مسلمان آکر آپ کا دیدار کرتے اور آپ قسم کھا کر فرماتے کہ قیامت کے دن تم دوزخ میں نہیں جاؤ گے۔ کیوں کہ مجھے کہا گیا ہے کہ اے بہاء الدین جو آج تیرا دیدار کرے گا، قیامت کے دن ہم اسے دوزخ میں نہیں بھیجیں گے۔ جوں ہی اس شخص نے حکایت ختم کی، مجھ پر حالت طاری ہوئی اور کہا: اے درویش! اگر بہاء الدین نے یہ بات کہی ہے کہ جو شخص میرا دیدار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں نہیں بھیجے گا۔ اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دنیا میں جس مسلمان نے میری بیعت کی ہوگی یا مجھ سے مصافحہ کیا ہوگا یا میرے فرزندوں کا ہاتھ پکڑا ہوگا یا میرے مریدوں کی بیعت کی ہوگی یا میرے خانوادہ میں بیعت کی ہوگی وہ ہرگز ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا۔“ ۳۹

اس قسم کی یا وہ گونیاں بھی گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں۔ انھیں وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ دراصل جنت و جہنم ہی نہیں بلکہ آخرت ہی صوفیہ کے عقیدے سے خارج ہے۔ لہذا، وہ اس سلسلے میں ہفوات بکنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ ان کے پاس وہ شیطانی دلیل ہے جسے امام غزالی نے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اگرچہ انسان کا فعل بظاہر اس کے اختیار سے ہوتا ہے لیکن وہ نفس اختیار میں مجبور ہے۔ خواہ چاہے یا نہ چاہے اس کا صدور اس سے ہو کر رہے گا۔ تو اس صورت میں فی الحقیقت اس کا کچھ بھی اختیار نہ رہا۔ ممکن ہے اس موقع پر تم کہو کہ اگر یہ بات ہے تو پھر ثواب و عذاب کس لیے ہے؟ اور شریعت کا قیام کیوں ہوا؟ انسانوں کو تو کچھ اختیار ہی نہیں ہے۔ اسے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ اس مقام کو ”توحید در شرع و شرع در توحید“ (شریعت میں توحید اور توحید میں شریعت) کہتے ہیں۔ اس کے درمیان کمزور ایمان والے بہت سے غرق ہوئے ہیں۔ اس کے تہلکہ سے ایسا ہی شخص محفوظ رہے گا جو پانی پر چل سکے۔ اگر چل نہیں سکتا تو کم از کم پیر ہی سکے۔“ ۴۱

جب انسان بے اختیار محض ہے تو ظاہر ہے کہ ثواب و عذاب بے معنی بات ہے۔ وہ آگے لکھتے ہیں:

”عذاب اس واسطے نہیں ہے کہ تمہارے برے کام کرنے سے کوئی تم پر ناراض ہو کر اس کے بدلے تم کو سزا دینا چاہتا ہے یا تمہارے نیک اعمال سے خوش ہو کر اس کے بدلے میں تم کو خلعت عطا فرماتا ہے، کیوں کہ یہ بات شان الوہیت کے لائق نہیں ہے۔“ ۴۲

چنانچہ وہ ثواب و عذاب کو ایک دوسرے کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ اپنی بات کی تصدیق میں امام غزالی بایزید بسطامی کا قول نقل کرتے ہیں:

”میرے نزدیک توکل یہ ہے کہ اگر کوئی اہل دوزخ کو عذاب میں اور اہل جنت کو راحت میں دیکھے اور دل سے ان دونوں میں فرق سمجھے تو وہ متوکل نہ ہوگا۔“ ۴۳

طوالت سے بچنے کے لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح کی بکثرت

مثالیں گزشتہ صفحات میں مختلف جہتوں سے پیش کی جا چکی ہیں۔ غرض کہ صوفیہ نے صرف توحید، رسالت اور آخرت کے جملہ اجزاء ایمان سے متعلق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ عقائد ہی کو الٹ کر نہیں رکھ دیا ہے بلکہ ان کی جگہ مشرکانہ، بلکہ گستاخانہ اور باغیانہ عقائد و نظریات کے قیام اور استحکام کی انتہائی شد و مد کے ساتھ کوششیں بھی کر ڈالی ہیں تاکہ اسلام پوری طرح مسخ ہو جائے۔



باب ۶

اعمال-۱

(بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے)

صرف یہی نہیں کہ خسران سے بچنے کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح شرط لازم ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر عظیم کے حصول اور داخل جنت ہونے کے لیے بھی دونوں شرط لازم ہیں:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

(الْفَتْح: ۲۹)

(ان لوگوں سے جو ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے ہیں، اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ (مُحَمَّد: ۱۲)

(بے شک اللہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا)

صوفیہ نے صرف ایمان و عقائد ہی کو منہدم کر دینے اور الٹ کر رکھ دینے کی کوششیں نہیں کیں بلکہ اس کے لازم و ملزوم جزء عمل صالح کو بھی خوب مشق ستم بنایا اور ارکان اسلام کو کھیل تماشہ بنا کر رکھ دیا۔ ان کی کچھ مثالیں پیش ہیں:

احکام شریعت کی بجا آوری سے نجات

صوفیہ نے اول تو نماز بلکہ تمام عبادات کی فرضیت ہی کو ساقط کر دینے، انھیں غیر اہم قرار دینے کی کوشش کی اور نماز کو اس قدر حقیر گردانا کہ صبح کے وقت تسبیحات پڑھنے کو ان پر فوقیت بخش دی اور یہاں تک باور کرانے کی کوشش کر ڈالی کہ عبادتیں دراصل کسی کام کی چیز نہیں ہیں بلکہ اگر کوئی چیز کام کی ہے تو وہ صرف تسبیحات ہیں۔ پیش ہے امام قشیری کی کتب پروری:

”میں نے استاد (ابو) علی دقاق کو فرماتے سنا کہ (شیخ ابو محمد) جریری (م ۳۱۱ھ/ ۹۲۳ء) نے جنید (بغدادی) کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: اے ابوالقاسم! کیا

عبادات

ایمان اپنے ساتھ عمل کا متقاضی ہے۔ عمل صالح کے بغیر ایمان کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ یہ ایمان کی نفی کی علامت ہے۔ ٹھیک اسی طرح عمل صالح بغیر ایمان کے ممکن ہی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ایمان کے بغیر بھی عمل صالح ممکن ہے تو اندھیرے میں ہے اور دھوکہ کھائے ہوئے ہے۔ ایمان اور عمل صالح ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں بلکہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں کہ ایک کو دوسرے سے ہرگز الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے:

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ط (التَّوْبَةُ: ۱۱)

(تو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں)

ایمان کو عمل صالح سے اس لیے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کلمہ طیبہ کے صعود کرنے میں عمل صالح شریک عمل ہوتا ہے:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ط (فَاطِر: ۱۰)

(پاک کلمہ اس کی طرف صعود کرتا ہے اور عمل صالح اسے اٹھاتا ہے)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ خسران سے بچنے کے لیے ایمان اور عمل صالح دونوں ہی کو ایک ساتھ شرط لازم قرار دیا ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَقَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

(الْعَصْر: ۲، ۳)

حال ہے؟ جواب دیا: وہ ہمارے اشارات و عبادات سب ملیا میٹ ہو گئیں۔

ہمیں تو صرف تسبیحات نے فائدہ پہنچایا جو ہم صبح کے وقت کہا کرتے تھے۔“۱

چنانچہ نماز جسے عماد الدین کہا گیا ہے، صوفیہ کے یہاں غیر ضروری ہی نہیں ہے بلکہ نماز کا تارک اس قدر بلند مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن تمام صدیقیوں کو نہ صرف تارک نماز بزرگ پر رشک ہوگا بلکہ وہ اس کے بھی متنی ہوں گے کہ ان کی خاک پر وہ تارک نماز بزرگ اپنے قدم رکھ دیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی شگوفہ چھوڑتے ہیں:

”شیخ عین القنطرة (ہمدانی) اپنے ایک رسالے میں رقم طراز ہیں کہ محمد معشوق

(مجنون طوسی) نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مگر میں نے خواجہ محمد عمویہ اور امام غزالی سے

سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن تمام صدیقیوں کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش ہم

خاک ہوتے اور ہماری اس خاک پر کسی دن شیخ محمد معشوق قدم رکھتے۔“۲

یہاں تک کہ نماز کی تحقیر کا یہ انداز تک اختیار کیا جاتا ہے:

”نظام الدین اولیاء سے ایک صاحب کشف دیوانہ کی حکایت نقل کی جاتی ہے

کہ کسی درویش کو جس نے از راہ اخلاق چند عورتوں کے مٹکے پانی سے بھر کر دیے

تھے، بیان کرتے ہیں کہ ”جب وہاں سے واپس آیا اور کمرے میں پہنچا تو وہ

دیوانہ کمرے میں سو رہا تھا۔ میں اندر آیا۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے چاہا

کہ نماز پڑھ لوں۔ بلند آواز سے تکبیر کہی۔ دیوانہ بیدار ہو گیا۔ مجھ سے بولا کہ یہ

کیا زور شور دکھا رہے ہو۔ کام تو بس وہ تھا کہ تم نے ان عورتوں کے گھرے پانی

سے بھر کر دیے تھے۔“۳

اس طرح کی باتیں صوفیہ اس عقیدے کی بنا پر پیش کرتے رہے ہیں کہ وہ معرفت کے

اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں، جہاں احکام شریعت ان سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ

متقدمین سے لے کر متاخرین تک مسلم چلا آ رہا ہے۔ کبھی کہا گیا کہ شیخ کو عبادت کی

ضرورت نہیں ہوتی، کبھی سماع کو عبادت کا درجہ دیا گیا، کبھی پیر کے مقبرے کی زیارت کو حج

کا نعم البدل قرار دیا گیا اور کبھی اپنے آپ کو ”عیال اللہ“ کی سند دے کر انبیاء کی پیروی سے

آزاد ہونے کا پروانہ حاصل کر لیا۔ چند اقتباسات بطور مثال پیش ہیں:

شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ نماز ان سے معاف ہو گئی ہے:

”شیخ بایزید بسطامی کو شیخ ذوالنون مصری نے ایک جائے نماز تحفتاً بھیجی۔ لیکن

انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ اب مجھے مصلیٰ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مسند

کی ضرورت ہے کہ اس پر بیٹھا کروں۔ اب میں ایسا مرفوع القلم ہو گیا ہوں کہ

نماز مجھ سے معاف ہو گئی ہے۔“۴

ان ہی سے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ:

”ایک شخص نے ان (بایزید بسطامی) سے کہا کہ آپ زہد و عبادت کی باتیں

کرتے ہیں۔ حالاں کہ میں نہیں دیکھتا کہ آپ کثیر العبادۃ ہیں۔ اس پر شیخ بایزید

بسطامی مشتعل ہوئے اور کہا کہ زہد و عبادت اور معرفت مجھ سے ہٹا لی گئی ہے۔“۵

شیخ ابوالعباس قصاب سے متعلق روایت ہے:

”شیخ ابوالعباس قصاب کی عادت تھی کہ ان کی خانقاہ میں جب ان کا کوئی مرید

رات میں نفل نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا تو شیخ کہتے کہ سو جاؤ بیٹے! تمہارے

مرشد کی عبادات تمہارے ہی لیے ہیں۔ کیوں کہ بذات خود وہ ان کے لیے

سو مند نہیں ہیں اور نہ ہی انھیں ان عبادات کی ضرورت ہے۔“۶

شیخ ابوسعید ابوالخیر قص کو نماز قرار دیتے ہیں اور حج کی ممانعت کرتے ہیں:

”شیخ ابوسعید ابوالخیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں محفل سماع چل رہی تھی

کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ محفل میں موجود عالم شرع شیخ خواجہ محمد قاسمی نے نماز نماز

پکارا۔ مگر درویشوں کا سلسلہ رقص بند نہ ہوا۔ خود شیخ ابوسعید نے کہا: ”ہم نماز

میں ہیں۔“ یہ سن کر خواجہ قاسمی نماز باجماعت پڑھنے گئے۔ اس پر شیخ ابوسعید نے

کہا: باوجود مثالی عالم ہونے کے تصوف سے ذرہ بھر بھی واقف نہیں ہے۔

شیخ ابوسعید حج کی بھی ممانعت کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہزاروں میل زمین کو

پاؤں تلے اس لیے روندنا کہ پتھروں سے بنے ہوئے ایک گھر کی زیارت کی

جائے بڑی بات نہیں ہے۔ خدا کا سچا دوست جہاں بیٹھتا ہے بیت المعمور دن

رات میں کئی بار اس کے سر کا طواف کرتا ہے۔

شیخ جج کے لیے بے تاب مریدین کو حکم دیتے تھے کہ وہ سرخس میں ابو الفضل حسین (پانچویں صدی ہجری) کے روضہ کا سات بار طواف کریں اور یہ سمجھ لیں کہ جج کا مقصد پورا ہو گیا۔“ ۹

جج کے تعلق سے فوائد الفواد سے ایک اقتباس پیش ہے:

”امیر حسن علائجری (م ۷۳۷ھ / ۱۳۳۶ء) اپنے ایک دوست کے ساتھ حضرت نظام الدین اولیاء کی مجلس میں حاضر تھے۔ دورانِ مجلس امیر حسن علائجری نے عرض کیا کہ میں نے اپنے دوست سے آج ایک ایسی بات سنی جو میرے دل کو لگی۔ میرے دوست نے کہا: ”جج کسے رود کہ اورا پیر نہ باشد“ (جج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو) یہ سن کر حضرت نظام الدین اولیاء کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انھوں نے یہ مصرع فرمایا:

آں رہ بہ سوی کعبہ برو دایں بہ سوی دوست

(وہ راستہ کعبہ کی طرف جاتا ہے اور یہ دوست کی طرف)

اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکر کے انتقال کے بعد مجھ پر جج کا شوق غالب ہوا۔ میں نے کہا کہ شیخ کی زیارت کو اجدوھن جاؤں۔ جب شیخ کی زیارت کو پہنچا تو میرا مقصود (بلکہ) اس سے بھی زائد حاصل ہو گیا۔ دوسری بار پھر یہی معاملہ پیش آیا۔ پھر شیخ کی زیارت کو گیا تو میری مراد پوری ہو گئی۔“ ۱۰

فیوض الحرمین کے حوالے سے ڈاکٹر غلام قادر لون اسقاط الوسائط کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”شاہ ولی اللہ دہلوی بیان کرتے ہیں کہ میرے والد پر یہ الہام کیا گیا کہ آپ سے تکلیف شرعیہ اٹھائی گئیں اور آپ کو اختیار ہے چاہیں تو آپ اعمال بجالائیں چاہیں تو نہ لائیں۔ لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان پر شریعت نافذ رہنے دی جائے۔ اپنے چچا کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ سقوطِ تکلیف کے قائل تھے۔ ان پر بھی الہام ہوا اور کہا گیا کہ اگر تم جہنم کے خوف سے عبادت کرتے ہو تو ہم نے تمہیں جہنم سے نجات دی۔ اگر تم جنت

کے طلب گار ہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس میں آپ کو داخل کریں گے۔ اگر ہماری رضا کے طالب ہو تو ہم تم سے راضی ہیں۔“ ۹

غرض کہ اباحت کے اظہار کے لیے صوفیہ اور متصوفین شعراء نے دلچسپ پیرائے اختیار کیے۔ کبھی انھوں نے نماز و روزہ جیسی عبادتوں کا مذاق اڑایا تو کبھی کعبہ کو ”پس ماندگان راہ“ کی منزل قرار دیا۔ کہیں مسجد کے جلانے کی باتیں کہی گئیں، تو کہیں مصحف کے اوراق کو پھاڑنے کے ارادوں کا اظہار کیا گیا۔ بعض لوگوں نے قاضی کی داڑھی نوچنے کی دعوت دی تو بعض نے فقیہ شہر کی قبر پر رباب بجانے کی قسم کھائی۔ امام ابن تیمیہ نے صوفیانہ گیت نقل کیا ہے:

نعالوا نخرب الجامع و نجعل فیہ خمارة و نکسر المنبر و نجعل منه طنبارة
و نخرق المصحف و نجعل منه رمارة و ننتف لحیة القاضی و نجعل منه اوتارة

(آؤ ہم لوگ مسجد کو خراب کریں اور اس میں شراب خانہ قائم کریں۔ اور منبر کو

توڑیں اور اس سے طنبور بنالیں۔ اور قرآن کو پھاڑ دیں اور اس سے بانسری

بنائیں اور قاضی کی داڑھی اکھاڑ دیں اور اس سے تانت بنائیں) ۱۰

یہ صوفیہ اذان کی تحقیر اور اس کے برخلاف کتے کے بھونکنے کی تعظیم کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

”ابو الحسن نوری کی نسبت میں نے سنا ہے: لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے مؤذن کی اذان سنی تو طعن سے کہا: یہ موت کا زہر ہے۔ پھر کتے کو بھونکتے ہوئے سنا تو کہا: ”لییک و سعدیک“ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ مؤذن کے بارے میں مجھ کو یہ خوف ہے کہ غفلت کے ساتھ ذکر الہی کرتا ہے اور اس کام پر اجرت لیتا ہے ورنہ اذان نہ دیتا۔ لہذا میں نے طعن سے کہا اور کتا بلا ریا ذکر خدا کرتا ہے۔“ ۱۱

جج کے تعلق سے ان کی کارستانیاں پیش ہیں:

”شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم جعفری نے فرمایا کہ حالت مشاہدہ میں ایک لمحہ کی فکر بھی ہزار مقبول ججوں سے افضل ہے۔“ ۱۲

”ابو الفضل (حسن سرخسی، پانچویں صدی ہجری) کے ارادت مندوں میں سے جو

بھی حج کا قصد کرتا تو حضرت ابوسعید اس کو آپ کے مزار کی زیارت کا مشورہ دیتے ہوئے فرماتے کہ وہاں کی زیارت سے تمام مقاصد پورے ہو جائیں گے۔“ ۱۳

ابو القاسم نصر آبادی نے ”ایک مرتبہ کعبہ کے نزدیک آگ روشن دیکھ کر اسی کا طواف شروع کر دیا اور جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو برسوں کعبہ میں تلاش کیا لیکن نہیں ملا اور اب یہاں بھی اس کی جستجو میں آیا ہوں۔ شاید وہ یہاں مل جائے۔“ ۱۴

”ایک خراسانی سے حج پر روانہ ہوتے وقت ابو الحسن خرقانی نے سوال کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مکہ معظمہ کا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں کیوں جارہے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ خدا کی طلب میں جا رہا ہوں۔ فرمایا: کیا خراسان میں خدا نہیں ہے اور جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ نے فرمایا کہ علم حاصل کرو خواہ چین میں ہو۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ خدا کی تلاش میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتے پھرو۔“ ۱۵

دوسری طرف انھوں نے عبادات کو ایسا غیر متوازن بنا کر پیش کیا کہ ان کا حلیہ ہی بگڑ کر رہ گیا۔ کہیں تو چار سو، پانچ سو اور ہزار رکعت نماز کی مشق کرانے کے ساتھ ہی ساتھ انواع و اقسام اور عجیب و غریب نمازیں ایجاد کی گئیں، طویل صوم وصال کے ساتھ ہی ساتھ عجیب و غریب مشق اشتہا کے بڑے بڑے اور بلند کارنامے دکھائے گئے اور کہیں حج کے لیے طواف کعبہ کو الٹ دیا گیا۔ یعنی حج کرنے والے کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ ایسی ہستی ہیں جو کعبہ کا طواف کرنے کے مکلف نہیں ہوتے بلکہ کعبہ ہی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ صوفیہ کا طواف کرے۔

نماز

بکثرت صوفیہ کے یہاں کم از کم چار سو سے لے کر ایک ہزار رکعت نماز یومیہ کے التزام کا ذکر کیا جاتا ہے:

”جنید بغدادی ابتدائے حال میں بازار میں جاتے اور اپنی دکان کھول کر اس کے آگے پردہ ڈال دیتے اور چار سو رکعت نفل ادا کر کے دکان سے گھر واپس آ جاتے۔“ ۱۶

”عبداللہ بن تہسری روایت کرتے ہیں کہ آپ پندرہ دنوں کے بعد کھانا کھاتے اور جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا تو پورا ماہ کچھ نہ کھاتے اور ہر روز رات کو چار سو رکعت نوافل پڑھتے۔“ ۱۷

”مشائخ کرام اپنے مریدوں کو ایک دن اور ایک رات میں چار سو رکعت پڑھنے کا حکم دیا کرتے ہیں۔“ ۱۸

”میں (امام قشیری) نے ابو عبد اللہ الصوفی سے سنا، کہتے تھے: میں نے ابو عبد اللہ (محمد) بن خفیف (م ۳۷۱ھ / ۹۸۱ء) سے سنا وہ فرماتے تھے: شروع میں میں بسا اوقات ایک رکعت کے اندر دس ہزار بار ”قل هو اللہ احد“ پڑھا کرتا تھا اور پھر کئی بار ایسا ہوا کہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا اور کئی بار ایسا ہوتا کہ صبح سے عصر تک ایک ہزار رکعت پڑھا کرتا۔“ ۱۹

”زین العابدین علی بن الحسین الہاشمی (م ۹۴ھ / ۷۱۳ء) کے متعلق کہا گیا کہ وفات تک یہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے رہے۔“ ۲۰

اس کے ساتھ صوفیہ نے نماز کی بہت ساری قسمیں بھی ایجاد کی ہیں: مثلاً نماز خضر، نماز کن فیکون، نماز اولیس قرنی، نماز فقراء، نماز لیلۃ الرغائب، نماز درازی عمر، نماز طلوع و غروب، صلوٰۃ معکوس، صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰۃ الاسرار، صلوٰۃ الایمان، صلوٰۃ البروج، صلوٰۃ السعاده، صلوٰۃ العاشقین، صلوٰۃ القربت، صلوٰۃ فاتح وغیرہ۔ ان نمازوں کے نام، ان کی ادائیگی کے طریقے اور ان کی فضیلتیں ”نوائد الفوائد“ مرتبہ امیر حسن علاء سنجر، ”سیر الاولیاء“، مرتبہ میر خورد وغیرہ کتب تصوف میں مذکور ہیں۔

ان تمام نمازوں میں سے ایک نماز ”نماز معکوس“ ہے، جس کا صوفیہ کے یہاں بکثرت چرچا ہے۔ اس نماز کی حیثیت اور اہمیت کو خوب خوب اجاگر کیا گیا ہے۔ چنانچہ تصوف کی کتابوں میں اس کے بکثرت تذکرے ملتے ہیں۔ اسے نماز کا نام دیتے ہیں حالاں کہ یہ

”شیش آسن“ ہے۔ یہ نماز پیروں میں رسی باندھ کر کسی درخت کے سہارے یا کسی اور صورت کنویں میں اٹے لٹک جاتے ہیں کہ لٹکنے والے کا پورا جسم کنویں کے اندر ہوتا ہے۔ اور اسے اکثر عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد شروع کیا جاتا ہے اور تا وقت فجر جاری رکھا جاتا ہے:

”ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ جو کچھ مجھے ملا، حضرت محمد ﷺ سے ملا، میں نے اس پر عمل کیا ہے۔ جب مجھے علم ہوا (یہ نہیں کس شیطان نے بتایا) کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے صلوٰۃ معکوس ادا کی تو میں ٹانگوں میں رسی باندھ کر ایک کنویں میں الٹا لٹک گیا۔ ابو محمد چشتی (م ۴۱۱ھ/ ۱۰۲۰ء) سے بھی صلوٰۃ معکوس پڑھنا ثابت ہے۔ اس سنت پر گنج شکر نے بھی عمل کیا۔ آپ صلوٰۃ معکوس کے لیے کئی جگہ پھرتے رہے مگر اوج شریف کو یہ مقام حاصل ہوا کہ آپ نے وہاں کی مسجد کا کنواں دیکھا، جس کے اوپر درخت تھا اور مسجد کا امام آپ کو جانتا تھا۔ وہ ہانسی کا رہنے والا تھا اور آپ کا معتقد تھا۔ اس کو اعتماد میں لے کر آپ نے نماز معکوس شروع کر دی۔ وہ عشاء کے بعد آپ کو رسی باندھ کر لٹکا دیتا اور صبح صادق کے وقت آپ کو نکال لیتا۔ آپ مسجد میں آکر مراقب ہو جاتے۔ آپ نے چالیس روز یہ عمل کیا۔“ ۲۱

دیگر اوراد و وظائف

نماز کی کثرت رکعات اور اس کی مختلف قسموں اور ان کی ادائیگی کے مختلف طریقوں کے علاوہ اوراد و اذکار کے لیے بھی مختلف قسم کی چیزیں اختراع کی گئیں۔ مثلاً درود تاج، درود ہزارہ، درود لکھی، شش قفل ہفت ہیکل، چہل کاف، اسمائے عظام، ختم شریف وغیرہ۔ ان اوراد و اذکار کی بکثرت افادیت اور بے شمار ثواب بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کے بتکرار ورد کے ذریعہ رجال الغیب سے امداد طلب جاتی ہے اور گزرے ہوئے لوگوں کی روحوں تک کو حاضر کرنا اور ان سے کلام کرنا عام بات ہے۔ بیماریوں سے نجات کے لیے تعویذ اور جھاڑ

پھونک، مرد و زن کے درمیان جدائی ڈالنے یا ان میں آپس میں محبت ڈالنے، مکان اور دکان کی خیر و برکت، اپنے حق میں مقدمات کے فیصلے کے حصول وغیرہ جیسے کاموں کے لیے ان کا استعمال مجرب بتایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی اوراد و وظائف ہیں جن کے ضرب لگانے سے معرفت الہی کا حصول آسان اور ممکن ہو جاتا ہے، دل کی صفائی اور علاقہ دنیا سے لاتعلقی اور اسی قسم کے متعدد فائدے حاصل ہونے کا شرطیہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ کچھ مخصوص قسم کی نمازیں، اوراد و وظائف اور ریاضتیں ہیں جو مخصوص ایام اور مخصوص اوقات میں اپنی خصوصی تاثیر رکھتی ہیں۔ چنانچہ ان کے التزام کے لیے ان اوقات و ایام کو مخصوص کر لینے اور ان پر مداومت اور پابندی کی ترغیب دی جاتی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے ان کی تفصیلات اور ان کی مثالوں کے پیش کرنے سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

روزہ

روزوں کا بھی انھوں نے یہی حال کر رکھا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی چوں کہ انکا نصب العین ہے، لہذا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر روزے اور صوم وصال سے منع کرنے کے برخلاف طویل سے طویل صوم وصال اور متواتر بلکہ ہمیشہ روزہ دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نماز کی طرح روزوں کی بھی مختلف قسمیں وضع کر رکھی ہیں۔ چند مثالیں پیش ہیں:

بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ عبدالواحد بن زید (م ۷۴۰ھ/ ۷۸۷ء) تین دنوں کے بعد روزہ افطار کرتے تھے۔ ۲۲ خواجہ فضیل بن عیاض (م ۸۱۷ھ/ ۸۰۲ء) پانچ دنوں کا و صلی روزہ رکھتے تھے۔ ۲۳ خواجہ حذیفہ المرثی (م ۸۲۰ھ/ ۸۱۸ء) چھ دنوں کا و صلی روزہ رکھتے تھے۔ ۲۴ خواجہ ابوالفتح (م ۸۲۹ھ/ ۸۲۳ء) سات دنوں کا و صلی روزہ رکھتے تھے۔ ۲۵ اور پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء) چالیس دنوں کا روزہ رکھتے تھے اور چالیس روز کے بعد جنگل کے پتوں وغیرہ سے روزہ افطار کرتے تھے۔ ۲۶

”شیخ ابوعلی سیاه (مروزی) (م ۴۲۴ھ/ ۱۰۳۲ء) مرو کے بزرگ تھے۔ وصال

کے روزے رکھتے تھے۔ ایک بار وہ وصال کے روزوں سے تھے۔ اس زمانے میں میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ چالیس روز تک وصال کے روزوں میں رہے۔ مجھ سے بعض لوگوں نے کہا کہ انھوں نے ایک بار اسی روز کا روزہ وصال رکھا۔ بعض سودن بتاتے ہیں۔“ ۲۷

”علومشاد و بیوری مادر زاد ولی اور صائم الدہر تھے۔ بچپن میں کبھی (روزے کے اوقات میں) دودھ نہیں پیتا تھا۔“ ۲۸

”خواجہ محمد بن ابی احمد (م ۴۱۱ھ / ۱۰۲۰ء) مادر زاد ولی تھے۔ پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا۔ بارہ سال حجرے میں تنہا رہے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔“ ۲۹

”خواجہ سعید ابو یوسف (م ۴۵۹ھ / ۱۰۶۶ء) ایک مرتبہ عبادت میں کچھ کاہل ہو گئے تھے تو بیس برس تک پانی نہیں پیا۔“ ۳۰

فرید الدین عطار، سہل بن عبد اللہ تستری کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پھر کچھ عرصہ بعد تین شبانہ روز کا روزہ شروع کیا۔ پھر سات پھر پچیس یوم کے روزے کو اپنا معمول بنالیا۔ لیکن بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ستر شبانہ روز کے بعد افطار کیا اور کبھی چالیس شبانہ روز کے بعد صرف ایک با دام کھالیا۔“ ۳۱

اسی طرح ہمیشہ روزہ رہنے کی بھی بکثرت روایات بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً ابو محمد رویم

(م ۳۰۳ھ / ۹۱۵ء) خود اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

”میں بغداد میں دو پہر کے وقت ایک سڑک پر سے گزرا۔ اس وقت مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے ایک گھر سے پانی مانگا۔ ایک بچی نے دروازہ کھولا اور اس کے پاس ایک کوزہ تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی کہ صوفی اور دن کے وقت پانی پیے؟ اس کے بعد میں کبھی بھی بے روزہ نہ رہا۔“ ۳۲

ابونصر سراج طوسی کا بیان ہے:

”میں نے ابو الحسن مکی کو بصرہ میں دیکھا کہ وہ ساری عمر روزہ رکھتے تھے اور صرف جمعہ کو روٹی کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ماہ کا خرچ صرف دانق

(۱/۴ درہم) تھا۔“ ۳۳

مالک بن دینار سے متعلق فرید الدین عطار حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”آپ نے بصرہ میں چالیس سال قیام کے باوجود کبھی ایک کھجور بھی نہیں کھائی۔... نفس کشی کے لیے ہفتہ بھر کے روزے رکھے۔ اس کے بعد کھجوریں خرید کر مسجد لے گئے۔ مگر وہاں کھانے سے قبل ہی ایک لڑکے نے اپنے باپ کو آواز دے کر کہا کہ مسجد میں کوئی یہودی آ گیا ہے۔ اس کا باپ یہودی کا نام سنتے ہی ڈنڈا لے کر دوڑا۔ لیکن آپ کو شناخت کر کے معافی کا خواستگار ہوتے ہوئے کہا کہ ہمارے محلے میں دن میں یہودیوں کے سوا کوئی کچھ نہیں کھاتا اور سب لوگ روزہ رکھتے ہیں۔... یہ سنتے ہی آپ نے جوش میں آ کر فرمایا: بچوں کی زبان غیبی ہوتی ہے۔... لہذا اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب کبھی کھجور کا نام بھی نہ لوں گا۔“ ۳۴

رمضان میں پورا رمضان کچھ بھی نہ کھانے پینے کی روایات بھی بکثرت بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً سہل بن عبد اللہ تستری کے متعلق ہجویری بیان کرتے ہیں:

”عبد اللہ بن تستری روایت کرتے ہیں کہ آپ پندرہ دنوں کے بعد کھانا کھاتے اور جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا تو پورا ماہ کچھ بھی نہ کھاتے اور ہر رات چار سو رکعت نوافل پڑھتے۔“ ۳۵

ابوعبید بصری کی کرامات کے ذیل میں قشیری فرماتے ہیں:

”ابوعبید بصری کا طریقہ یہ تھا کہ جب رمضان شروع ہوتا تو ایک کمرہ میں گھس جاتے اور اپنی بیوی سے کہتے کہ دروازے پر پلستر کر دو اور ہر رات کھڑکی سے ایک روٹی ڈال دیا کرو۔ جب عید کا دن ہوتا تو دروازہ کھولتے اور ان کی بیوی کمرہ میں جاتیں تو دیکھتیں کہ تیس کی تیس روٹیاں ویسی کی ویسی ہی ایک کونے میں پڑی ہیں۔ انھوں نے نہ کھایا ہوتا، نہ پیا ہوتا اور نہ سوئے ہوتے اور نہ کوئی رکعت فوت ہوتی۔“ ۳۶

ابونصر سراج فرماتے ہیں:

”سہل بن عبد اللہ تستری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہر پندرہواڑے میں

حج بیت اللہ

صوفیہ نے خانہ کعبہ، حج اور مناسک حج کو بھی نہ بخشا اور ان کی حرمت کو پامال کر کے چھوڑا۔ انھوں نے ان کی تذلیل و تحقیر کی۔ گزشتہ صفحات میں حج کو غیر ضروری قرار دینے، اس کے نعم البدل کے طور پر مزارات کی زیارت کرنے بلکہ مزاروں کی زیارت کو حج پر فوقیت دینے اور اہمیت جتانے اور حج اور ارکان حج کا مذاق اڑانے اور تحقیر کرنے کی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کی یہ کارستانیاں بھی کچھ کم نہیں ہیں جو وہ حج سے متعلق عجیب و غریب ہفتات بکتے ہیں۔ مثلاً صوفیہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ حج کے لیے بیت اللہ تک پہنچے اور اس کا طواف کرے بلکہ خود خانہ کعبہ کو صوفیہ کا طواف کرنے پر مامور ہونا بتایا جاتا ہے۔ بلکہ بعض صوفیہ کے حق میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ بذات خود ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے حضرات صوفیہ کے طواف کے لیے آتا ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں:

”حضرت ابراہیم ادہم جب سفر حج پر روانہ ہوئے تو ہر گام پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہوئے چلے اور مکمل چودہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے۔ اور دوران سفر یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ دوسرے لوگ تو قدموں سے چل کر پہنچتے ہیں لیکن میں سر آنکھوں کے بل پہنچوں گا اور جب مکے میں داخل ہوئے تو وہاں سے خانہ کعبہ غائب تھا۔ چنانچہ آپ اس تصور سے آبدیدہ ہو گئے کہ شاید میری بصارت زائل ہو چکی ہے۔ لیکن غیب سے ندا آئی کہ بصارت زائل نہیں ہوئی ہے بلکہ کعبہ ایک ضعیفہ کے استقبال کے لیے گیا ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ کو احساس ندامت ہوا اور گریہ کنان ہو کر عرض کیا کہ یا اللہ وہ کون ہستی ہے۔ ندا آئی کہ وہ بہت ہی عظیم المرتبت ہستی ہے۔ چنانچہ آپ کی نظر اٹھی تو دیکھا کہ سامنے سے حضرت رابعہ بصری لاٹھی کے سہارے چلی آرہی ہیں اور کعبہ اپنی جگہ پہنچ چکا ہے۔ آپ نے رابعہ بصری سے سوال کیا کہ تم نے نظام عالم کو کیوں درہم برہم کر رکھا ہے؟ جواب ملا کہ میں نے تو نہیں البتہ تم نے ایک ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے جو چودہ برس

ایک بار کھانا تناول کرتے تھے۔ اور جب ماہ رمضان المبارک کا آغاز ہو جاتا تو صرف ایک لقمہ کھاتے۔ میں نے ان کے طعام کے بارے میں ایک شیخ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سہل بن عبد اللہ صرف پانی سے روزہ افطار کرتے تھے۔“ ۳۷

خواجہ ابونصر سراج کے متعلق اسی طرح کی روایت تصوف کی کتابوں میں درج ہے:

”ماہ رمضان میں (ابونصر سراج طوسی) بغداد پہنچے۔ وہاں مسجد شونیزیہ میں گئے۔ وہاں ان کو خلوت خانہ دے دیا گیا اور درویشوں کی امامت ان کے سپرد کی گئی۔ انھوں نے پورے رمضان امامت کی اور تراویح پڑھائی۔ آپ نے تراویح میں پانچ بار ختم قرآن کیا۔ ہر رات کو خادم ایک قرص ان کے خلوت خانے میں رکھتا تھا۔ جب عید کا دن ہوا تو یہ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ خادم جب ان کے خلوت خانے میں گیا تو (دیکھا کہ) پورے مہینے کی ٹکیاں وہاں رکھی ہوئی ہیں۔“ ۳۸

روزے کی قسموں میں سے ایک قسم ہے ”طے کا روزہ“ ۳۹ اس کے متعلق حکایت ہے:

”شیخ فرید الدین گنج شکر نے جب مجاہدہ کرنا چاہا تو اس سلسلے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: طے کا روزہ رکھو۔ چنانچہ شیخ گنج شکر نے طے کے روزے رکھنے شروع کر دیے اور تین روز تک کچھ نہ کھایا۔“ ۴۰

ایک طرف تو اس قدر نماز اور روزوں پر عمل آوری کے تذکرے ہیں اور دوسری طرف نماز اور روزے سے دور کرنے کے لیے یہ فلسفیانہ توجیہ بھی پیش کی جاتی ہے:

”ایک صوفی بزرگ کا قول ہے: القصد الى الله بالقلوب ابلغ من حركات الاعمال بالصلوة والصيام ونحوه. (دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ زیادہ رسا ہے بمقابلہ نماز، روزہ جیسے اعمال کی حرکات سے۔)“ ۴۱

میں کعبہ تک پہنچے ہو۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ ہر گام پر دو رکعت نفل پڑھتا ہوا آیا ہوں جس کی وجہ سے اتنی تاخیر سے پہنچا۔ رابعہ نے فرمایا کہ تم نے نماز پڑھ کر فاصلہ طے کیا ہے اور (میں) عجز و انکسار کے ساتھ یہاں تک پہنچی ہوں۔ اور جب دوسرے سال حج کا زمانہ آیا تو فرمایا کہ گزشتہ سال تو کعبہ نے میرا استقبال کیا تھا اور اس سال میں اس کا استقبال کروں گی۔ چنانچہ فارمدی کے قول کے مطابق ایام حج کے موقع پر آپ نے جنگل میں جا کر کروٹ کے بل لڑھکنا شروع کر دیا اور مکمل سات سال کے عرصے میں عرفات پہنچیں۔“ ۴۲

اس واقعے کی تصدیق نسلاً بعد نسل کی جاتی رہی ہے۔ بلکہ اس واقعے کی روداد درج کرنا صوفیہ نے اپنے اوپر فرض قرار دے لیا ہے۔ مثلاً عثمان ہارونی (م ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء) فرماتے ہیں: ”یوسف چشتی نے فرمایا: جس دن جناب ابراہیم بن ادہم بلخی نے توبہ کی، آپ نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیے۔ کعبہ کی راہ لی۔ ہر قدم پر دو گانہ نفل پڑھتے چلے گئے۔ اس طرح چودہ سال سفر کیا۔ جب مکہ میں پہنچے تو مقام حیرت میں تھے۔ دیکھا کہ خانہ کعبہ وہاں نہیں ہے۔ ندا آئی: صبر کر کعبہ ایک بڑھیا کی زیارت کو گیا ہے۔ ایک مقام حیرت سے مزید حیرت میں تھے۔ خیال آیا کہ چلو چل کر اس کی زیارت کریں۔ قریب پہنچ کر فرمایا کہ یہ کیا تم نے شور ڈال رکھا ہے۔ رابعہ نے فرمایا: یہ شور میں نے نہیں تم نے برپا کر رکھا ہے۔ چودہ سال بعد تو خانہ کعبہ پہنچا، مگر دیدار نصیب نہ ہوا کیوں کہ خواہش خانہ کعبہ کی زیارت تھی اور میری غرض خانہ کعبہ کے مالک کی تھی۔ یہ تیری نظر سے اوجھل یہاں چلا آیا۔ اس پر رابعہ بصری نے فرمایا: اے درویش مرد وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف نظر نہ کرے۔ دنیا اور آخرت میں مبتلا نہ ہو۔ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کی طرف نگاہ نہ کرے۔ جب اس مقام پر پہنچے تو جو کچھ اس کا مال ہے وہ سب دوست (اللہ) کا ہو جاتا ہے۔ دنیاوی مال و دولت سب اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ کعبہ اس کا طواف کرتا ہے۔“ ۴۳

یہ خانہ کعبہ کا طواف کرنا صرف رابعہ بصری (م ۱۸۵ھ/ ۸۰۱ء) ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

بلکہ یہ سلسلہ بہت ہی دراز ہے:

”خواجہ معین الدین سنجر فرمایا کرتے تھے کہ ایک مدت تک میں نے خانہ کعبہ کے گرد طواف کیا۔ لیکن اب خانہ کعبہ میرے گرد طواف کرتا ہے۔“ ۴۴

”قطب الاسلام بختیار (کاکی) نے زبان مبارک سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں کہ جب وہ اپنی کٹیا میں ہوتے ہیں تو خانہ کعبہ کو علم ہوتا ہے کہ جا کر ان کا طواف کرے۔“ ۴۵

اور نہیں تو کم از کم اتنا تو ضرور ہی ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ ان صوفیہ حضرات کے سامنے آ حاضر ہو جاتا ہے جو بھی اس کے دیدار کا متمنی ہو:

”قطب الدین بختیار کاکی نے فرمایا کہ میں نے معین الدین (م ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء) کی زبان مبارک سے سنا، جنہوں نے اپنے شیخ عثمان ہارونی کی زبان مبارک سے سنا کہ سمرقند میں خواجہ مودود چشتی (م ۵۲۷ھ/ ۱۱۳۲ء) کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی آپ کو دیدار کعبہ کا اشتیاق ہوتا تو فرشتوں کو حکم ہوتا کہ خانہ کعبہ کو طشت میں رکھ کر خواجہ کو دکھاؤ۔ جب آپ تمام رسومات ادا کر لیتے تو فرشتے خانہ کعبہ کو اس کے اصلی مقام پر پہنچا دیتے۔“ ۴۶

شیخ احمد سرہندی کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے گرد بھی خانہ کعبہ طواف کے لیے آیا اور طواف کیا:

”ایک مرتبہ عرفہ کی صبح کو فجر کا سلام پھیرنے کے بعد آپ (شیخ احمد سرہندی) قلبہ رو ہی بیٹھے رہے، یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا اور فرمایا کہ آج مجھے زیارت کعبہ کا شوق پیدا ہوا اور حرم پاک کا اشتیاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ یکا یک خود کعبہ میرے طواف کے لیے آیا اور میرے گرد گھومنے لگا۔ تعجب ہے کہ ارباب کشف اس واقعے سے غافل رہے، ورنہ وہ خود اس وقت میرے گرد گھومتے اور میرا طواف کرتے۔“ ۴۷

خانہ کعبہ کا صوفیہ کے گرد طواف کرنا محض کوئی رسم نہیں ہے بلکہ اسے ان صوفیہ کی بزرگی سے برکات کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ محتاج ہے کہ ان صوفیہ حضرات سے برکات

حاصل کرے۔ اور حصول برکات کے لیے ان کا طواف کرنا خانہ کعبہ پر لازم آجاتا ہے۔ شیخ احمد سرہندی خانہ کعبہ کے صوفیہ کے گرد طواف کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر سوال کریں کہ کعبہ حضور ﷺ کے اولیائے امت کے طواف کے لیے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے۔ حالاں کہ اس کی حقیقت، حقیقت محمدی ﷺ پر متقدم ہے تو پھر یہ بات کس طرح جائز ہوگی؟ میں جواب میں کہتا ہوں کہ ... جب حضور ﷺ کی امت میں سے کامل اولیاء کو آنحضرت ﷺ کے عروج و جات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے تو پھر اگر کعبہ ان بزرگوں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے۔“ ۲۸

ریاضت، نہ کہ عبادت

اصل بات یہ ہے کہ صوفیہ نے عبادتوں کو ریاضتوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک عبادتیں اہم نہیں ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عبادتوں سے متعلق ان کے عقائد و احوال بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان کے یہاں اصل چیز ریاضتیں ہیں۔ انھوں نے کچھ مخصوص قسم کی ریاضتیں وضع کر رکھی ہیں۔ ان ریاضتوں میں جو شخص جتنا مشاق اور جتنا زیادہ مہارت کا مظاہرہ کرنے والا ہوتا ہے وہ اتنا ہی بڑا معرفت و حقیقت آشنا، اہل وصل و قرب الہی سمجھا جاتا ہے۔ کشف، الہام اور شہود کے حصول کے ساتھ ہی ساتھ کرامات کے صدور اور اظہار کے لیے بھی یہ مشقیں اور ریاضتیں از حد ضروری متصور ہیں۔ چنانچہ صوفیہ کے یہاں بکثرت ریاضتوں کا بشکل عبادت و غیر عبادت بتواتر ذکر ملتا ہے۔

یہ ریاضتیں کیوں ضروری ہیں؟ شاہ اسماعیل شہید اس کے اسباب بتاتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

”حب عاشقی کے مؤیدات سے ریاضت ہے۔ یعنی کم سونا اور کم بولنا اور لوگوں سے صحبت اور اختلاط کم رکھنا۔ اس لیے کہ حس حیوانی کو ان امور سے رقت اور لطافت حاصل ہو جاتی ہے اور جس قدر روح حیوانی رقیق تر ہو اسی قدر تغلغل اور

شورش اور گرمی کا پیدا ہونا اس میں جلدی سے ہوتا ہے۔“ ۲۹

ان ریاضتوں میں چار قسم کی ریاضتیں بطور اصول بیان کی جاتی ہیں۔ ان کے مشق کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ ان سے متعلق حیرت انگیز واقعات اور کارنامے نقل کیے جاتے ہیں۔ وہ ہیں — قلت طعام، قلت منام (کم سونا)، قلت کلام اور قلت مع الانام (خلق سے کم صحبت و تعلق)۔ صوفیہ کا بلا فصل اجماع چلا آ رہا ہے کہ یہ چار چیزیں تصوف کے ارکان اور اصل ہیں۔

قلت طعام

صوفیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بھوک عظیم ارکان تصوف میں سے ایک رکن ہے۔ اس کے لیے صوفیہ نے بطور اصول بھی گفتگو کی ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

”دوسری بات مقرر کرنے کی وقت غذا ہے کہ کتنی دیر بعد کھائے۔ اس میں تین درجے ہیں۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ کچھ نہ کھائے اور بعض عارفین نے اس باب میں اتنی ریاضت کی ہے کہ تیس روز، چالیس روز کے عرصے تک نوبت پہنچا دی ہے۔“ ۳۰

اسی اصول کے تحت یہ بھی کہا جاتا ہے:

”ابوعلیٰ روز باری فرماتے ہیں: جب صوفی پانچ دن کے بعد کبے کہ میں بھوکا ہوں تو اسے بازار میں جانا لازم ہے۔ پھر اسے مزدوری کرنے کا حکم دیا جائے۔“ ۳۱

پھر یہ کہ بھوکے اور پیاسے رہنے کے عظیم فائدے بیان کیے جاتے ہیں۔ بھوک اور پیاس کو اسرار الہی کے کھلنے کا ایک بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

”بعض علماء کا قول ہے کہ جو کوئی خدا کے واسطے چالیس روز کچھ نہ کھائے۔ اس پر بعض اسرار الہی کھل جاتے ہیں۔ ... یہ ایک بڑا درجہ ہے۔ اس کو ایسا ہی شخص پہنچتا ہے کہ قطع علاق و عادات کر کے مکاشفہ میں مستغرق ہو کر بھوک اور حاجت سے مستغنی ہو۔“ ۳۲

لہذا بھوکے اور پیاسے رہنے کے ایک سے بڑھ کر ایک اور بکثرت بلند بانگ دعوے منقول ہیں، جو غیر فطری اور مضحکہ خیز ہیں۔ علی بن عثمان ہجویری، علی بن بکار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حفص مصیعی کو دیکھا کہ وہ رمضان میں پندرہ دنوں کے بعد کھاتے تھے۔ ۵۳ھ ابراہیم بن ادہم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رمضان کے شروع سے لے کر آخر تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ حالاں کہ سخت گرمی ہوتی تھی اور ہر روز مزدوری پر گندم کاٹتے تھے۔ جو کچھ مزدوری وصول کرتے وہ سب کی سب درویشوں کو دے دیتے تھے۔ ساری رات صبح تک نوافل پڑھتے رہتے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ نہ کھاتے ہیں، نہ سوتے ہیں۔ ۵۴ھ

”کہا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ (تستری) پندرہ دنوں میں کھانا کھایا کرتے تھے اور جب رمضان کا مہینہ آتا تو چاند دیکھنے تک کچھ نہ کھاتے تھے اور ہر رات سادہ پانی سے روزہ افطار کرتے تھے۔“ ۵۵ھ

”شیخ ابو عثمان سعید بن سلام مغربی (م ۳۷۳ھ/ ۹۸۳ء) نے فرمایا بندہ ربانی چالیس یوم تک کھانا نہیں کھاتا اور بندہ صمدانی اسی یوم بھوکا رہتا ہے۔“ ۵۶ھ

”سہل بن عبداللہ (تستری) پندرہ دنوں میں صرف ایک مرتبہ کھاتے اور جب رمضان آتا تو مہینے میں صرف ایک مرتبہ کھاتے۔ بعض اوقات تو وہ ستر دنوں تک بھی کچھ نہ کھاتے۔ جب آپ کھانا کھاتے تو کمزور ہو جاتے اور جب بھوکے رہتے تو قوی ہو جاتے تھے۔“ ۵۷ھ

علی بن عثمان ہجویری یہ بھی فرماتے ہیں:

”متاخرین میں ایک درویش کو میں نے دیکھا کہ اسی دن اور اسی راتیں کچھ بھی نہ کھایا اور اس کی کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں ہوئی۔“ ۵۸ھ

مولانا عبدالرحمن جامی شمس تبریزی (م ۶۴۵ھ/ ۱۲۴۷ء) کے متعلق فرماتے ہیں:

”تین ماہ تک صوم وصال رکھا اور غلوت نشیں رہے۔“ ۵۹ھ

ان ہی سے روایت ہے:

”شیخ ابو الحسن شاذلی (م ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء) فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اسی

دنوں تک مسلسل بھوکا رہا۔ اس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ تجھے اس کام سے کچھ حاصل ہو گیا ہے۔ اتنے میں ایک عورت کو میں نے دیکھا۔ وہ ایک غار سے باہر آئی۔ وہ نہایت ہی خوبصورت تھی۔ اس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ مجھ سے کہنے لگی اے بد نصیب! اسی دن تک بھوکا رہا اور پھر ٹھہر گیا اور اس پر اپنے عمل پر نازاں ہے۔ مجھے دیکھ! چھ ماہ گزر چکے ہیں کہ میں نے کھانا نہیں چکھا ہے۔“ ۶۰ھ

ابو یزید بسطامی نفس کی ریاضت سے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے نفس کو خدا تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اس نے سرکشی کی۔ میں نے اس کو قسم دے دی کہ ایک برس نہ پانی پیوں گا، نہ خواب کا ذائقہ چکھوں گا۔ پس نفس نے اس کو پورا کر دیا۔“ ۶۱ھ

چار سالہ رکاوٹ بھی پیش ہے:

”ایک مرتبہ استاذ ابو عبدالرحمن سلمیٰ کو اپنے استاذ (ابو علی دقاق) سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ ابو عقلم مغربی چار سال مکہ میں رہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہوئی۔“ ۶۲ھ

چھ سالہ رکاوٹ بھی حاضر ہے:

”شیخ انخی محمد دہقانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چھ سال تک کچھ نہ کھائے۔“ ۶۳ھ

سات سالہ رکاوٹ بھی پیش کیا جاتا ہے:

”ابو عبداللہ حصری نے کہا: میں نے صوفیہ میں سے ایک شخص کو دیکھا جس نے سات برس بغیر کھائے گزار دیے۔“ ۶۴ھ

چالیس چلوں کا رکاوٹ بھی رکھا گیا ہے۔ علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں:

”ابو عبداللہ خفیف کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ نے اس سے قبل چالیس چلے بغیر کھانے پینے کے کیے ہوئے تھے۔“ ۶۵ھ

چالیس چلے کیا چیز ہیں؟ چالیس سالہ رکاوٹ تک پیش کیا جا چکا ہے:

”ابو یزید بسطامی کہتے ہیں کہ بنی آدم جو کھاتے ہیں اس میں سے چالیس برس

تک میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اور بہت آسان برتاؤ جو میں نے اپنے نفس سے کیا، یہ ہے کہ ایک بار میں نے اس سے ایک کام کرنے کو کہا۔ اس نے انکار کیا۔ میں نے قسم کھائی کہ سال بھر تک پانی نہ پیوں گا۔ لہذا ایک برس تک پانی نہیں پیا۔“ ۶۶

”ایک بزرگ عیسیٰ ابن نجم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سترہ سال تک اس حالت میں رہے کہ نہ کوئی چیز کھائی نہ کچھ پیا اور نہ سوئے۔“ ۶۷

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ صوفیہ نبیوں سے بھی بڑھ کر اپنی ریاضت کے دعوے دار ہوتے ہیں اور نبیوں کی عزت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ بلکہ دھڑلے کے ساتھ ان کو خود سے کم تر بتاتے ہیں۔ مثلاً:

”ایک بزرگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے اسی کمال سے ایک راہب پر اسلام کی دھاک جمادی۔ اس نے انھیں چیلنج دیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس دن تک ترک طعام پر قدرت رکھتے تھے اور ایسا کرنے پر ایک پیغمبر ہی قادر ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں انھوں نے راہب کے سامنے ساٹھ دنوں تک بھوکے رہنے کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ وہ ان کی اور ان کے دین کی برتری کا قائل ہو گیا۔“ ۶۸

یہ تمام اقوال چندو خانے کی گپیں نہیں ہیں، بلکہ صوفیہ کے سوچے سمجھے منصوبے کا ایک حصہ ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ہر ایک حکم اور ہدایت کی خلاف ورزی میں فکر و خیال اور اعمال و اشغال کا ایک خاکہ ذہن نشین کرادیا جائے اور اس کی اہمیت و افادیت سے بخوبی آشنا کر دیا جائے۔ قرآن کہتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَ اشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (النحل: ۱۱۴)

(تو اے لوگو! اللہ نے جو حلال اور طیب رزق تم کو بخشا ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی

نعمت کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اس کی عبادت کرنے والے ہو۔)

صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی میں ایک سے بڑھ کر ایک بھوکے اور پیاسے رہنے کے دعوے پیش کیے ہیں۔

قلت منام

صوفیہ کے یہاں کم سونا بھی ایک لازمی ریاضت ہے۔ چنانچہ نیند سے دور رہنے کی بھی کچھ عجیب و غریب ریاضتیں بیان کی جاتی ہیں اور لمبے لمبے عرصے تک نہ سونے کے ایک سے بڑھ کر ایک کمالات پیش کیے جاتے ہیں۔ مثلاً شیخ ابو محمد حریری (م ۳۱۱ھ/ ۹۲۳ء) کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سال تک انھوں نے مکہ میں قیام کیا۔ اس دوران نہ وہ سوئے، نہ کسی سے کلام کیا، نہ کسی دیوار یا کھمبے سے انھوں نے ٹیک لگایا اور نہ اپنی ٹانگوں کو پھیلا یا۔ ۶۹ شیخ ابوبکر کتانی (م ۳۲۲ھ/ ۹۳۳ء) تیس سال حرم شریف میں گوشہ نشین رہے۔ اس عرصے میں آپ بالکل نہیں سوئے۔ ۷۰ خواجہ ابو احمد ابدال چشتی (م ۳۵۵ھ/ ۹۶۵ء) تیس برس تک بستر پر نہیں سوئے۔ وہ قطب ابدال تھے۔ ۷۱ ایک بزرگ شیخ ابوبکر بن عیاش (م ۱۹۳ھ/ ۸۰۸ء) نے چالیس سال تک فرش سے پہلو نہیں لگایا۔ ۷۲ ایک دوسرے بزرگ شیخ ابو العباس پستی (م ۳۰۴ھ/ ۸۱۹ء) نے پورے ستر سال تک زمین پر پہلو نہیں رکھا۔ ۷۳ پیران پیر عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۱ء) نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ ۷۴ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (م ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۴ء) کثیر المجاہدہ تھے۔ وہ ستر برس رات کو نہیں سوئے۔ ۷۵ جنید بغدادی (م ۲۹۸ھ/ ۹۱۰ء) نے کامل تیس سال عشاء کی نماز پڑھ کر اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ اللہ کی ہے۔ ۷۶ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ میں نے سڑی (سقطی) (م ۲۵۳ھ/ ۸۶۷ء) سے زیادہ کسی کو عبادت گزار نہیں دیکھا۔ وہ اٹھانوے سال تک زندہ رہے اور سوائے مرض موت کے کبھی زمین پر پہلو نہیں ٹیکا۔ ۷۷ ابو محمد یحییٰ معاذ رازی کہتے ہیں کہ ابو محمد جریری ایک سال تک مکہ معظمہ میں مجاور رہے۔ وہ نہ سوئے نہ کلام کیا اور نہ ستون یا دیوار سے تکیہ لگایا، نہ ٹانگیں پھیلائیں۔ ۷۸ شیخ ابوتراب نخشی (م ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء) کی ریاضت کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک سال تک ایک پاؤں پر کھڑے رہے۔ ۷۹

نہ سونے اور کافی لمبے عرصے تک مستفل جاگنے کے فوائد بھی بتائے جاتے ہیں:

”شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہروی فرماتے ہیں کہ شاہ شجاع چالیس سال تک

نہیں سوئے۔ ایک بار سونے کا شوق اس قدر غالب ہوا کہ نیند آگئی تو دیدار الہی سے سرفراز کیے گئے۔“ ۸۰

لہذا نیند سے بچنے کے لیے بھی طرح طرح کے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں: ”شیخ ابو بکر شبلی نیند کو دور کرنے کے لیے اپنی آنکھوں میں نمک ڈالا کرتے تھے۔“ ۸۱

قلت کلام

صوفیہ کے یہاں قلت طعام اور قلت منام کے ساتھ ہی قلت کلام بھی راہ تصوف کا ایک لازمی رکن ہے۔ بلاشبہ قلت کلام حسن کلام بھی ہے اور اس کی افادیت بھی مسلم ہے۔ لیکن صوفیہ تو مطلقاً کلام ہی کو خیر باد کہنے کے دعوے پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں قلت کلام نہیں بلکہ مکمل زباں بندی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ زبان بندی کے لیے ایسے ایسے طریقے بیان کیے جاتے ہیں کہ زبان کھولنا بھی چاہیں تو ان کے لیے یہ ممکن نہ ہو سکے۔ مثلاً ابوطالب کی (م ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء) ایک بزرگ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ تیس برس تک اپنے منہ میں کنکریاں بھرے رہے تاکہ وہ خاموشی کے خوگر ہو سکیں۔ ۸۲ ایک بزرگ ربیع بن خثیم (م ۶۳ھ/ ۶۸۲ء) کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ بیس سال تک اپنی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالا سوائے چیخنے کے۔ ۸۳ چنانچہ زباں بندی کے بکثرت فوائد بھی گنائے گئے ہیں۔ وہیب بن الورد (م ۱۵۳ھ/ ۷۷۰ء) کہتے ہیں کہ عافیت کے دس حصے ہیں، نو حصے خاموشی میں اور ایک حصہ لوگوں سے فرار ہونے میں ہے۔ ۸۴

قلت مع الانام

صوفیہ کے یہاں چوتھا ضروری اصول دنیا اور دنیاوی معاملات سے ربط و تعلق کا منقطع کرنا ہے۔ گو کہ نام قلت کا دیا جاتا ہے لیکن اصلاً قطع تعلق کی تعلیم دی جاتی ہے۔ عبادت کو تو

انہوں نے خیر باد کہا ہی ہے، ریاضت پر جو اس قدر زور دیا ہے اس کا مقصد بھی دنیا اور آخرت دونوں جہانوں سے بے نیازی ہے۔ لہذا ترک دنیا اور دنیاوی معاملات کی تعلیم، ترغیب اور طریقے تصوف کی تمام کتابوں میں لازماً درج ہوتے ہیں:

”جنید بغدادی کو کہتے سنا گیا کہ ہم نے تصوف کو قیل وقال سے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بھوکے رہنے، دنیا کو ترک کرنے اور پسندیدہ اور مستحسن چیزوں سے قطع تعلق کرنے سے حاصل کیا ہے۔“ ۸۵

احمد مسروق کا قول ہے:

”متقی تارک الدنیا ہوتا ہے۔“ ۸۶

”شیخ ابویعتوب نہرجوری (م ۳۳۰ھ/ ۹۴۱ء) فرماتے ہیں کہ جب تک تو علم و عمل اور مخلوق کو نہیں چھوڑے گا۔ اس کام (تصوف) کے کمال کو نہیں پہنچ سکے گا۔“ ۸۷

”معین الدین چشتی نے فرمایا: میں نے ایک بزرگ سے عارف کی تعریف سنی کہ عارف وہ ہے جو دو جہانوں سے قطع تعلق کر کے مقام فردائیت پر پہنچے۔ یہ راہ وہی اختیار کر سکتا ہے جو سب سے بیگانہ بن جائے۔“ ۸۸

امام غزالی ریاضت کا مقصود بتاتے ہوئے ترک تعلق مع الانام کے طریقے بتاتے ہیں:

”ابو حامد غزالی نے کتاب ”احیاء العلوم“ میں بیان کیا ہے کہ ریاضت سے مقصود یہ ہے کہ دل یک سو ہو جائے اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی کہ آدمی ایک تاریک مکان میں تنہا رہے اور اگر مکان تاریک نہ ہو تو اپنا سر گریباں میں ڈالے یا کسی چادر وغیرہ سے لپیٹے۔ اس حالت میں وہ آواز حق سنے گا اور حضرت ربوبیت کے جلال کا مشاہدہ کرے گا۔“ ۸۹

ابو بکر شبلی صوفی کی تعریف میں کہتے ہیں:

”الصوفی منقطع عن الخلق و متصل بالحق (صوفی خلق سے منقطع اور

حق سے متصل ہوتا ہے)۔“ ۹۰

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو مخلوق سے میل جول کو حرام کر لینے کی سخت تاکید کی ہے:

”مرید کو اپنے اوقات کی نگرانی و حفاظت کرنا چاہیے۔ غیر اللہ کو دل سے دور

کردینا، مخلوق سے میل جول اپنے اوپر حرام کر لینا اور ذکر حق سے انیسیت حاصل کرنا چاہیے۔“ ۹۱

شاہ ولی اللہ بھی سالک کو ہدایت فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

”سالک کو جب وجد و شوق کی کیفیت حاصل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ لوگوں سے بات چیت کم کر دے اور دنیا کے کاروبار سے کنارہ کش ہو جائے۔ نیز جسمانی لذتوں اور اس طرح کی دوسری باتوں کو ترک کر دے۔“ ۹۲

اور شاہ اسماعیل شہید نے تو ترک تعلق مع الانام کی اہمیت، ضرورت اور افادیت واضح کرتے ہوئے تخلیق انسانی کے عظیم مقصد سے ہی لاتعلق کر دینے کی بھرپور کوشش کر ڈالی ہے۔ پیش ہے ”صراط مستقیم“ سے ایک اقتباس:

”اس حب (عشقی) کے بعض آثار میں سے تفرّد ہے۔ یعنی سوائے محبوب کے سب علائق قطع کر دینے اور طرح طرح کے مشاغل اور رنگ رنگ کے علائق کے هجوم اور عروض سے تنگ دل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا۔ مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں اور جمعوں کے قائم کرنے، اہل قربابت وغیرہ ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تزوُّج (نکاح کرنا) اور خانہ داری سے جو تمام علائق کی اصل ہے، عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔“ ۹۳

یہ اصول و نظریہ جو صوفیہ نے پیش کیا ہے، قرآن کے پیش کردہ تخلیق انسانی کے بنیادی مقصد کی صریحاً خلاف ورزی ہے، جس میں کہا گیا ہے:

يٰۤاٰدٰمُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (ص: ۲۶)

(اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر)

ترک طعام، ترک منام، ترک کلام اور ترک انام کے پیش کرنے کا اصل مقصد لوگوں کو دنیا تو خیر سے دنیا ہے، فکر آخرت سے بھی آزاد کر دینا ہے۔ یہ قرآن کی اس تعلیم کی

خلاف ورزی ہے جس میں ہمیں اس طرح دعا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

(البقرہ: ۲۰۱)

(اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے۔ اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے)

یہ تو وہ اصول ہیں جن پر عمل آوری ہر صوفی کے لیے لازم ہے۔ اس کے علاوہ بھی تعذیب نفس کے حیرت انگیز واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی بیان فرماتے ہیں:

”شیخ ابوتراب نخشی کی ریاضت کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک سال تک ایک پاؤں پر کھڑے رہے۔“ ۹۴

امام غزالی متعدد مثالیں بیان فرماتے ہیں:

”منقول ہے کہ ایک عابد نے نفس کے فریب میں آکر کسی عورت پر دست درازی کی۔ اس کے بعد اس نے اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا کہ جل جائے اور کیے کی سزا پائے۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد خانقاہ نشین تھا۔ ایک عورت نے خود کو پیش کیا۔ اس کے پاس جانے کے لیے اس نے خانقاہ سے پاؤں باہر رکھا۔ فوراً ہی خداوند تعالیٰ سے ڈر کر توبہ کر لی اور باہر سے خانقاہ میں واپس آنے کے لیے پاؤں بڑھانا چاہتا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا جو پاؤں معصیت کے لیے باہر نکلا تھا۔ خانقاہ میں کس طرح جاسکتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے پاؤں کو باہر رکھا۔ یہاں تک کہ گرمی، سردی اور دھوپ سے تباہ ہو کر ضائع ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادی سے مروی ہے کہ ابن الکیرتبی (تیسری صدی ہجری) نے کہا کہ ایک رات مجھے احتلام ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ میں اس وقت غسل کر لوں۔ رات بہت سرد تھی۔ میرے نفس نے سستی کی اور کہا کہ اس سرما میں رات کو نہا کر خود کو ہلاک نہ کر، صبح تک ٹھہر۔ صبح کو حمام میں غسل کر لینا۔ تب میں

نے نفس کو اس سستی پر سزا دینے کے لیے قسم کھائی کہ میں اسی وقت کپڑوں کے ساتھ نہاؤں گا اور نہانے کے بعد کپڑوں کو خشک ہونے کے لیے نہیں چھڑاؤں گا۔ ان کو اپنے جسم پر ہی خشک کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور فرمایا کہ ایسے سرکش کو جو خدا کے کام میں تقصیر کرے یہی سزا ہے۔“ ۹۵

صوفیہ تعذیب نفس کو جسے وہ ریاضت اور مجاہدہ کا نام دیتے ہیں، افضل الجہاد قرار دیتے ہیں۔ اس کے لیے ایک جھوٹی حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے واپسی پر فرمایا: رجعنا من الجہاد الا صغر الی جہاد الا کبر۔ (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے) (ضعی احادیث کے ذیل میں اس حدیث کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے) حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ نے ایمان و عقائد اور شعائر و اعمال کے ہر ایک جزو پر تیشے چلانے کی بھرپور کوششیں کی ہیں۔ بھلا وہ جہاد جیسے فریضہ کو کیسے بخش سکتے تھے۔ اس لیے کہ جہاد کو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل عمل بتایا ہے اور مجاہدین کو غیر مجاہدین پر فوقیت بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ط وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ط وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (النساء: ۹۵)

(مؤمنین میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے فضل ہی کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اس

کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھے والوں سے بہت زیادہ ہے)

صوفیہ نے ایک حدیث وضع کر کے جہاد کے اس مرتبے کو پامال کیا ہے۔ مذکورہ وضعی حدیث کے بیان سے تصوف کی شاید ہی کوئی کتاب بچی ہوئی ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اصل مقاصد کیا کچھ ہیں۔ صرف شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ / ۱۲۳۳ء) کی کتاب

”عوارف المعارف“ سے ایک مثال پیش ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”روایت ہے کہ کسی بندہ صالح نے اپنے بھائی کو خط لکھا، جس میں اس کو غزوہ میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ اس کو لکھا تھا کہ اے بھائی تمام سرحدیں میرے گھر میں جمع ہو گئی ہیں اور مجھ پر گھر کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس کے بھائی نے اس کے جواب میں لکھا: اگر تمام لوگ یہی طریقہ اختیار کریں جو تم نے اختیار کیا ہے تو مسلمانوں کے تمام کام درہم برہم ہو جائیں اور کفار غالب آجائیں۔ اس لیے جنگ و جہاد بہت ضروری ہے۔ اس جواب کے جواب میں اس کے بھائی نے لکھا: اے برادر عزیز! اگر تمام لوگ وہ کام کرنے لگیں جس میں میں مصروف ہوں اور وہ اپنے زاویوں (خانقاہوں) میں اپنے مصلوں پر بیٹھ کر ”اللہ اکبر“ کا نعرہ لگائیں تو مسلمان قسطنطنیہ کے قلعہ کو منہدم کر دیں۔“ ۹۶

حتیٰ کہ صوفیہ نے فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تک کی خلاف ورزی ہی نہیں کی بلکہ اسے عیب اور گناہ قرار دے دیا۔ امام غزالی گوشہ نشینی کی افادیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”گوشہ نشینی کا) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عزلت یعنی گوشہ نشینی کی بدولت اکثر گناہوں سے آدمی بچا رہتا ہے۔ چار گناہ ایسے ہیں کہ باہم ملے جلے رہنے سے ہر آدمی ان سے بچ نہیں سکتا — (پہلا) عیب کرنا یا عیب سننا اور یہ گناہ دین کی تباہی کا باعث ہے۔ دوسرا (گناہ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، کیوں کہ آدمی اگر خاموش رہے گا تو فاسق اور نافرمان ہو جائے گا اور اگر ناراضگی کا اظہار کرے گا تو نفرت اور جھگڑے کی صورت پیدا ہوگی۔“ ۹۷



اعمال-۲

معاملات

چوں کہ صوفیہ کا مقصد اسلام کا مکمل طور پر قلع قمع کرنا ہے، لہذا انھوں نے صرف عقائد اور عبادات ہی کو بگاڑ دینے اور الٹ کر رکھ دینے کی کوششیں نہیں کیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ خاندان و معاشرہ، تہذیب و تمدن، معیشت و سیاست کے اس آفاقی، حقیقی اور فطری نظام ربانی کو بھی اوندھے منہ گرا دینے کی انتہائی کوششیں کر ڈالی ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بطور نعمت بخشا ہوا ہے، جو خود اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے، کیوں کہ اسی نظام حق میں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی بھی فلاح و کامرانی ہے۔ قرآن نے واضح طور پر اعلان کر دیا ہے:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا ط (الْمَائِدَة: ۳)

(آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے)

اور صرف یہی نہیں کہ اس میں دنیا اور آخرت کی فلاح و کامرانی ہے بلکہ اس کے برخلاف جو کچھ بھی ہے، وہ ضلالت اور جہالت ہے اور ابدی خسران کا باعث:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ۝ (الْاٰلِ عِمْرٰن: ۸۵)

(اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام اور نامراد رہے گا)

صوفیہ کے یہاں یہ مسلمہ اصول چلا آ رہا ہے کہ انھیں دنیا اور آخرت دونوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ دنیا کے ترک کر دینے سے مراد ان کے یہاں یہ ہے کہ دنیا کے تمام معاملات و تعلقات، انسانی محبت و اخوت، تزویج و تامل، خویش و اقارب، رشتے ناتے، حقوق و فرائض، عدل و احسان، رزق و معاش، علم و نصیحت، ریاست و حکومت وغیرہ تمام چیزوں کو، جنھیں وہ علائق دنیا قرار دیتے ہیں، ترک کر دینا، ان سے لائق ہو جانا اور ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔ غرض کہ حقوق اللہ کی ادائیگی ہی سے سبکدوشی کی تلقین نہیں کی جاتی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ہی حقوق نفس اور حقوق عباد سے بھی ہاتھ جھاڑ لینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں:

”تین چیزیں جس نے طلب کیں وہ دنیا کی طرف مائل ہوا، جس نے طلب معاش کیا یا کسی عورت سے نکاح کیا یا حدیث کو لکھا۔“^۱
شیخ داؤد بن نصر الطائی اپنے مرید کو ہدایت کرتے ہیں:

”ان اردت سلامة سلم على الدنيا و ان اردت الكرامة كبر على
الآخرة (اگر سلامتی چاہتے ہو تو دنیا کو سلام کر لو یعنی ترک کر دو اور اگر کرامت
چاہتے ہو تو آخرت پر تکبر کہہ لو یعنی آخرت کی خواہش ترک کر دو)“^۲
شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

”اے برادر! مقام ولایت میں دنیا و آخرت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔“^۳
علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں:

”میں نے حکایات میں پڑھا ہے۔ حضرت ابراہیم ادہم نے ایک مرد کو کہا کہ تو
چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیوں میں سے ہو جائے۔ اس نے کہا: جی ہاں! آپ
نے اس کو کہا: دنیا اور آخرت کی چیزوں میں سے کسی چیز کی طرف رغبت نہ کر اور
اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے لیے فارغ کر دے۔“^۴

شاہ اسماعیل شہید حبّ عشقی (خدا سے عشق) کے ذیل میں ترک دنیا کی ترغیب دیتے

ہوئے دراصل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے کنارہ کش ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”اس حبّ (عشقی) کے بعض آثار میں سے تفرّد ہے۔ یعنی سوائے محبوب کے سب علاقے قطع کر دینا اور طرح طرح کے مشاغل اور رنگا رنگ کے علاقے کے ہجوم اور عروض سے تنگ دل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا۔ مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں اور جمعوں کے قائم کرنے، اہل قرابت وغیرہ ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تزوُّج اور خانہ داری سے جو تمام علاقے کی اصل ہے، عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔“ ۵

مذکورہ بالا اقتباس اللہ تعالیٰ کی مرضی، اس کی ہدایت اور اس کے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی عبادت کو فرض کیا ہے، لہذا جمعہ کا قیام و اہتمام عمل صالح اور فرض ہی نہیں ہے، بلکہ علامت ایمان اور تصدیق ایمان بھی ہے۔ اسی طرح کسب معاش کی ہدایت بھی اسی اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

(الْجُمُعَةُ: ۹-۱۰)

(اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے ندا دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو۔)

لیکن صوفیہ نے ان سب کو الٹ کر رکھ دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، ڀڑوسیوں، مسافروں اور مملوکوں کے حقوق کی ادائیگی کی ہدایت فرمائی ہے:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ
وََالْيَتَامَىٰ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْخَنَازِ الْجَنَبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنَبِ وَ ابْنِ
السَّبِيلِ لَا وَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ط (النِّسَاء: ۳۶)
(اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ماں باپ
کے ساتھ نیک سلوک کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ
حسن سلوک سے پیش آؤ اور ڀڑوسی رشتہ داروں سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو
کے ساتھی اور مسافر سے اور ان مملوکوں سے جو تمہارے قبضے میں ہیں، احسان
کا معاملہ رکھو۔)

لیکن صوفیہ نے انھیں بھی الٹ کر رکھ دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم فرماتا ہے:

وَ اتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَ الْمَسْكِينِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ (بَنَىٰ اسْرَآئِيلَ: ۲۶)
(اور رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو ان کے حق)

لیکن یہ صوفیہ ان ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نکاح کر دینے کا حکم دیا ہے:

وَ أَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَ الصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ إِمَائِكُمْ ط

(النُّور: ۳۲)

(اور تم میں سے جو مجرد ہوں، ان کے نکاح کر دو اور تمہاری لونڈیوں اور تمہارے
غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے بھی نکاح کر دو)

لیکن صوفیہ نکاح کرنے کو تمام علاقے کی اصل قرار دے کر اس سے نفرت اور وحشت دلاتے
ہیں۔ غرض کہ اَقِیْمُوا الدِّینَ (الشُّورٰی: ۱۳) کی خلاف ورزی اپنے اوپر لازم کرتے
ہوئے صوفیہ نے ہر اس حکم و ہدایت کی خلاف ورزی میں اپنی انتہائی کوششیں صرف کردی
ہیں جہاں تک ان کا بس چل سکا ہے۔ اور انسانی تخلیق کے اس مقصد ہی کو الٹ کر رکھ دیا
ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے خود ہمیں مطلع فرمایا ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط (البَقَرَةُ: ۳۰)

(اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔)

صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور احکامات کے برخلاف خاندان و معاشرہ، تہذیب و تمدن، معیشت و سیاست کی کس طرح خلاف ورزیاں کی ہیں، ان کی چند مثالیں پیش ہیں:

تجرد

مشائخ اس پر متفق ہیں کہ اہل طریقت میں سب سے بہتر اور افضل مجرد لوگ ہیں۔ ۱۔ کیوں کہ عورت اشتغال باللہ، قیام لیل اور صیام نہار کی کثرت سے باز رکھنے کا موجب بنتی ہے، باطن پر فقر کا خوف مسلط کر دیتی ہے اور ذخیرہ اندوزی سے لگاؤ پیدا کر دیتی ہے۔ جب کہ مجرد ان تمام چیزوں سے آزاد ہوتا ہے۔ ۲۔ چنانچہ ترک نکاح اور ترک حصول اولاد کی ترغیب اور تحریریں دلانا تمام صوفیہ نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے۔ ابوسلیمان دارانی کا قول اوپر پیش کیا گیا ہے کہ وہ نکاح، طلب حدیث اور طلب معاش سے باز رہنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اسی طرح فرزند کی خواہش رکھنے والے شخص کو وہ احمق گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک فرزند کا حصول نہ تو دینی فائدہ رکھتا ہے نہ دنیاوی فائدہ۔ ۳۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مطابق اہل وعیال کی صحبت و مجالست سے بھی دل میں کدورت آتی ہے گرچہ اسے عبادت کہا گیا ہے۔ ۴۔ چنانچہ ان کے مطابق تجرد ہی کی زندگی مفید ہے۔ اس طرح کی زندگی بڑی خوش گوار گزرتی ہے۔ ۵۔ غرض کہ ہجویری کے مطابق ”طریقت کی بنیاد ہی تجرد پر رکھی ہے“۔ ۶۔ اور اولاد کی محبت بھی طریقت کے خلاف ہے۔ چنانچہ فتح الموصلی (م ۲۲۰ھ/ ۸۳۵ء) کو غیبی آواز نے بچے کو پیار کرنے سے منع کر دیا اور وہ ہمیشہ کے لیے اس سے باز آگئے۔ ۷۔ اور خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے مریض بچے کے حق میں بیوی کی جانب سے توجہ دلانے کے جواب میں ہدایت کرتے ہیں کہ ”اگر موت آجائے اور بھوک سے مرجائے اور دنیا سے سفر کر جائے تو اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر باہر پھینک دو“۔ ۸۔ ابراہیم بن ادہم اپنے جواں سال بیٹے کے حق میں موت کی دعا کرتے ہیں۔ ۹۔ شیخ سمنون محبت (م

۲۹۰ھ/ ۹۰۲ء) اپنی تین سال کی بچی کے حق میں موت کی دعا کرتے ہیں۔ ۱۰۔

غرض کہ عورت کا وجود ہی بنائے سزا اور عذاب قرار پایا جو اپنے ساتھ ساتھ اولاد کی صورت مزید عذاب و سزا میں اضافے کی موجب ہے۔ چنانچہ جن صوفیہ نے غلطی سے یا بغیر علم کے نکاح کر لیا، اپنے کشفی و الہامی ہدایت کے مطابق نکاح کر لینے کے باوجود بھی تجرد کو برقرار رکھا۔ شیخ عبداللہ خفیف نے تو نکاح کو محض کھیل تماشہ بنا رکھا تھا۔ انھوں نے چار سو نکاح کیے اور قربت سے قبل ہی ان کو طلاق دے دیتے تھے۔ ۱۱۔ شیخ ابواحمد مصعب قلانی (م ۲۹۰ھ/ ۹۰۲ء) کی بیوی ان کے پاس تیس سال رہی پھر بھی باکرہ ہی رہی۔ ۱۲۔ شیخ ابراہیم خواص (م ۲۹۱ھ/ ۹۰۳ء) کی ایک ایسے بزرگ سے ملاقات ہوتی ہے، جو اپنی پینسٹھ سالہ ازدواجی زندگی میں کبھی بھی اپنی بیوی سے نہیں ملے تھے اور دونوں ایک ہی گھر کے دو کونوں میں بالکل اجنبیوں کی طرح رہتے تھے۔ ۱۳۔

صوفیہ نے قرآن کے احکامات اور ہدایات کی خلاف ورزی اپنے اقوال، ملفوظات اور تصنیفات سے کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی باتوں کی دلیل کے لیے بکثرت احادیث بھی وضع کر ڈالیں اور احادیث بھی کچھ ایسے گھناؤنے انداز کی کہ کوئی شریف انسان بھی ایسے کلمات نہیں ادا کر سکتا، کچا کہ کسی نبی کی زبان با بیان سے صادر ہوں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو برس گزر جانے کے بعد اپنی امت کے حق میں کتے کے ایک پلے کی پرورش کو ایک بچے کی پرورش کے مقابلے میں بہتر بتایا (لان یربی احدکم جر و کلب خیر من ان یربی ولدًا)۔ ۱۴۔

حالاں کہ قرآن نے عورت کو آیات الہی میں سے ایک آیت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ہمارے لیے باعث سکون پیدا کیا ہے اور باہمی محبت و ہمدردی کا وسیلہ بنایا:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الرُّوم: ۲۱)

(اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم لوگوں کے واسطے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔)

قرآن کے مطابق عورت اور مرد ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ ظاہر ہے کہ لباس کی ضرورت ایسی ہے کہ اس کے بغیر تو انسان انسان رہ ہی نہیں سکتا۔ قرآن نے بہت ہی معنی خیز استعارہ استعمال کیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط (البَقَرَة: ۱۸۷)

(وہ عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان (عورتوں) کے لیے لباس ہو۔)

خود سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک ورق تجرد کی نفی کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجرد کو اسلام کے خلاف قرار دیا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صالح عورتوں کو بہترین متاع بتایا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ نکاح کو رسولوں کی سنت قرار دیا گیا ہے:

أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالمِسْوَاكُ وَالنَّكَاحُ.

(سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل التزوید،

حدیث ۱۹۱۹)

(چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں — حیاء، خوشبو لگانا، مسواک اور نکاح)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت سعید بن جبیر (مشہور تابعی - م ۹۵ھ) کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

فَتَزَوَّجْ فَإِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَكْثَرُهَا نِسَاءً . (صحيح البخاری، کتاب

النکاح، باب کثرة النساء) ۲۰

(نکاح کرو کہ اس امت کے سب سے بہتر سردار (حضرت محمد ﷺ) کے ازواج

کی تعداد سب سے زیادہ تھی)

اولاد

اولاد اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ایک بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں کئی نبیوں کے متعلق ذکر ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعا فرمائی۔ حضرت زکریاؑ نے دعا کی:

قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝

(الْاِمْرَان: ۳۸)

(انھوں نے دعا کی: اے رب! اپنی قدرت سے مجھے طیب اولاد عطا کر، تو ہی

دعا سننے والا ہے)

حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لیے دعا فرمائی:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (الصَّفّت: ۱۰۰)

(اے رب! مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اللہ تعالیٰ نے بہت سارے رسول مبعوث فرمائے ہیں اور انھیں بھی انھوں نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمُ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ط

(الرَّعْد: ۳۸)

(اے نبی ﷺ! تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم

نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔)

اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف کرتا ہے جو اپنی بیویوں اور اولاد کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ

(الْفُرْقَان: ۷۴)

(اور جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ ”اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور

اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما)

رزق حلال سے اجتناب اور حرام کے حصول کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جہاں نماز جیسی عبادت کا حکم دیا ہے وہیں نماز سے فراغت پا جانے کے بعد روزی کمانے کی بھی ہدایت فرمائی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

(الْجُمُعَةُ: ۱۰)

(پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔)

صوفیہ نے اس کو بھی الٹ کر رکھ دیا ہے۔ نکاح کرنا، حدیث لکھنا اور طلب معاش جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس پر گفتگو کی جا چکی ہے، متصوفین کے یہاں قطعاً غلط اور تصوف کے منافی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ رزق حلال کا حصول ان کے نزدیک غلط ہے بلکہ اس کے برخلاف فحش کا ارتکاب ان کے لیے قابل قبول اور پسندیدہ ہے۔ حتیٰ کہ غرور نفس کے توڑنے اور ذلیل کرنے کے لیے لازمی بھی ہے۔ چنانچہ بھیک مانگنا ان کے یہاں افضل فعل قرار پاتا ہے۔ اس کی فضیلتیں بیان کی جاتی ہیں اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

فان عزة النفس والرياسة لا تنكسر الا بالذل ولا ذل اعظم من ذل

السؤال. ۲۱

(نفس کی عزت اور بڑائی اسے ذلیل کیے بغیر نہیں ٹوٹ سکتی اور بھیک مانگنے سے

بڑھ کر ذلت اور پستی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔)

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کچھ وقت تک بھیک مانگنے کا عمل جاری رکھا جائے تاکہ تکبر اور غرور نفس کا نام نہ رہے۔ ۲۲

اسی طرح رزق حلال کی جگہ رزق حرام کی وکالت بھی اپنی مثال آپ ہے۔ علی بن عثمان بھویری حلال خوری سے اجتناب کرنے اور حرام خوری اختیار کرنے کی سہل بن عبد اللہ تستری کے الفاظ میں کیا خوب وکالت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

”سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک شراب سے بھرا ہوا پیٹ

حلال کھانے سے بھرے ہوئے پیٹ سے بہتر ہے۔ لوگوں نے پوچھا: یہ کیوں؟

تو آپ نے کہا: اس لیے کہ جب شراب کے ساتھ پیٹ بھر جائے گا تو عقل ختم

ہو جائے گی اور شہوت کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی اور مخلوق اس کے ہاتھ اور

زبان سے امن و سلامتی میں رہے گی۔ لیکن جب حلال کھانے سے پیٹ بھر

جائے گا تو فضول قسم کی آرزوئیں دل میں پیدا ہوں گی، شہوت زیادہ ہوگی اور

نفس اپنے نصیب کی طلب و تلاش میں سراٹھائے گا۔“ ۲۳

خاندان، معاشرے کی بنیادی اینٹ ہے۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ کا تجرد کی زندگی اختیار کرنا، اولاد کی پرورش کرنا تو دور کی بات ہے، ان سے دوری اور وحشت حتیٰ کہ ان کی موت کی تمنا اور دعائیں کرنا، روزی کمانے سے روک دینا، اہل و عیال اور خویش و اقارب سے قطع تعلق کی تعلیم دینا وغیرہ دراصل معاشرے کے وجود ہی کو ختم کر دینے کی کوشش ہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ نہ انسانی وجود باقی رہے نہ معاشرے کے اصول و آداب، حقوق و فرائض، دستور و ضوابط، نظم و نسق، تہذیب و تمدن، معیشت و سیاست، سمع و طاعت، حلال و حرام وغیرہ کی تعلیم و تلقین، ترسیل و تبلیغ، تعمیل و تنفیذ کا سوال پیدا ہو۔



باب ۸

علم

کتاب کے جھگڑتے ہیں۔)
صوفیہ کی علم دشمنی دراصل ان کی خواہش پرستی ہے۔ علم سے بے نیاز ہو کر جو کوئی بھی کوئی طریقہ اختیار کرے گا وہ ضلالت ہی کی نذر ہو کر رہے گا:

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۚ
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ۝ (الرُّوم: ۲۹)

(بلکہ یہ ظالم تو بغیر علم کے خواہش پرستی کر رہے ہیں، اسے کون ہدایت دے جب کہ اللہ تعالیٰ ہی ضلالت میں ڈال دے اور ان کا ایک بھی مددگار نہیں۔)
امام قشیری ابوبکر وراق (م ۳۴۷ھ/ ۹۵۸ء) کا قول نقل کرتے ہیں:

”تین چیزیں مرید کے لیے آفت ہیں — شادی، حدیث لکھنا اور سفر کرنا۔“
علی بن عثمان ہجویری لکھتے ہیں:

”حصری فرماتے ہیں: توحید میں پانچ چیزیں ہمارے اصول ہیں... اور پانچویں جس چیز کو جانتا ہے اسے بھی اور جس چیز کو نہیں جانتا ہے اسے بھی بھلا دینا ہے۔“
شیخ یعقوب نہر جوری نے تو تصوف کے کمال کی شرط علم و عمل اور مخلوق کا ترک کر دینا قرار دے دیا ہے:

”شیخ ابویعقوب نہر جوری فرماتے ہیں کہ جب تک تو علم و عمل اور مخلوق کو نہیں چھوڑے گا اس کام (تصوف کے کمال) کو نہیں پہنچ سکے گا۔“

صرف اسی قدر نہیں ہے بلکہ ایک صوفی کے لیے حصول علم کا عمل صوفیہ کے نزدیک اس قدر قابلِ مذمت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں بے ادبی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شیخ ابوبکر الدقی (۳۵۹ھ/ ۹۶۹ء) سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں فقیروں کی بے ادبی کسے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: انحطاطہم من الحقیقة الی العلم ۴ (حقیقت سے ان کا علم کی طرف گرنا)۔“

”چنانچہ مریدوں کے لیے صاف صاف کہا گیا کہ انہیں علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اسے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی حاجت ہے۔ شیخ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ مرید صادق علماء کے علم سے بے نیاز ہوتا ہے۔“ ۵

انسان کی صلاح و فلاح اور سعادت و کامرانی کی بنیاد سراسر علم و ہدایت پر ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ظاہر ہے کہ علم و جہل یکساں نہیں اور نہ ان کے نتائج ہی یکساں ہو سکتے ہیں۔ علم کو نور اور جہالت کو تاریکی کہا گیا ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَ الْبَصِيرُ ۚ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۚ

(فَاطِر: ۱۹-۲۰)

(اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے اور نہ تاریکیاں اور نور یکساں ہیں۔)

سبجھ بوجھ کا تعلق علم سے بندھا ہوا ہے:

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعُلَمَاءُ ۝ (الْعَنْكَبُوت: ۴۳)

(اور ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خوف بھی علم ہی کی بنا پر ممکن ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ ط (فَاطِر: ۲۸)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اللہ تعالیٰ

سے ڈرتے ہیں۔)

صوفیہ نے علم کی اہمیت، ضرورت، افادیت اور فرضیت ہی کو ختم نہیں کیا بلکہ سرے سے علم ہی کو ختم کر دینے اور اس سے قطع تعلق کر لینے کی کوششیں کرتے رہے اور اس کی ترغیب دیتے رہے ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ ۚ

(الْحَجَّ: ۸)

(بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن

”صوفیہ علوم کو حجاب اکبر تصور کرتے ہیں اور شروع ہی سے ’صد کتاب و صد ورق در نارکن‘ کے حکم پر عمل پیرا ہیں۔ ان کے نزدیک تصوف اور علم دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لیے ایک صوفی کو کتابوں سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔“ ۶۔ ”چنانچہ بغداد میں بعض صوفیہ ایسے بھی تھے جو حدیث لکھ کر اسے دریائے دجلہ میں پھینکتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے اس کا حق ادا کر دیا۔“ ۷

امام محمد غزالی مذکورہ عقیدہ و فکر کی تائید اور تصدیق کرتے ہوئے ان کی توجیہات بھی اپنی فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

”سابقہ بیانات سے تمہیں بندگی کی اصلیت معلوم ہوگئی ہوگی اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ صوفیوں کی راہ کیا ہے؟ تم نے یہ سنا ہوگا کہ صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ علم اس راہ کی آڑ ہے اور تم نے اس سے انکار کیا ہوگا۔ حالاں کہ تمہیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ صوفیہ کا یہ کہنا بالکل صحیح اور حق ہے۔ اس لیے کہ اگر تو محسوسات اور ان کے علم کے ساتھ مشغول رہے گا تو یہ شغل اس حال سے پردہ اور حجاب ہوگا اور جہاں تک دل کا تعلق ہے وہ حوض کے مانند ہے اور حواس گویا پانچ نہریں ہیں، جن کے ذریعہ حوض میں پانی جاتا ہے۔ اگر تو یہ چاہے کہ حوض کی تہہ سے صاف پانی نکلے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ جو پانی باہر سے حوض میں آتا ہے اور جس کے سبب کچڑ ہو جاتا ہے اسے حوض سے نکال دے اور نہروں کا راستہ بند کر دے تاکہ باہر سے پانی نہ جانے پائے اور حوض کو کھودنا کہ اس کی تہہ سے صاف پانی نکلے۔ یاد رکھ جب تک بیرونی پانی حوض میں بھرا رہے گا ممکن نہیں کہ اس کی تہہ سے پانی نکل سکے۔“ ۸

شیخ احمد سرہندی صاف صاف اعلان فرماتے ہیں:

”جب تک تمام علوم سینہ سے دور نہ ہو جائیں اور انسان جہل مطلق سے موصوف نہ ہو جائے فنا سے حصہ نہیں پاسکتا اور یہ حیرت اور جہل دائمی ہے۔ اس کے زوال کا امکان نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی زائل ہو جائے اور (پھر) حاصل ہو جائے۔“ ۹

صوفیہ اصلاً جس علم کے منکر ہیں اور اپنے مریدوں کو باز رہنے کی ہدایت کرتے ہیں وہ فی الحقیقت قرآن و سنت کا علم ہے، جسے علم ظاہری کا نام دے کر سطحی اور کم تر علم قرار دیتے ہیں۔ ورنہ انہیں تو اپنے ان علوم پر ناز ہے، جنہیں وہ قرآن و سنت سے مستغنی ہو کر دوسرے راستوں اور طریقوں سے حاصل کرتے ہیں۔ کبھی وہ ہاتھ غیبی کی آواز سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، کبھی خضر کے وسیلے سے، کبھی فرشتے انہیں علم القاء کر جاتے ہیں، کبھی انبیاء اور صوفیہ کی ارواح انہیں علم سکھا جاتی ہیں، کبھی عیسائی راہب کی رہنمائی انہیں حاصل ہوتی ہے اور کبھی براہ راست خدا تعالیٰ ہی سے جب چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں علوم لے کر آجاتے ہیں۔ یہ علمی فیضان و معرفت انہیں کبھی کشف و الہام کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے کبھی شہود و صعود کے ذریعہ۔ ان کے یہ علوم اس قدر دقیق اور عمیق ہوتے ہیں کہ ان کی تفہیم اور ترسیل سے علماء و فقہاء کی فہم و بصیرت اور ان کے ادراک و مشاہدے عاجز ہوتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن و سنت کا علم رکھنے کی وجہ سے وہ ان علوم باطنی سے بہرہ ور ہو ہی نہیں سکتے جن سے عام صوفیہ متصف ہوتے ہیں۔ ابونصر سراج طوسی فرماتے ہیں:

”صوفیہ کرام نے ایسے مسائل و نکات علوم دینیہ میں پیدا کیے ہیں جو فقہاء و علماء کی فہم سے بالا ہیں اور یہ باریک مسائل ان اشارات میں مخفی ہوتے ہیں جن کی نشان دہی صرف صوفیہ کی بصیرت ہی کر سکتی ہے۔ جیسے عوارض، علائق، جبابات، پوشیدہ اسرار، مقامات اخلاص، احوال معارف، حقائق افکار، درجات قرب، حقیقت توحید، منازل تعزیر، عطا کرنے والے کے دیدار کی بقاء، عطائے محسن کی فنا، احوال و مقامات سے گزر، احساس مقصد کو احساس مقصود میں فنا کر دینا اور دشوار گزار تاریک راستوں کو طے کرنا۔ یہ ہیں وہ موضوعات جو صوفیہ ہی کا حصہ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مذکورہ تمام موضوعات سے متعلق پیچیدگیوں کا علم ہے۔ خلوت ہو کہ جلوت وہ ہر وقت ان پر کار بند رہتے ہیں اور ان کی آبیاری خون جگر سے کرتے ہیں۔ انہیں ان سے اس قدر آگہی حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان کے ذائقے اور کمی بیشی کے بارے میں صحیح معلومات دے سکتے ہیں۔ وہ ان نکات اور مسائل کے بارے میں کسی بے دلیل دعوے کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ ان میں سے

غلط اور صحیح کی پہچان رکھتے ہیں۔ یہ اجمالی گفتگو تفصیلات سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ... ان کے اہل لوگ اس کی سمجھ رکھتے ہیں اور علماء ان کا انکار نہیں کرتے۔ مگر کچھ ظاہری علوم رکھنے والے اس علم تصوف کے قائل نہیں، کیوں کہ وہ کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ سے صرف ظاہری احکام ہی کا علم رکھتے ہیں۔“ ۱۰

امام محمد غزالی فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ اہل تصوف علوم الہامی کی طرف راغب ہوتے ہیں علوم تعلیمی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ کتابیں مصنفین کی نہیں پڑھتے اور اقوال اور ادلہ سے بحث نہیں کرتے۔“ ۱۱

علوم تعلیمی کی طرف مائل نہ ہونے کی دلیل دیتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

”کچھ تعلیم اور نوشت و خواند کتب سے نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں زہد کرنے اور خلاق سے منقطع ہونے اور اشغال دنیاوی سے فارغ البال ہونے اور تمام ہمت متوجہ الی اللہ ہونے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ جو حق تعالیٰ کا ہو رہتا ہے اللہ تعالیٰ

اس کا ہو جاتا ہے۔“ ۱۲

امام غزالی صاف صاف بیان کرتے ہیں کہ ”وہ (معرفت حق) نہ تو حدیث میں صاف صاف وارد ہے اور نہ قرآن میں۔“ ۱۳

غرض کہ صوفیہ کا اس علم سے صرف انکار ہی نہیں ہے جس علم کو اللہ تعالیٰ نے نور و ہدایت قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، انہیں ضلالت اور گمراہی ٹھہرایا ہے اور سیدھے جہنم میں پہنچنے کا ذریعہ بتایا ہے، بلکہ اس علم حق کے بالمقابل صوفیہ نے دیگر نام نہاد علوم وضع کیے ہیں اور ان علوم کو قرآن و سنت کے علم کے مقابلے میں علم حقیقی، مغز، اصل اور فائق قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اول روز سے ہی صاف صاف ہدایت فرمادی ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (البقرة: ۳۸-۳۹)

(ہم نے (آدم و حوا سے) کہا، تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف

سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔)

قرآن کی پیش کردہ اس ہدایت کے برخلاف اور سخت تنبیہ و انذار کے باوجود صوفیہ اپنے وضع کردہ علوم کو علوم باطنی یا علم لدنی کا نام دیتے ہیں اور ان علوم کو واضح طور پر کتاب و سنت کے علم سے جدا گانہ اور بزعم خود اللہ تعالیٰ سے براہ راست اخذ کردہ باور کراتے ہیں۔ شیخ ابوطالب مکی (م ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء) اس علم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا هو العلم النافع الذي بين العبد وبين الله تعالى وهو الذي يلقاه به. ۱۴
(یہ وہ علم نافع ہے جو بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اور یہی ان دونوں کے درمیان لقاء کا واسطہ ہے۔)

”شیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۳۰ء) کہتے ہیں کہ اہل ذوق اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کر لیتے ہیں۔ وہی ان کے معاملے میں اپنی خاص رحمت اور مہربانی کے طور پر اس علم کو اپنے پاس سے ان کے سینوں میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ اس نے اپنے بندہ خضر کے بارے میں بتایا ہے۔“ ۱۵ شیخ عبدالوہاب شیرانی کے مطابق ”اصل علم وہ ہے جو کشف و شہود کے ذریعہ حاصل ہو نہ کہ نظر و فکر اور ظن و تخمین کی وساطت سے۔“ ۱۶ شیخ ابونصر سراج کا کہنا ہے کہ اس علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اے ان کے بقول تمام علوم کا مقصد بھی علم حقائق ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ سمندر میں مل جاتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ تم اسے علم قلوب، علم معارف، علم اسرار، علم باطن، علم تصوف، علم احوال اور علم معاملات جو چاہو کہو، معنی ایک ہیں۔ ۱۸ غرض کہ ”تمام صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس علم کے لیے خدا اور بندے کے درمیان کسی درمیانی واسطے (یعنی کتاب و سنت) کی ضرورت نہیں ہے۔“ ۱۹ امام غزالی فرماتے ہیں:

”یہ علوم کتابوں میں نہیں لکھے جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے تھوڑا سا حصہ جس بندہ کو عطا کرتا ہے وہ دوسروں سے اس کا بیان نہیں کرتا سوائے ان لوگوں کے جو اس کے اہل ہوں اور وہ اس کے شریک راز ہوتے ہیں۔“ ۲۰

شاہ اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء) بھی علم شریعت اور علم تصوف دونوں کو اول تو پیغمبروں کا علم قرار دیتے ہیں اور پھر علم صوفیہ کو مخصوص عنایت قرار دیتے ہیں اور ظاہری علم یعنی وحی سے پہنچنے والے علم پر فوقیت جتاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اور ان (صوفیہ) کے علم کو جو بعینہ پیغمبروں کا علم ہے، لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوا ہے، حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو مخصوص عنایت کی وجہ سے اپنے امثال میں امتیاز حاصل ہوا ہے۔“ ۲۱

شاہ ولی اللہ دہلوی بھی صوفی طریقوں کو نبوی طریقے سے الگ بتاتے ہیں:

”شاہ ولی اللہ نے نبوی اور صوفی طریقوں کے درمیان فرق کو واضح الفاظ میں تسلیم کرتے ہوئے ’حجۃ اللہ البالغہ‘ میں لکھا: سعادت کے حصول کے دو طریقے ہیں — ایک متاہلین (الہیاتی) حکماء اور مجذوب صوفیہ کا اور دوسرا طریقہ وہ ہے، جس کے لیے انبیاء کی بعثت ہوئی۔“ ۲۲

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی بھی دونوں کو جدا گانہ بتاتے ہیں اور ان کے فرق کو واضح کرتے ہیں:

”وہ راہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی ہیں، دو ہیں۔ ایک وہ راہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتی ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے۔ ... اور ایک راہ وہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و ادتاد اور بدلاء و نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط اور حیولیت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان بزرگوں کے منہج فیض حضرت علی المرتضیٰ ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔“ ۲۳

غرض کہ تصوف ایک باضابطہ مذہب ہے، جس کے اپنے عقائد و اعمال کا ایک پورا نظام ہے۔ اور اس نظام عقائد کے لیے جن علوم کی انہیں ضرورت ہے۔ وہ علوم قرآن و سنت سے ہٹ کر بلکہ ان کی مخالفت میں وضع کردہ علم باطنی یا علم لدنی ہے۔

صوفیہ کے حیرت انگیز کارنامے

صوفیہ قرآن و سنت کی خلاف ورزی میں اپنے وضع کردہ علوم و معرفت اور عقائد و افکار اور ان علوم و معرفت اور عقائد و افکار کی بنیاد پر ان کے اپنے مرتب کردہ ارکان، عبادات اور معاملات پر عمل آوری کے حیرت انگیز اور ناقابل یقین فوائد اور نتائج کا ذکر بکثرت کرتے ہیں، جنہیں وہ کشف و کرامات کا نام دیتے ہیں۔ یہ کشف و کرامات انسانی ساخت اور اس کی فطرت کے سراسر خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً ابو یوسف بن سمعان (م ۲۵۹ھ/ ۸۶۶ء) نے سورہ فاتحہ سو دفعہ پڑھی، قرآن حفظ ہو گیا۔ وہ روز پانچ قرآن ختم کرتے تھے۔ ۲۴ پیران پیر عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء) نے پندرہ سال تک نماز عشاء کے بعد سے طلوع صبح سے پہلے تک ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر قرآن ختم کیا۔ ۲۵ نظام الدین اولیاء سے حکایت بیان کی جاتی ہے کہ:

”قاضی حمید الدین ناگوری (م ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۷ء) ایک دفعہ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ (انہوں نے) ایک بزرگ کو طواف کعبہ میں دیکھا۔ (وہ) ان بزرگ کے پیچھے چلنے لگے۔ جہاں وہ قدم رکھتے تھے، قاضی حمید الدین بھی اپنا قدم وہیں رکھتے تھے۔ اس روشن ضمیر پیر کو اس بات کی خبر ہو گئی۔ بولے: ظاہری پیروی کیا کرتے ہو، اس کی پیروی کرو جو میں کرتا ہوں۔ قاضی حمید الدین نے پوچھا: آپ کیا کرتے ہیں؟ پیر نے کہا کہ میں ایک روز میں سات سو مرتبہ ختم قرآن کرتا ہوں۔ قاضی حمید الدین کو بہت تعجب ہوا اور (دل میں) یہ اندیشہ گزرا کہ شاید قرآن کے معانی کو الفاظ کے بغیر تصور کر لیتے ہوں گے اور خیال میں پڑھتے ہوں گے۔ پیر نے اپنا سراٹھایا اور بولے: ’لفظ بہ لفظ‘ موبہوم نہیں!“ ۲۶

سات سو مرتبہ روزانہ لفظ بہ لفظ قرآن پڑھنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔ شیخ ابوبکر کتانی (م ۳۲۲ھ/ ۹۳۳ء) کے متعلق منقول ہے کہ ”طواف کعبہ کے دوران بارہ ہزار قرآن ختم کیا۔“ اس سے بھی آگے شیخ عماد الدین محمد بن شہاب الدین سہرودی (م ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۳ء) فرماتے ہیں:

”کسی نے کہا کہ ان (شیخ موسیٰ) کا رات دن میں یہ ورد ہے کہ ستر ہزار مرتبہ

قرآن شریف ختم کرتے ہیں۔“ ۲۸

صرف قرآن کا دن رات میں ستر ہزار بار ختم کر لینا ہی صوفیہ کے لیے آسان نہیں ہے، بلکہ دوسرے معاملات میں بھی انہیں عجیب و غریب قدرت حاصل ہے:

”شیخ ابراہیم مجذوب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عجیب و غریب قسم کے مجذوب تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا کہ وہ چند روز بالکل نہ کھاتے نہ پیتے اور پھر ایسا ہوتا کہ ایک دفعہ میں سو سیر خوراک کھا جاتے۔“ ۲۹

”ابوالحسن خرقانی (م ۴۲۵ھ/۱۰۳۳ء) نے فرمایا کہ خدا نے کچھ بندوں کو وہ قوت عطا کی ہے جو ایک شب و روز میں مکہ معظمہ پہنچ کر لوٹ بھی آتے ہیں اور بعض ایک لمحے میں یہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔“ ۳۰

امام غزالی بیان فرماتے ہیں:

”ایک عابد بزرگ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم بن ادہم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا تو نماز عشاء سے فارغ ہو چکے ہیں۔ میں آپ کو دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ آپ اپنے آپ کو مکمل میں لپیٹ کر لیٹ رہے اور ساری رات کروٹ بھی نہ لی، یہاں تک کہ صبح ہوئی اور مؤذن نے اذان دی۔ آپ اٹھ کر نماز میں شریک ہوئے اور وضو نہ کیا۔ یہ بات میرے دل میں کھٹی۔ میں نے آپ سے کہا کہ آپ تمام رات تو لیٹ کر سوتے رہے پھر وضو نہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں رات بھر کبھی جنت کے باغوں میں دوڑتا رہا اور کبھی دوزخ کے جنگلوں میں۔ بھلا اس صورت میں نیند آیا کرتی ہے۔“ ۳۱

خواجہ معین الدین چشتی (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) فرماتے ہیں:

”حسب ارشاد (عثمان ہارونی) ایک دن اور ایک رات میں عبادت میں مشغول رہا۔ دوسرے روز (عثمانی ہارونی) کی خدمت میں حاضر ہونے پر ایک ایک ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنے کا حکم ہوا۔ پڑھنے کے بعد فرمایا: اوپر آسمان میں دیکھو۔ دیکھا تو پوچھا: اب تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟ میں نے عرض کیا: عرش اعظم۔ پھر زمین کی طرف دیکھنے کا حکم ملا۔ دیکھا تو پوچھا: اب تمہیں کیا نظر آ رہا ہے۔ جواباً عرض کیا: تحت الثریٰ۔ اس کے بعد پھر حکم ہوا کہ ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پھر

پڑھو۔ جب ایسا کر چکا تو پھر فرمایا: اب دوبارہ آسمان کی طرف دیکھو۔ میں نے ایسا کیا تو آپ نے فرمایا: اب تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے۔ میں نے عرض کیا: عرش سے حجاب عظمت تک۔ پھر میری آنکھیں بند کرائی گئیں۔ جب حکم ملنے پر آنکھیں کھولیں تو آپ نے دو انگلیوں کے درمیان سے دیکھنے کے لیے کہا۔ دیکھا تو پوچھا: اب کیا دیکھ رہے ہو۔ میں نے دیکھ کر کہا اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں۔ (پتہ نہیں سکندوں میں گنتی بھی کیسے کر لی) آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اب تمہارا کام سنور گیا یعنی خاصان حق ہو گئے۔“ ۳۲

مولانا عبدالرحمن جامی لکھتے ہیں:

”منقول ہے کہ احمد بن ابی الحواری (م ۲۳۲ھ/۸۴۶ء) کا شیخ ابوسلیمان دارانی (م ۲۱۵ھ/۸۳۰ء) سے عہد تھا کہ کبھی ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ ایک دن ابوسلیمان دارانی مجلس میں باتوں میں مشغول تھے۔ شیخ احمد آئے اور کہنے لگے کہ تنور گرم ہو گیا ہے۔ شیخ ابوسلیمان دارانی نے کوئی جواب نہ دیا۔ شیخ احمد نے تین بار اسی بات کو دہرایا۔ شیخ سلیمان دارانی کو ناگوار گزرا اور انہوں نے کہا کہ جاؤ اسی میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ شیخ ابوسلیمان دارانی کچھ دیر باتوں میں مشغول رہے پھر یکایک ان کو خیال آیا کہ میں نے ان سے کیا کہا تھا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو احمد کہاں ہیں؟ میرے خیال میں وہ تنور میں بیٹھے ہوں گے۔ ان کو تلاش کی گیا تو واقعی وہ تنور میں بیٹھے تھے اور ان کا ایک بال بھی نہیں جلاتھا۔“ ۳۳

اس طرح آگ سے بھرے تنور میں بیٹھنے کی متعدد روایات مختلف صوفیہ کے متعلق مختلف انداز میں پیش کی جاتی رہی ہیں۔ آگ کے ساتھ ساتھ پانی سے متعلق مختلف روایات بھی مذکور ہیں۔ مثلاً پانی کے اوپر چلنا، پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنا وغیرہ تو عام بات ہے۔ پانی کے اندر بھی یہ صوفیہ عبادت بجالاتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی کے مطابق:

”فتوحات مکیہ میں مرقوم ہے کہ میں نے ایک ثقہ شخص سے سنا ہے کہ وہ شیخ ابوالسعود کے بارے میں بیان کرتے تھے کہ میں بغداد میں دجلہ کے کنارے پر

گزر رہا تھا کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ خداوند تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں جو پانی کے اندر عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ میرے دل میں جیسے ہی یہ خطرہ پیدا ہوا، اسی وقت پانی پھٹ گیا اور ایک مرد ظاہر ہوا اور فرمایا کہ ہاں اے السعدو! خداوند تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ پانی میں عبادت کرتے ہیں اور میں ان میں سے ایک ہوں۔“ ۳۴

صرف پانی پر چلنا اور پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز کا ادا کرنا تو خیر سے معمولی سی بات ہے۔ ان کا کمال تو یہ ہے کہ یہ ہوا میں بھی اڑ لیتے ہیں ۳۵ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہوا کے دوش پر نماز ادا کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں:

”ایک روز جب رابعہ بصری ساحل فرات پر موجود تھیں تو اچانک حسن بصری بھی وہاں پہنچ گئے اور پانی پر مصلیٰ بچھا کر فرمایا کہ آئیے ہم دونوں نماز ادا کریں۔ لیکن رابعہ نے جواب دیا کہ اگر یہ مخلوق کے دکھاوے کے لیے ہے تو بہت اچھا ہے کیوں کہ دوسرے لوگ ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر رابعہ نے اپنا مصلیٰ ہوا کے دوش پر بچھا کر فرمایا کہ آئیے دونوں یہاں نماز ادا کریں تاکہ مخلوق کی نگاہوں سے اجڑھ جائیں۔“ ۳۶

اور صوفیہ کا پر پرواز اس قدر سریع الحریکت ہوتا ہے کہ وہ چشم زدن میں ۲۴ گھنٹے کی مسافت بھی طے کر سکتے ہیں۔ ۳۷ یہ تو آگ، ہوا اور پانی کی بات ہوئی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ صوفیہ تو شیروں کو بھی قابو میں کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اسے کتا کہہ کر آواز دیتے ہیں اور شیر بے چارہ مارے ڈر کے حاضر ہو جاتا ہے۔ یہ اس کے کان پکڑ کر کھینچتے ہیں اور ذرا دم نہیں مارتا۔ ۳۸ اور اگر ذرا سی بھی اس بے چارے شیر سے کسی قسم کی لغزش ہوئی تو اس کے کان مروڑ کر اسے سبق سکھا دیتے ہیں۔ ۳۹ شیروں پر سواری کرنا ۴۰ ان پر آٹے اور لکڑیاں لا کر گھر پہنچا دینے کا حکم دینا اور بے چارے شیروں کا ان کے حکم کی تعمیل کرنا تو عام بات ہے۔ ۴۱

صوفیہ یہاں تک قادر ہوتے ہیں کہ مرجانے اور قبروں میں دفن ہو جانے کے بعد بھی وہ دنیا میں تشریف لاتے ہیں اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندی مرنے کے بعد بھی نماز کے اوقات میں بہ نفس نفیس روحانی طور پر نہیں بلکہ جسمانی طور پر شریک

نماز ہوتے ہیں۔ شیخ بدرالدین سرہندی، شیخ احمد سرہندی کے بعد رحلت بھی حاضر ہو کر شریک نماز ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”حضرت (شیخ احمد سرہندی) کی رحلت کے بعد ایک مخلص نے بتایا کہ آج ظہر کے وقت حضرت کی مسجد میں نماز کے لیے میں حاضر ہوا۔ مؤذن نے اقامت کہی اور لوگ جماعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں امام کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت میرے پہلو میں کھڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر متصل کھڑا کر دیا تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے۔ یہی آپ کا طریقہ اپنی زندگی میں تھا۔ نماز کے آخر تک میں آپ کو دیکھتا رہا۔ ایک چوغہ اور سفید شال میں تھے اور چڑے کے موزے پاؤں میں تھے۔ جب میں نماز کا سلام پھیرا تو آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔“ ۴۲

صوفیہ کے علوم باطنی اور ان کے اعمال و ریاضات کے نتائج کی یہی انتہا نہیں ہے، بلکہ وہ تو اللہ، ارواح، ملائکہ، ملاء اعلیٰ اور نیک لوگوں سے جو گزر چکے ہیں باتیں بھی کر لیتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں دیدار خداوندی تک حاصل ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ کیسے ہوتا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بتاتے ہیں:

”معرفت اشیاء کے سلسلے میں نفس ناطقہ کے اس لطیفہ (یعنی لطیفہ کلام) کا یہی (اتصال کشف علمی) رخ ہے جس کی بنا پر بندہ اپنے رب عزوجل کو دیکھتا ہے اور اسی بنا پر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام بھی ہوتا ہے اور وہ اللہ سے، ارواح سے، ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے اور جو نیک لوگ پہلے گزر چکے ہیں، ان کی ارواح سے باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی روح اللہ تعالیٰ کو دیکھتی ہے، اور روح کی اس رویت حق کا ایک رنگ نسمے یعنی انسان کی روح ہوئی میں جاتا ہے۔ اور نسمے سے یہ رنگ انسان کی آنکھوں میں آجاتا ہے اور پھر یہ رنگ ایک شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس وقت کہہ اٹھتا ہے کہ میں نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے، اس میں بے شک وہ سچا ہوتا ہے۔ میرا خود اپنا واقعہ ہے کہ ایک دن میں نے آفتاب

کی روح سے اتصال پیدا کیا۔ میں نے اسے دیکھا اور اس سے باتیں سنیں۔“ ۴۳
شاہ ولی اللہ دوسری جگہ اس طرح کے دیگر واقعات بھی پیش کرتے ہیں:

”جب میں نے غزوہ بدر کے شہداء کی زیارت کی اور ان کی قبروں پر کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ان کی قبروں سے یکبارگی ایک نور روشن ہوا اور وہ ہماری طرف بڑھا۔ شروع میں تو میں نے یہ سمجھا کہ یہ نور ان انوار میں سے ہے جن کو صرف ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں۔... الغرض جب میں اس (حضرت ابوذر غفاریؓ) کی قبر کے پاس بیٹھا اور میں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی روح کی طرف توجہ کی تو ان کی روح میرے سامنے تیسری رات کے چاند کی طرف ظاہر ہوئی۔ میں نے جب اس میں مزید غور کیا تو مجھ پر یہ کھلا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روح کا یہ نور اعمال اور نور رحمت دونوں پر جامع ہے۔“ ۴۴

اور آنحضور ﷺ ان کے سامنے لطیف جذب و شوق اور انس و انشراح کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں:

”بعد ازاں میں نے نبی ﷺ کی بلند مرتبہ اور مقدس قبر کی طرف بار بار توجہ کی تو آپ میرے سامنے لطیف در لطیف صورت میں ظہور فرما ہوئے۔ چنانچہ کبھی آپ ﷺ مجرد عظمت و جلال کی صورت میں ظہور فرما ہوتے اور کبھی جذب و شوق اور انس و انشراح کی صورت میں نظر آتے اور کبھی اس طرح کی جاری و ساری صورت میں ظاہر ہوتے کہ مجھے خیال ہوتا کہ تمام فضا آپ ﷺ کی روح سے بھری ہوئی ہے اور آپ ﷺ کی روح اس فضا میں تیز ہوا کی طرح یوں حرکت کر رہی ہے کہ دیکھنے والا اس میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری لطافتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ نیز میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ بار بار مجھے اپنی وہ صورت مبارک دکھاتے ہیں جو آپ ﷺ کی اس دنیا کی زندگی میں تھی اور آپ ﷺ مجھے اپنی یہ صورت اس حالت میں دکھا رہے تھے، جب کہ میری تمام توجہ آپ کی روحانیت کی طرف تھی، نہ کہ آپ ﷺ کی جسمانیت کی طرف۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت

ہے کہ آپ ﷺ کی روح جسمانی شکل میں صورت پذیر ہو سکتی ہے۔“ ۴۵
شیخ بدرالدین سرہندی نے شیخ احمد سرہندی کے تعلق سے یہ بتایا تھا کہ ان کے پیرومرشد شیخ احمد سرہندی مرنے کے بعد بھی نمازوں میں حاضر اور شریک ہوتے ہیں اور لوگوں سے اسی طرح پیش آتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں پیش آتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے بھی اس کی متابعت ضروری سمجھتے ہوئے اس طرح کے واقعے کی توثیق اور تجدید پیش کردی اور آنحضور ﷺ ہی کو نمازوں میں لا حاضر کر دیا اور عام لوگوں کے آنحضور ﷺ کے دیدار کی توثیق اور تصدیق فرمادی۔ پیش ہے ایک اقتباس:

”میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور نبی ﷺ کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی تو میں نے آپ ﷺ کی روح اقدس کو ظاہر اور عیاں دیکھا اور عالم ارواح میں نہیں بلکہ عالم محسوسات سے قریب جو عالم مثال ہے، میں نے اس میں آپ ﷺ کی روح کو دیکھا۔ چنانچہ اس وقت میں نے سمجھا کہ عوام مسلمانوں کا یہ جو کہنا ہے کہ نبی ﷺ نمازوں میں تشریف لاتے ہیں اور نمازیوں کے امام بنتے ہیں اور اسی قبیل کی جو وہ باتیں کہتے ہیں، وہ سب اس نازک مسئلہ کے متعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عامۃ الناس کی زبانوں سے جو کچھ نکلتا ہے، وہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے، اس علم کا جو ان کی روحوں پر القا ہوتا ہے۔“ ۴۶

صرف یہی نہیں کہ ایک ناقابل وقوع اور غیر فطری واقعے کو وہ بیان کرتے ہیں اور ایسے واقعے کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس طرح کی برائیوں، خرابیوں اور بدعتوں اور واہیات و خرافات عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت بھی کرتے ہیں اور ان کے لیے راہیں بھی ہموار کرتے جاتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ واقعے کے تعلق سے مزید فرماتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ اس ضمن (یعنی حضور ﷺ کا نمازوں میں تشریف لانا اور نمازیوں کا امام بننا وغیرہ) میں لوگوں کا ایک بات پر متفق ہو جانا بے کار محض نہیں ہوتا اور نیز عوام میں جو باتیں زبان زد اور مشہور ہو جائیں، ان کی تحقیر نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اس سلسلے میں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ جو کچھ عوام کی زبانوں پر ہو، تم اس کی جو اصل حقیقت ہو، اس تک پہنچنے کی کوشش کرو۔“ ۴۷

صوفیہ کے یہاں مرے ہوئے لوگوں سے جسمانی طور پر ملاقاتیں کرنا، ان سے گفتگو کرنا، ان سے ہدایت اخذ کرنا، فرشتوں سے براہ راست تعلق رکھنا، کبھی ان سے کسب فیض کرنا اور کبھی ان کو علمی فیض پہنچانا، ملاء اعلیٰ کی سیر کرنا، کارخانہ قدرت کا نظارہ کرنا بلکہ ضرورت سمجھی تو اس میں ذخیل و سہیم بھی ہونا وغیرہ تو خیر سے معمولی باتیں ہیں۔ یہ صوفیہ حضرات تو براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے مربوط اور متعلق ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا، اس سے ملاقات کرنا، اس سے ہم کلام ہونا تو صوفیہ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ان کی حیثیت تو یہاں تک ہے کہ وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل کر لیں اور جب چاہیں فصل اختیار کر لیں۔ یہ سب کچھ ان علوم باطنی، کشف و شہود، معرفت و حقیقت ہی کی تو دین ہے۔ تصوف کی کتابیں اس طرح کے واقعات اور حکایات سے بھری پڑی ہیں۔ چند کا ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔

امام قشیری، عارف باللہ کی بہت ساری خصوصیات کے ساتھ ساتھ یہ خصوصیات بھی بیان کرتے ہیں کہ:

”راز میں وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں ہو اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کرے اس طرح کہ ان تمام تقدیروں کے رد و بدل کا راز جو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، وہ اسے بتادے، تب جا کر بندہ عارف باللہ کہلاتا ہے اور اس کی حالت معرفت کہلاتی ہے۔“ ۵۸

علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل و ملاقات بندہ کے لیے عزت ہے اور اس سے الگ اور جدا ہونا بندہ کی اہانت ... اللہ تعالیٰ سے وصال وہ عزت ہے جو بندے کو اس نے دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی اہانت یہ ہے کہ بندہ طریقت اور شریعت کے دائرے سے دور رہتا ہے۔ وصل یا اہانت کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، جس کے ساتھ معاملہ ہے الفاظ اس کے بیان کرنے سے شرم سار ہے۔“ ۵۹

ان ہی سے یہ بھی منقول ہے:

”حضرت شاہ شجاع کرمانی (م ۷۴۰ھ/ ۸۸۳ء) کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ چالیس سال تک نہیں سوئے۔ جب سوئے تو اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو آپ نے کہا: اے اللہ! میں تجھے بیداری میں تلاش کرتا ہوں تو مجھے خواب میں ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: اے شاہ شجاع کرمانی شب بیداری کی وجہ سے مجھے تو نے خواب میں دیکھا۔ اگر شب بیداری میں تلاش نہ کرتا تو خواب میں مجھے نہ دیکھتا۔“ ۵۰

وہ جنید بغدادی سے روایت کرتے ہیں:

”حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: میں نے اپنے مرشد کامل و اکمل جناب حضرت سرّی سقطی سے پوچھا کہ آپ نے کیسے معلوم کر لیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ حضرت سرّی سقطی نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جنید کے پاس بھیجا ہے تاکہ جنید کو کہیں کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں تاکہ بغداد والوں کو مراد حاصل ہو۔“ ۵۱

ہجویری تصوف کی تعریف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”التصوف قیام القلب مع اللہ بلا واسطۃ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلا واسطہ دل کا قائم ہونا تصوف ہے) اور یہ اشارہ اللہ تعالیٰ کی رویت یعنی دیکھنے کے شوق میں ثابت کرنا ہے اور صفت بشری کا اللہ تعالیٰ کی بقا کے ساتھ فنا ہو جانا، اسے مشاہدہ حق کہتے ہیں۔“ ۵۲

وجد کے ذیل میں وہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کو پانے، دیکھنے اور محسوس کرنے کی جو کیفیت ہے، اسے وجد کہتے ہیں۔ لیکن وجد کی کیفیت کو عبارت میں بیان کیا جانا ناممکن ہے۔“ ۵۳

اور معرفت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”معرفت حقیقت میں اس وقت معرفت ہوگی جب بندہ معرفت کے حق میں

مکاشف ہو جائے یعنی جب بندہ کے دل سے حجاب اٹھ جائے اور ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ و دیدار ہو جائے۔“ ۵۴

بھویری ہی سے اللہ کے ساتھ کھانے، پینے، بیٹھنے اور کلام کرنے کی حکایت قبل پیش کی جا چکی ہے۔ شیخ فرید الدین عطار ابویزید بسطامی کے ارشادات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”خدا نے اپنی خوشی سے اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔“ ۵۵

مولانا عبد الرحمن جامی بھی پیچھے نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”جواں مرد کو چاہیے کہ وہ جواں مردوں کی خدمت میں حاضر ہوں، جو کوئی کسی جواں مرد کی خدمت حاصل کر لیتا ہے تو گویا وہ اس شیخ یا بزرگ کے بجائے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔“ ۵۶

شیخ احمد سرہندی سے اللہ تعالیٰ خطاب فرماتا ہے:

”آپ (شیخ احمد سرہندی) فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ کسی جگہ تنہائی میں گوشہ نشین ہو جاؤں اور سب سے علیحدگی اور خلوت اختیار کر لوں۔ میں نے استخارہ کیا اور حضرت رب العزت سے اجازت چاہی۔ اللہ پاک کی طرف سے خطاب ہوا کہ پسندیدہ، مناسب اور صحیح طریقہ وہی ہے جس پر تم قائم ہو، خلوت و گوشہ نشینی کا طریقہ نہیں چاہیے۔“ ۵۷

رویت خداوندی اور اس سے ہم کلامی وغیرہ کی دلیلیں شیخ احمد سرہندی پیش فرماتے ہیں:

”آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا انسان کے ساتھ کلام کبھی بالمشافہ بھی ہوتا ہے۔“ ۵۸

”صوفیہ رویت بصری کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود (اللہ تعالیٰ) جلّ سلطانہ کی ذات کو دیکھتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ وہ دولت جو ہمارے پیغمبر ﷺ کو شب معراج میں حاصل ہوئی تھی، ہم کو ہر روز میسر ہے اور وہ نور جو ان کے دیکھنے میں آتا ہے، اس کو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبہ بے گنہی خیال کرتے ہیں اور مراتب عروج کی نہایت اس نور کے

ظہور تک تصور کرتے ہیں اور نیز حضرت حق جلّ شأنہ (خدا تعالیٰ) کے ساتھ مکالمہ و کلام ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے، کبھی دشمنوں کے حق میں حضرت حق سبحانہ کی طرف سے کئی قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں اور کبھی اپنے دوستوں کو بشارت دیتے ہیں اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کے تنہائی یا چوتھائی حصہ تک میں حق تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتا اور ہر طرح کی باتیں پوچھتا رہا اور جواب لیتا رہا۔“ ۵۹

اور وہ ان باتوں کے حق بجانب ہونے کی سند بھی عنایت فرمادیتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ مشائخ کبار اس کلام کو (جو وہ) حضرت حق سبحانہ (خدا تعالیٰ) کے ساتھ ایسی نسبت نہیں دیتے ہیں جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ دے سکیں، بلکہ وہی نسبت ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی مخطور اور قباح نہیں ہے۔“ ۶۰

اس طرح کے بے شمار واقعات بیان کیے جاتے ہیں جن میں ایسے ایسے واقعات بھی ہیں جن سے خدائی کا دعویٰ تک ہوتا ہے اور خدائی صفات و قدرت اور کمالات و اختیارات کا اظہار کرنے والے واقعات تو بکثرت ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر گزشتہ ابواب میں کیا جا چکا ہے۔

غرض کہ صوفیہ کے مطابق یہ سب کچھ ان علوم باطنی اور علم لدنی کا کمال ہے، جن کے کسب اور کشف کی وساطت سے ایسے ایسے باکمال صوفیہ متصف ہیں اور دانشمیں پارہے ہیں۔



دیگر ارکان تصوف

رضائے الہی نہیں، عشق و سرمستی

صوفیہ نے مذکورہ عقائد و ریاضات اور کشف و شہود کے علاوہ مذہب تصوف کے کچھ اور ارکان بھی وضع کیے ہیں۔ ان میں پہلی چیز اپنے اندر عشق خداوندی کا مرض پیدا کرنا اور خدا کو معشوق قرار دینا ہے۔ جیسا کہ قبل یہ گفتگو گزر چکی ہے کہ صوفیہ کی زندگی کا نصب العین وصل و اتحاد خداوندی ہے، چنانچہ واصل بحق ہونے کی آرزو اور تڑپ والہانہ انداز میں عشق کی حد تک ہونا ان کے خیال اور عقیدے کے مطابق ضروری ہے۔ ان کی یہ بھی دلیل گزر چکی ہے کہ چونکہ وہ خداوند تعالیٰ ہی کے اجزاء ہیں جو علیحدہ کر دیے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں پھر سے واصل بحق ہونے کی سخت آرزو کا ہونا فطری امر ہے۔ اس لیے مذہب تصوف میں خدا سے عشق کرنا اور خدا کو معشوق قرار دینا یا پھر خود کو معشوق قرار دینا اور خدا کو اپنے اوپر عاشق قرار دینا اور تصور باندھنا بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ وہ ایمان کی تشریح ہی عشق سے کرتے ہیں۔ حالانکہ عشق کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات سے منسوب کرنا انتہائی لغو اور بے ہودہ بات ہے۔ مولانا عبدالرحمن کیلانی نے بہت ہی صحیح بات کہی ہے:

”عشق کا لفظ بالعموم برے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس لفظ سے غیر شعوری طور پر طبیعت فحاشی اور بہیمیت کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔“^۱

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

”اس عقیدے میں تین وجہوں سے جہالت ہے۔ اول بحیثیت اسم کے۔ کیونکہ اہل لغت کے نزدیک عشق فقط اس لیے ہوتا ہے کہ جس سے نکاح ہو سکے۔

دوسرے صفات الہی سب منقولہ ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے۔ یوں نہیں کہہ سکتے کہ عشق رکھتا ہے۔ چنانچہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے۔ یوں نہیں کہتے کہ عارف ہے۔“^۲

علامہ ابن جوزی قاضی ابویعلیٰ کے حوالے سے بتاتے ہیں:

”حلولیہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ عاشق ہے۔“^۳

اکثر صوفیہ فرماتے ہیں اور اس کے مطابق وہ خود بھی عمل کرتے ہیں کہ عشق حقیقی یعنی عشق خداوندی کی ابتدا عشق مجازی یعنی عورت کے عشق سے ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک! ابن عربی کا کہنا ہے کہ:

”جب مرد عورت سے محبت اور جماعت کرتا ہے تو یہ مشاہدہ حق کی اکمل ترین صورت ہوتی ہے اور عورت میں خدا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یعنی عورت جو منفعل ہے، اس میں اس کو خدا نظر آتا ہے اور ظاہر ہے کہ مادیات سے ہٹ کر خدا کا مشاہدہ تجریدی صورت میں نہیں ہو سکتا ہے۔“^۴

”ابن عربی نے تو مشاہدہ حق کے لیے عورت کا وجود ضروری سمجھا خواہ وہ کوئی عورت ہو (بیوی ہو یا غیر بیوی) مگر دوسرے اکثر صوفیہ امر دیا بے ریش لڑکے کو پسند فرماتے ہیں۔ اس بارے میں ان کا مقولہ بھی ہے کہ — النظر الی وجہ الامر د عبادة (بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے) چنانچہ امام غزالی تو باضابطہ امر پرستی کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”یہ بھی ممکن ہے کہ عالم ارواح سے کوئی چیز حسین امر کی صورت پر کشف ہو کہ وہ صورت اس چیز کی مثال ہو اور شاید اس معنی کو پھر دیکھ نہ سکے۔ اس وقت صوفی کی نظر اگر کسی اچھی چیز پر پڑ جائے تو صورت معانی کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو وہ حالت اس پر تازہ وارد ہو جاتی ہے۔ اس گم شدہ معنی کو وہ پھر سے پالیتا ہے اور اس خوبصورت (شخص کو) دیکھ کر اسے وجد آ جاتا ہے۔ اس لیے اجازت ہے کہ کوئی بزرگ اس حالت کی خاطر کسی خوب رو کو دیکھنے کی رغبت اور شوق اپنے دل میں پیدا کرے۔“^۵

صوفیہ اور شعراء نے لفظ عشق کا پروپیگنڈہ اس قدر زور و شور سے اور اس رنگ میں کیا کہ یہ لفظ 'ایمان' کا مترادف سمجھا جانے لگا اور اس طرح اس لفظ کو تقدس کا اونچا مقام مل گیا۔ مولانا جلال الدین رومی اور حافظ شیرازی نے تو اس لفظ کا اس قدر راگ الاپا کہ اسے دوام ہی نہیں بخش دیا بلکہ مقدس منصب عطا کر دیا۔ عاشق ہونا ایسی صفت قرار پائی کہ عاشق حقیقی نیک، صالح، خدا ترس اور متقی بندہ خدا کے مقابلے میں بدرجہا بلند سمجھا جانے لگا۔ علامہ اقبال نے مولانا رومی کی اقتدا میں عشق کے تعلق سے عجیب و غریب اور غلط باتیں کہہ ڈالیں۔ مثلاً ے

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یلین وہی طہ

یہ شعر آنحضرت ﷺ کی مدح میں پیش کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ آنحضرت ﷺ کی مدح نہیں ہے بلکہ کچھ عجیب و غریب ہی قسم کی باتیں ہیں یا پھر بزم خود وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبردست قوت ایمانی یعنی عشق حقیقی کی تعبیر اس طرح پیش فرما رہے ہیں ے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے مجھ تماشا لپ بام ابھی

حالانکہ نمرود کی لگائی ہوئی آگ میں نہ تو عشق کود پڑا تھا اور نہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام، بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ با اقتدار اور با اختیار ایک ظالم اور خدا کا باغی، بادشاہ نمرود نے ایک بے قصور مجبور شخص کو دہکتی ہوئی آگ میں پھینکوا دیا تھا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انہیں بچا لیا، ورنہ اس ظالم نمرود نے تو اپنے طور پر بدترین سزا دے ہی ڈالی تھی۔

اللہ تعالیٰ سے عشق نہیں محبت کی جاتی ہے، وہ محبت جو لازمہ ایمان ہے، جس کے بغیر ایمان کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی ہے:

(البَقَرَةُ: ۱۶۵)

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ط

(اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔)

اس محبت کا اظہار کس طرح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی رہنمائی بھی فرمادی ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (الْاِعْمُرَان: ۳۱)
(اے محمد ﷺ! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔)

اس طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور اتباع رسول ﷺ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ جتنا زیادہ کوئی متبع رسول ﷺ ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ اللہ سے محبت رکھنے والا متصور کیا جائے گا اور جس قدر زیادہ وہ متبع رسول ہوگا اسی قدر زیادہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا۔ صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ محبت اور اس کے تقاضے کو بھی الٹ کر رکھ دیا اور محبت کی عزت اور اس کے تقدس کو ہر طرح سے پامال کرنے کی کوششیں کر ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس محبت کا تقاضا کیا ہے وہ محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ اہل و عیال، خویش و اقارب اور دوست و احباب سمجھوں کو محیط ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت باقی تمام لوگوں کی محبت پر غالب اور بالاتر ہوتی ہے۔ لیکن صوفیہ نے جس عشق کا راگ الاپا ہے اور جس عشق کے تانے بانے بنے ہیں، اس میں اہل و عیال، خویش و اقارب وغیرہ صرف حارج نہیں ہوتے بلکہ اس عشق کے حق مقراض ثابت ہوتے ہیں اور رسول ﷺ سے محبت کرنے اور ہادیِ برحق کی اطاعت کرنے کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ صوفیہ کو اسلام سے تعلق ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ لہذا عشق ہی ان کے لیے سب کچھ ہے۔ شیخ فرید الدین عطار کا یہ مشہور مصرعہ صوفیہ حرز جاں بنائے ہوئے ہوتے ہیں ع

کافر عشقم مسلمان مراد کار نیست

(میں کافر عاشق ہوں، مسلمان کی مجھے ضرورت نہیں ہے)

وجد و سماع

جب صوفیہ نے اپنا نصب العین محبت و رضائے الہی کے بجائے عشق الہی متعین کر لیا تو

ظاہر ہے کہ اس کے حصول کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کے لیے تو شوق و سرمستی ہی ہونی چاہیے۔ لہذا، صوفیہ نے اپنے اس شوق و سرمستی کے فن کو خوب خوب ترقی بخشی اور اس کے لوازم کو بہ شوق اختیار کیا، یہاں تک کہ تصوف اور وجد و سماع ایک دوسرے کے لازم و ملزوم قرار پائے۔

سماع کا لفظ خیر القرون میں صرف سننے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ سرود کی محفلوں کے لیے لفظ سماع کا استعمال بطور اصطلاح بعد میں صوفیہ نے استعمال کیا اور اسے وجد و سرود سے مربوط کر دیا گیا۔ اس طرح لفظ سماع بطور ایک خاص اصطلاح استعمال ہونے لگا۔ صوفیہ کی اصطلاح 'سماع' دو اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک ساز ہے اور دوسرا آواز۔ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم قرار دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ شعر میں نغمگی پیدا کرنے کے لیے موسیقی کا سہارا لیا جاتا ہے اور موسیقی کی دھنوں اور سروں کے زیر و بم کے لیے شعر میں نغمگی ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ تو الیاں صرف آواز کی نغمہ ریزی ہی نہیں ہے بلکہ وجد و حال طاری کرنے کے لیے طبلے اور دیگر آلات موسیقی بھی ضروری ہیں اور نہیں تو کم از کم اشعار ہی خوش الحانی کے ساتھ تو ضرور ہی پڑھے جانے چاہئیں ورنہ وجد کی کیفیت کیوں کر طاری ہو سکے گی، خدا کے حضور اپنے جذب و عشق اور شوق و سرمستی کا اظہار کیوں کر کر سکیں گے اور اپنے معشوق خدا کو اپنی طرف ملتفت اور راغب کیوں کر کر سکیں گے۔ لہذا، صوفیہ شعر کے والد اور شیدا ہوتے ہیں، حتیٰ کہ تلاوت قرآن کے مقابلے میں شعر خوانی پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ مولانا عبد الرحمن جامی کے مطابق:

”ابوالعباس سیاری (م ۳۴۲ھ/ ۹۵۳ء) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں شیخ

ابوالعباس سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے: اگر نماز میں یہ بات جائز ہوتی کہ قرآن پاک کے بجائے کوئی شعر پڑھ لیا جائے تو میں یہ شعر پڑھتا۔“

صرف یہی نہیں کہ وہ شعر و نغمہ کے والد و شیدا ہوتے ہیں بلکہ اسے رحمت کے نزول کا ذریعہ بھی قرار دیتے ہیں۔ ابونصر سراج، جنید بغدادی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ابوالقاسم جنید بغدادی کہتے ہیں: صوفیہ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے تین مواقع پر

رحمت کا نزول ہوتا ہے — ایک کھانے کے وقت کیوں کہ صوفیہ فاقے کے بعد

کھاتے ہیں۔ دوسرے علم تصوف پر گفتگو کرتے وقت کیوں کہ ان کی گفتگو کا موضوع اولیاء و صدیقین کے احوال ہوتے ہیں اور تیسرے سماع کے دوران اس لیے کہ وہ جائز طریقے سے سماع کرتے ہیں اور وجد ہو تو اٹھتے ہیں۔“ ۸

امام غزالی نے ابوطالب کی (م ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء)، ممشاد دینوری (م ۲۹۹ھ/ ۹۱۱ء)، طاہر بن بلال صمدانی، ابوبکر وراق (م ۳۴۷ھ/ ۹۵۸ء)، جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/ ۹۱۰ء)، سہری سقطی (م ۲۵۳ھ/ ۸۶۷ء)، ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء) وغیرہ کے حوالے سے سماع کے جواز کی دلیلیں دی ہیں۔ ۹

شاہ ولی اللہ دہلوی کے بقول دوسرے دور کے صوفیہ جن کے سرخیل جنید بغدادی ہیں سماع سنتے، سرمستی اور بے خودی میں بے ہوش ہو جاتے، کپڑے پھاڑتے اور رقص کرتے۔ الغرض اس دور کے اہل کمال کا تصوف یہ تھا کہ خدا کی عبادت دوزخ کے عذاب کے ڈر سے یا جنت کی نعمتوں کی طمع میں نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی عبادت کا محرک خدا کے ساتھ ان کی محبت کا جذبہ ہوتا تھا۔ ۱۰

خود شاہ ولی اللہ سماع، رباب اور طنبورے کی موسیقی کو مفید بتاتے ہیں:

”نفس ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے کے لیے کند ذہن اور جامد طبیعت والے (صوفیہ) کو سماع کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سماع میں رنگین اشعار ہوں، نغمے اور زیر و بم کے ساتھ گائے بھی جائیں۔ خاص طور پر وہ اشعار زیادہ مؤثر ہوتے ہیں جن میں اچھے استعارے ہوں، ان کے قافیے بہت عمدہ ہوں اور ان کا اسلوب بیان بڑا وجد آور ہو۔“

چہ راہ می زند این مطرب مقام شناس

کہ در میان غزل قول آشنا آورد

(اس مقام شناس مطرب نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ غزل کے درمیان محبوب کی بات لادی گئی)

اس ضمن میں اس شخص کے لیے رباب اور طنبورے کی موسیقی بھی مفید ہے۔ کیونکہ موسیقی سرور و مستی پیدا کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جو تاثیر کہ شراب میں ہوتی ہے۔ ۱۱

اس طرح نغمہ اور آلات موسیقی کی تاثیر اور افادیت کے ذیل میں شراب کی تاثیر اور افادیت بھی بیان کر دی گئی اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ شاہ ولی اللہ جذب و رقص کی تاثیر بھی یوں بیان فرماتے ہیں:

”حضرت والد ماجد ایک دفعہ قصبہ پھلت میں تھے۔ عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے۔ قوالوں نے نغمہ چھیڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے: شیخ ابوالفتح قدس سرہ کی روحانیت محفل میں آکر رقص کر رہی ہے۔ عن قریب ان کے جذب کے اثرات اہل محفل پر طاری ہو جائیں گے۔ تھوڑی ہی دیر گزری کہ مجلس کا رنگ بدل گیا اور ہاؤہو کے مستانہ نعروں سے محفل گونج اٹھی۔“ ۱۲

حالانکہ قال و حال، راگ و رنگ، وجد و نغمہ، رقص و موسیقی وغیرہ سبھی کچھ خالص شیطانی اعمال ہیں۔ لیکن چونکہ صوفیہ کا مقصد ربانی اعمال کی خلاف ورزی میں شیطانی اعمال کو قائم کرنا اور استحکام بخشنا ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے ان شیطانی اعمال کو بلا پس و پیش اختیار کیا اور ان کی خوب تشہیر کی۔

غرض کہ علامہ ابن جوزی کے الفاظ میں ”صوفیہ نے شراب سے عقل زائل کرنے کے بدلے دوسری چیز اختیار کی اور اس کا نام سماع رکھا۔ حالانکہ ایسے وجد میں پڑنا جو عقل کو زائل کر دے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ شریعت کو اس گروہ کے شر سے محفوظ رکھے جن میں یہ باتیں جمع کی ہیں کہ مذہب پر خاک ڈالتے ہیں اور خوب عیش اڑاتے ہیں۔“ ۱۳ صوفیہ کی سب حرکتیں نادانی اور شریعت کے ساتھ کھیلنا ہے۔ دراصل یہ لوگ شریعت پر حملہ کرنے والے ہیں۔“ ۱۴

نیاز فاتحہ

نیاز فاتحہ بھی تصوف کا ایک رکن ہے۔ کھانے کی چیز پر رسم فاتحہ خوانی کی بڑی اہمیت ہے۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوب بنام ملا عبد الغفور سمرقندی میں لکھتے ہیں:

”وہ نیاز جو آپ نے درویشوں کے لیے روانہ کی تھی موصول ہو گئی۔ اس پر فاتحہ سلامتی پڑھی گئی۔“ ۱۵

شیخ بدرالدین سرہندی، شیخ احمد سرہندی کے مکاشفے کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”ایک مرتبہ آپ (شیخ احمد سرہندی) نے اپنے ان صاحب زادوں کے لیے کھانا تیار کرایا جو آپ کے سامنے وفات پا چکے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ توجہ کثیر کے بعد وہ کھانا مقبول ہوا اور ایسا مکشوف ہوا کہ ملائکہ کھانے کے خوان لارہے ہیں اور ان کی قبروں پر پہنچا رہے ہیں اور بہشت کے ایک چمن میں اس کو جمع کر رہے ہیں۔ جب وہ سب کھانا وہاں جمع ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ ان میں استعداد اوپر جانے کی پیدا ہوئی اور وہ عروج میں مصروف ہو گئے اور جب وہ اوپر گئے تو ایک بہشت ظاہر ہوئی جس میں انتہائی رفعت، منزلت، تازگی اور طراوت تھی۔ پس وہ سب اس بہشت میں داخل ہو گئے۔“ ۱۶

شاہ ولی اللہ دہلوی بھی نیاز کے نیاز مند ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا:

”حضرت رسالت مآب ﷺ کے عرس مبارک کے دنوں میں ایک مرتبہ اتفاقاً خزانہ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ میں طعام پکا کر آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کی نیاز دلوا سکتا۔ لہذا تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور قند پر اکتفا کرتے ہوئے میں نے آپ ﷺ کی نیاز دلوا دی، اسی رات چشم حقیقت دیکھا کہ انواع و اقسام کے طعام آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اسی دوران وہ قند اور چنے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ انتہائی خوشی اور مسرت سے آپ ﷺ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا اس میں سے تناول فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم فرمادیا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ دہلوی) کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ اگلے بزرگوں سے بھی روایت کیا جاتا ہے مگر یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ توارد ہو گیا ہو۔“ ۱۷

دیگر تبرکات

صرف کھانے پینے کی چیزیں ہی جو بزرگوں کے نام نیاز دی جاتی ہیں، تبرک نہیں ہیں بلکہ کچھ چیزیں اور بھی ہیں جنہیں متبرک سمجھا جاتا ہے اور ان سے صوفیہ کو کافی ثمرات اور نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

”یہ بات درست ہے کہ شیخ کامل کا گرتا بطور تبرک (مرید) اپنے پاس رکھے اور اس کے ساتھ اعتقاد و اخلاص سے زندگی گزارے۔ شیخ کے گرتے کو پاس رکھنے میں ثمرات و نتائج کا قوی احتمال ہے۔“ ۱۸

اور قبا سے بے شمار فائدے کی توقع رکھی جاتی ہے۔ شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوب میں ملا عبد الغفور سمرقندی کو ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وہ قبا جو کئی دفعہ پہنی گئی ہے، آپ کو ارسال کر دی گئی ہے۔ اسے کبھی کبھی پہنا کریں اور ادب سے محفوظ رکھیں۔ اس سے بے شمار فوائد کی توقع ہے۔ جب بھی اس قبا کو پہنیں با وضو پہنیں۔“ ۱۹

وہ اپنے مکتوب بنام محمد امین فقراء کے لباس کے تعلق سے لکھتے ہیں:

”فقراء کے پہنے ہوئے کپڑے کا آپ نے مطالبہ کیا تھا۔ پیرہن بھیج دیا گیا ہے۔ اسے پہنیں اور نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں کہ یہ پیراہن کثیر البرکت ہے۔“ ۲۰

اور اگر وہ چادر ہو جو کسی خواجہ کے مزار مبارک کی ہو تو پھر اس کی اہمیت کا کیا کہنا! چنانچہ اس کی اسی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس کی تعظیم اور ادب کے ساتھ اس کے مستحق خصوصی کو پیش جاتی ہے:

”اسی اثنا میں (جب شیخ احمد سرہندی معین الدین چشتی (م ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء) کے مزار پر بہت دیر تک مراقب ہوئے) یہ ہوا کہ حضرت خواجہ کے مزار مبارک کی چادر جو ہر سال تازہ ڈالی جاتی ہے اور پرانی چادر کسی بڑے بزرگ کو بھیجی جاتی ہے یا بادشاہ وقت کو پیش کی جاتی ہے اور بادشاہ اس کو لعل کی طرح صندوق میں ادب و تعظیم کے ساتھ رکھتے ہیں، حضرت مجدد (الف ثانی شیخ احمد سرہندی) کی

خدمت میں بطور تحفہ پیش کی گئی اور مجاوروں نے کہا کہ آپ سے زیادہ اس تبرک کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ نے پورے ادب و تعظیم کے ساتھ اسے قبول کیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ کے اس متبرک کپڑے کو میرے کفن کے لیے محفوظ رکھا جائے کہ اس حضرت خواجہ نے لباس کے بجائے یہی چادر عنایت فرمادی ہے۔“ ۲۱

شیخ

نظام تصوف میں پیر، مرید اور بیعت اصل ہیں۔ صوفیہ کے یہاں شیخ یا پیر کی بڑی اہمیت ہے۔ شیخ کے متعلق کہا گیا ہے — الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ (شیخ کا مقام اپنی قوم میں اسی طرح ہے جس طرح نبی کا مقام اپنی امت میں ہوتا ہے) ۲۲ نبوت پر ایمان لائے بغیر ایمان نہیں ہے۔ اسی طرح بغیر شیخ کے ہدایت کا تصور نہیں۔ ابو یزید بسطامی کا مشہور قول ہے — من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس (جس کا کوئی شیخ نہ ہو اس کا شیخ ابلیس ہوتا ہے) ۲۳ صرف شیخ کی رہنمائی ہی انسان کو منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔ اگر کمزور اعتقاد مرید کے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ پیر کے علاوہ بھی کوئی خدا تک پہنچا سکتا ہے تو یقینی طور پر شیطان نے اس کے اعتقاد میں خلل اندازی کی ہے۔ ۲۴ اسی لیے شیخ کا ہر حکم ماننا، خواہ وہ خلاف شرع اور احکام خداوندی کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہو، ضروری ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کلمہ کفر و بغاوت تک پڑھنے میں بھی ذرا تامل اور باک نہ ہونا چاہیے۔ مثلاً — شیخ جنید بغدادی نے اپنے ایک طالب سے لا الہ الا اللہ جنید رسول اللہ کلمہ پڑھوایا ۲۵ شیخ ابوبکر شبلی نے اپنے مرید ہونے والے ایک شخص کے سامنے یہ شرط رکھی کہ وہ جو کچھ کہیں گے اسے کرنا پڑے گا اور پھر جب اس نے قبول کر لیا تو اسے حکم دیا کہ وہ یہ کلمہ پڑھے لا الہ الا اللہ شبلی رسول اللہ۔ اس شخص نے چونکہ پیر کا راسخ العقیدہ تھا، فوراً پڑھ دیا۔ ۲۶ خواجہ معین الدین چشتی کے بارے میں بھی منقول ہے کہ انہوں نے ایک نووارد کا امتحان لینے کے لیے لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ کہلوا یا پھر بیعت لی۔ ۲۷

در اصل شیخ کو نظام تصوف میں اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ ”مرید کے ذہن میں اس کا تصور بھی نہیں ہونا چاہیے کہ شیخ کا فیصلہ یا حکم غلط بھی ہو سکتا ہے یا اس سے کسی غلطی کا صدور ممکن ہے۔ اس طرح کے ہر خیال کو اس کے حق میں سم قاتل بتایا گیا ہے۔“ ۲۸ شیخ کی بات بظاہر کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو مرید کو اس کا یقین ہونا چاہیے کہ شیخ کے پاس اس کی صحت کے لیے کوئی نہ کوئی قطعی دلیل ضرور ہوگی۔ ۲۹ ”شیخ سہروردی فرماتے ہیں کہ ”یہ بات ناممکن ہے کہ مرید کے دل میں شیخ پر اعتراض پیدا ہو اور وہ فلاح پائے۔“ ۳۰ ”چنانچہ اس راہ میں آنے کے لیے شیخ کی غیر مشروط اطاعت لازم قرار دی گئی ہے اور اس کی مرضی سے سرمو انحراف بھی جائز نہیں رکھا گیا ہے ورنہ اس کا شدید اندیشہ ہے کہ وہ شیخ اور خدا کی نظر سے گر جائے اور اسے شیخ کے خلاف مرضی عمل کا خمیازہ بھگتنا پڑے جیسا کہ حضرت بایزید کے ایک خدمت گار مرید کے ساتھ پیش آیا۔“ ۳۱ ”چنانچہ سہروردی فرماتے ہیں — لایکون هذا الا المرید حصر نفسه مع الشیخ و انسلخ من ارادة نفسه و فنی فی الشیخ تبرک اختیار نفسه (یہ صرف اس مرید کو حاصل ہو سکتا ہے جو خود کو شیخ سے وابستہ کر دے اور اپنے ارادہ و اختیار کو چھوڑ فانی الشیخ ہو جائے۔) ۳۲ حتی کہ ذوالنون مصری کے مطابق — ہرگز مرید نہ بودا استاد خود را فرمان برنده تر نبود از خدائی (کوئی شخص ہرگز مرید نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا سے زیادہ اپنے استاد (شیخ) کا فرمان بردار نہ ہو جائے۔ ۳۳

بات صرف اسی قدر نہیں ہے بلکہ بقول شیخ احمد سرہندی شیخ کو معبود اول کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”فنا اول فنا فی الشیخ ہے۔ پھر یہی فنا فنا فی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ بن جاتی ہے۔

زاں روی کہ چشم تست حول معبود تو پیر تست اول

(چونکہ تیری نظر اول میں احول (ایک کو دو دیکھنے والی) ہے اس لیے اولاً تیرا

معبود تیرا پیر و مرشد ہے)۔ ۳۴

یہ قول ہندو مذہب کے اس قول کے بمصداق ہے، جس میں کہا گیا ہے:

گرو گوند دوو کھڑے کا کو لاگوں پائیں، بلیہاری گرو آپنی نج گوند دوو بتائے

(شیخ اور خدا دونوں ہی سامنے کھڑے ہیں (شیخ کا مرید سوچ میں پڑ جاتا ہے

(کہ) کس کا سجدہ کیا جائے (شیخ کا یا خدا کا)۔ یہ دیکھ کر خدا نے خود ہی اشارہ کر دیا کہ شیخ کا سجدہ کیا جائے)

یہ تو معبود اول کی بات تھی، شاہ ولی اللہ دہلوی نے تو صوفی ہی کو اللہ مانا ہے اور دلیل کے طور پر انہوں نے اپنے چچا شیخ ابوالرضا کی زبانی صوفیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

’الصوفی هو اللہ (صوفی ہی اللہ ہے) ۳۵

صوفیہ کے مطابق یہ شیخ معبود اول ہی نہیں ہوتے بلکہ شیخ کو تو معبود حقیقی کے مقابلے میں ستر گنا زیادہ درجہ عطا فرمایا ہوا ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں:

”روایت ہے کہ ابوتراب نخشی کسی مرید پر نازاں تھے... ایک روز اس سے

ابوتراب نے فرمایا کہ ابویزید بسطامی کی ملازمت کر لے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو

ان کی حاجت نہیں ہے۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو مرید کو جوش آگیا

اور کہا کہ میں ابویزید کو کیا کروں، میں نے خدائے تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اس نے

مجھے ابویزید کے دیکھنے سے بے پروا کر دیا ہے۔ ابوتراب کہتے ہیں کہ میں بول

اٹھا کہ خدائے تعالیٰ کے دیکھنے پر مغرور ہوتا ہے۔ اگر ابویزید کو ایک بار دیکھے گا

تو خدائے تعالیٰ کو ستر بار دیکھنے سے تیرے حق میں زیادہ مفید ہوگا۔“ ۳۶

ستر ہی پر کیا موقوف ہے، شیخ کا درجہ اور مقام تو اس قدر بلند و برتر ہے کہ اس کے مقابلے

میں خدا کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ بھی ہے وہ مرشد ہی ہے اور بس۔ چنانچہ

مرشد کے بھیس کے علاوہ کسی اور بھیس میں خدا بھی ان کے لیے قابل التفات نہیں ہوتا۔ شاہ

اسماعیل شہید فرماتے ہیں:

”من جملہ آثار حبّ عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً دل کا تعلق شدید

ہو جاتا ہے۔ یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرت سجانہ و تعالیٰ کے فیض کا

ذریعہ ہے اور اس کی ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشدی عشق

کا متعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ

ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلّی

فرماوے تو البتہ میں اس کی طرف التفات تک نہ کروں گا۔“ ۳۷

صوفیہ کے یہاں شیخ کا یہ وہ بلند و برتر مقام ہے جس کی وجہ سے صوفیہ نے اپنے لیے سجدہ تعظیمی کو روارکھا ہے۔ نظام الدین اولیاء نے فرمایا:

”بہت سے آدمی میرے پاس آتے ہیں اور سجدہ تعظیم کرتے ہیں، زمین پر سر رکھتے ہیں۔ یہ امر شیخ الاسلام فرید الدین (گنج شکر) اور حضرت بختیار کاکی کے سامنے بھی ہوتا تھا اور آپ اس کو روارکھتے تھے۔ پس میں بھی کچھ نہیں کہتا۔“ ۳۸

اور صرف ظاہری سجدہ ہی کافی قرار نہیں دیا گیا بلکہ ظاہری تعظیمی سجدہ کے ساتھ ہی ساتھ شیخ کے تصور کو بھی ہمہ وقت بالخصوص حالت عبادت میں یکسو رکھنا شیخ کی عظمت و کبریائی برقرار رکھنے کے لیے ضروری بتایا گیا۔ شیخ احمد سرہندی ایسے شخص کو سعادت مند اور نصیب والا بتاتے ہیں جو تصور شیخ سے سرشار ہو اور اس قدر تصور شیخ کا غلبہ ہو کہ نماز میں بھی اسے اپنا مسجود جانتا ہو اور دیکھتا ہو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ وہ فرماتے ہیں:

”خواجہ محمد اشرف نے نسبت رابطہ (تصور شیخ) کے متعلق لکھا ہے کہ اس حد تک غالب آچکی ہے کہ نماز میں بھی اسے اپنا مسجود جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور اگر فرضاً نفی کرے تو مستغنی نہیں ہوتا۔ اے محبت کے اطوار والے یہ دولت طالبان حق کی تمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں سے شاید ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحب استعداد اور تمام المناسبت (کامل نسبت والا) ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے۔ رابطہ (تصور شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ وہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ نہیں ہے۔... اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو میسر آتا ہے۔“ ۳۹

مولانا روم نے انتہائی زور دے کر کہا ہے

پیر کامل صورت ظلّ اللہ یعنی دید پیر، دید کبریا
ہر کہ پیر و ذات اور ایک نہ دید نے مرید و مرید و مرید
(پیر کامل ظل الہی کی صورت ہے، یعنی پیر کا دیکھنا خدا کا دیکھنا ہے۔ جس نے پیر (خدا) اس کو ایک نہ دیکھا وہ مرید نہیں ہے، مرید نہیں ہے، مرید نہیں ہے)

فرید الدین گنج شکر نے فرمایا:

”اگر قیامت کے دن خدا تعالیٰ میرے پیر کی صورت کے سوا کسی دوسری صورت میں اپنا جلوہ یا کمال دکھائے گا تو میں اس کی طرف آنکھیں بھی نہ کھولوں گا۔“ ۴۰
شیخ محمد صادق نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی اگر پیر دست گیر کی صورت میں ہوا تو دیکھوں گا ورنہ اسے بالکل نہ چاہوں گا۔“ ۴۱
اور معین الدین اجمیری نے فرمایا:

”اگر روز قیامت خدا تعالیٰ کا جمال میرے پیر کی صورت میں ہوگا تو دیکھوں گا ورنہ اس کی طرف منہ بھی نہ کروں گا۔“ ۴۲

تصور شیخ دراصل صوفیہ اور ان کے مشائخ کے درمیان عبد و معبود کا رشتہ استوار کرنے کی ایک رذیل کوشش ہے۔ صوفیہ کے مطابق فنا فی اللہ، بقا باللہ اور واصل باللہ ہونے کے لیے مرید کو پہلے فنا فی اللہ ہونا ضروری ہے، جس کے لیے تصور شیخ ہی واحد راستہ ہے۔ یعنی مرید اپنی ذات کے لیے شیخ کو حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، قدیر و مقتدر، دیکھنے اور سمجھنے لگے تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بے گانہ ہو کر صرف شیخ کا ہو کر رہ جائے:

”ذکر تنہا بے رابطہ و بے فنا فی اللہ موصول نیست، ذکر ہر چند از اسباب وصول است، لیکن غالباً مشروط بر رابطہ محبت و فنا فی اللہ است۔“ ۴۳
(فنا فی اللہ شیخ ہوئے بغیر تنہا ذکر سے خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ ذکر بھی رسائی کا ایک سبب ہے۔ لیکن اس کی غالب شرط (پیر سے) محبت کا تعلق اور اس میں فنا ہو جانا ہے)

تصور شیخ اور فنا فی اللہ کا یہ سلسلہ شیخ کی زندگی کے علاوہ اس کے مرنے کے بعد بھی قائم رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور زیارت قبور، مردے کی روح سے الحاق اور ان سے کسب فیض کی ہدایتیں کی جاتی ہیں اور طریقے بتائے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

”اللہ والوں کی نسبت تصوف معلوم کرنا، سوا اس کی صورت یہ ہے کہ بزرگ زندہ ہو تو اس کے سامنے بیٹھ جائے اور اگر وہ وفات پا چکا ہو تو طالب اس کی قبر پر بیٹھے اور اپنے نفس کو ہر نسبت سے خالی کر دے اور اپنی روح کو اس بزرگ کی

روح تک کچھ عرصہ کے لیے پہنچا دے۔ یہاں تک کہ اس کی روح اس بزرگ کی روح سے مل جائے اور دونوں میں اختلاط ہو جائے۔ اس کے بعد طالب خود اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو۔ اس حالت میں جو کیفیت بھی وہ اپنے دل میں پائے گا، یہی کیفیت اس بزرگ کی نسبت تصوف ہوگی۔“ ۴۴

یہ شیخ مرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندوں کی طرح تصرف پر قادر ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ ہی کا بیان پیش ہے:

”حضرت علیؑ کے بعد اولیاء کرام اور اصحاب طرق کا سلسلہ چلتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو باحسن وجوہ طے کر کے نسبت اولیٰ کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے قدم رکھا، وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات گرامی ہے۔ اسی بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔“ ۴۵

چنانچہ مشائخ کے مزارات کو وہ اہمیت دی گئی کہ وہاں سے کوئی بھی شخص وہ سب کچھ پاسکتا ہے جس کی بھی خواہش اور تمنا کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ مزارات پر عرس اور چرغاں کا سلسلہ وجود میں لایا گیا اور اس کی شرکت کو باعث خیر و برکت، حصول نعمت اور تکمیل حاجات کے لیے سب سے بڑا بلکہ واحد ذریعہ گردانا گیا اور خلائق کثیر کو لاکر ان مزارات پر سجدہ ریز کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ شیخ تو شیخ الشیوخ کو بھی اپنے شیخ کے عرس مبارک میں شرکت کرنا باعث خیر کثیر بتایا گیا، حتیٰ کہ شیخ احمد سرہندی کے لیے بھی۔ شیخ بدرالدین سرہندی فرماتے ہیں:

”جب آپ (مجدد شیخ احمد سرہندی) حضرت خواجہ کے عرس مبارک پر دہلی آئے۔“ ۴۶

”ایک روز آپ (شیخ احمد سرہندی) کسی تقریب سے حضرت شاہ ابو بخاری کے مزار پر کہ مزارات متبرکہ سرہند میں سے ہے، تشریف لے گئے۔ یہ حقیر مؤلف بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ اس مزار پر تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے اور توجہ اور مراقبہ فرمایا۔ بہت دیر کے بعد آپ اٹھے اور رخصت فرمائی۔“ ۴۷

اور اس طرح مزار اقدس سے مستفیض ہوئے:

”ایک دن امیر شریف میں آپ (شیخ احمد سرہندی) قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور بہت دیر تک مراقبہ رہے۔ جب باہر نکلے تو اپنے قریب والوں سے فرمایا کہ حضرت خواجہ نے بہت لطف و کرم فرمایا اور اپنی خاص برکات سے ضیافت فرمائی اور اسرار و رموز بھی بیان فرمائے۔“ ۴۸

اسی بنا پر مشائخ صوفیہ کے مزارات کی زیارت کرنا اور شیخ کے واسطے سے دعا مانگنا صوفیہ اور صوفیہ کی وساطت سے عام لوگوں میں بہت رائج چلا آ رہا ہے۔ حاجب روائی اور مشکل کشائی کے لیے جوق در جوق لوگ مزارات کی پابوسی کرتے چلے آ رہے ہیں، اپنے سجدوں سے انہیں اپنے مقصد برآری کے لیے راضی کرتے رہے ہیں۔ اور یہ مشائخ بھی ڈنکے کی چوٹ پر اپنی ربوبیت، قدرت کاملہ اور عطا و بخشش کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ مثلاً شاہی موئے تاب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری وفات کے بعد جس شخص کو کوئی مشکل پیش آئے اس کو لازم ہے کہ مسلسل تین روز میری زیارت کو آئے۔ ان شاء اللہ اس کی مراد پوری ہوگی۔ اگر نہ ہو تو چوتھے دن پھر آئے۔ ضرور حاجت پوری ہوگی۔ اگر (چوتھے روز بھی) بالفرض پوری نہ ہو تو پانچویں دن آکر میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ ۴۹ شرک فی الصفات کے ذیل میں اس طرح کی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں انہیں دیکھا جاسکتا ہے۔

شیخ کی ان ہی خدائی صفات کی بنا پر صوفیہ حج بیت اللہ پر شیخ کے مزارات کی زیارت کو ترجیح دینے لگے اور یہ مقولہ ان کے ہاں مشہور ہوا کہ حج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو قبروں پر نذر چڑھانے اور ان پر سجدہ ریز ہونے کے مرض میں مبتلا ہو گئے، ان مزارات کی اسی اہمیت اور افادیت کی بنا پر انہیں پختہ بنانے اور خوب سے خوب تر مزین کرنے کی وبا بری طرح سے پھیل گئی۔

اجزائے ترکیبی

میں سے چونکہ یہ صوفیہ حضرات خود بھی ہیں، اس لیے وہ بھی پوری بے باکی کے ساتھ اپنی خدائی کے دعوے دار ہیں۔

اس دعوے کے لیے حلول اور اتحاد کے فلسفے وضع کیے گئے۔ اس فلسفے کے تحت کبھی خدا کو اپنے جسم کے اندر اتار لایا گیا اور کبھی صوفیہ نے خود ہی صعود کر کے خدا کی ذات میں جا کر ضم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس حلول و اتحاد کے اظہار کے لیے فنا و بقا، وصل و جذب اور جمع و اتصال وغیرہ جیسی اصطلاحات وضع کی گئیں۔

اس حلول و اتحاد کا حصول ہی دراصل صوفیہ کا نصب العین ہے۔ اسی نصب العین کے حصول کے لیے پورے مذہب تصوف کے فکری، نظری اور عملی تانے بانے بنے گئے ہیں اور اسی نصب العین کے حصول کے لیے توحید، رسالت اور آخرت کے قرآنی عقائد اور نیکی و بدی، ثواب و عذاب، جنت و جہنم حتیٰ کہ عبد و معبود، مخلوق و خالق، مملوک و مالک وغیرہ تمام قرآنی الفاظ و اصطلاحات کی معنویت اور مفہومات کو الٹ کر رکھ دیا گیا ہے اور آخرت کی کامیابی و کامرانی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے بجائے ذات خداوندی سے اتصال و اتحاد پیدا کر کے مقام الوہیت پر فائز ہونے اور اسی پر قائم رہنے کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا۔ اس کے لیے سیر و سلوک کی راہیں وضع کی گئیں اور اکابرین صوفیہ نے خدائی کے مقام تک پہنچنے کا دعویٰ بھی کر ڈالا۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے مشائخ دنیا اور پوری کائنات پر متصرف ہیں۔ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ کسی کو مارنے کے لیے صرف ان کی آنکھوں کے اشارے ہی کی ضرورت ہے اور بس۔ مرے ہوؤں کو زندہ کرنے کے لیے قم باذنہی (میرے حکم سے کھڑے ہو جاؤ) کہہ دینا ہی کافی ہے۔ عورت کی زندگی کو گھوڑے میں بھی منتقل کر سکتے ہیں۔ بیک وقت وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں حتیٰ کہ اس پوری کائنات کے تمام حقائق اگر نہیں تو کم از کم ننانوے فی صد سے ضرور ہی آگاہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور ان میں بس اس قدر فرق ہے کہ ان کے ننانوے فی صد کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سو کے سو فی صد سے واقف ہوتا ہے۔ دنیا اور موجودہ کائنات کیا چیز ہے، وہ تو آخرت پر بھی مقتدر اور متصرف ہیں۔ وہ چاہیں تو ان کے دوزخ کے سامنے صرف حاضر ہو جانے ہی سے دوزخ مارے خوف کے سرد پڑ جائے۔

جیسا کہ کہا گیا تصوف ایک باضابطہ مذہب ہے۔ چنانچہ اس کے اپنے نظام ہائے عقائد و نظریات ہیں اور ان عقائد و نظریات کے مطابق ان کے اعمال و اشغال ہیں۔ گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے مباحث کی روشنی میں تصوف کے چند خاص اور بنیادی اجزائے ترکیبی پیش کیے جا رہے ہیں جو تمام صوفیہ کے یہاں قدر مشترک ہیں اور از اول تا امروز تمام صوفیہ کے یہاں بے کم و کاست مسلم چلے آ رہے ہیں۔

ان میں سے پہلی چیز ایمان ہے۔ صوفیہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک نہیں ہے بلکہ یہ کائنات اور اس کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار مخلوق جنہیں ہم اپنی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، یہ سب دراصل ہماری نظروں کا دھوکہ ہے، اصلاً سب کی سب خدا ہی ہیں۔ خدا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ خالق اور مخلوق، عبد اور معبود، رب اور مربوب وغیرہ کی تفریق بے معنی ہے۔ اس لیے کہ جو مخلوق ہے وہی خالق ہے، جو عبد ہے وہی معبود ہے اور جو مربوب ہے وہی رب ہے۔ دراصل خدا کی حیثیت کبھی خالق کی ہوتی ہے کبھی مخلوق کی، کبھی معبود کی ہوتی ہے اور کبھی عبد کی۔

ان سبھوں کو ایک سمجھنا توحید ہے اور اگر ان کے درمیان تفریق پیدا کی جائے گی، مخلوق کو خالق سے اور عابد کو معبود سے جدا سمجھا جائے گا تو یہ دوئی کو تسلیم کرنا ہوگا اور شرک ہوگا بلکہ شرک بالذات ہوگا۔ اس طرح صوفیہ کے یہاں جو بنیادی کلمہ خبیثہ مرتب ہوا وہ ہے — لا الہ الا اللہ کے برخلاف لا موجود الا اللہ — ہر ایک چیز اللہ ہی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی بھی شے موجود نہیں ہے۔ اس کے لیے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے کلمات وضع کیے گئے۔ اس طرح اس بنیادی کلمہ کی رو سے انسان اور حیوان، نباتات اور جمادات جن اور فرشتے، زمین اور آسمان اور ان میں مقیم اور متحرک تمام ہی مخلوقات خدا ہیں اور ان ہی

ان کی مرضی کے بغیر فرشتے بھی چوں نہیں کر سکتے۔ فرشتوں نے اگر سہواً بھی کسی شیخ کے مرید کو جہنم میں لے جانے کی کوشش کی تو اسے بالآخر رہائی دینی پڑے۔ فرشتے تو خیر سے بے چارے فرشتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کی مرضی کے خلاف نہیں جاسکتا۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اکابر و مشائخ صوفیہ پر کارخانہ قدرت کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے لیے ایک پورا عملہ مصروف کار ہے۔ یہ افراد عملہ مختلف بڑے چھوٹے مناصب اور ذمہ داریوں پر فائز ہوتے ہیں اور ان کے درمیان درجہ بدرجہ کاموں کی تقسیم کی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ رجال الغیب یا مردان غیب کہلاتے ہیں۔ یہ اپنے مناصب اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے باختیار ہوتے ہیں اور اپنے سے اونچے عہدے والوں کے حضور جواب دہ ہوتے ہیں۔ ان میں جو سب سے اعلیٰ منصب پر فائز ہوتا ہے اسے غوث یا قطب کہتے ہیں۔ ان غوث اور قطب میں بھی درجہ بندی ہے۔ کوئی تو محض غوث یا قطب ہوتا ہے اور کسی کو قطب الاقطاب اور غوث الاعظم کا عہدہ تک بھی تفویض کیا گیا ہے۔ ان کی تعداد بھی متعین ہوتی ہے، جسے ہمیشہ قائم رکھا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی عہدہ خالی ہو جاتا ہے تو فوراً اسے پر کیا جانا ضروری ہوتا ہے، ورنہ کیا پتہ کہ کہاں کے انتظام میں کیا خلل واقع ہو جائے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ رجال الغیب یا کم از کم ان میں سے قطب، ابدال وغیرہ کچھ خاص منصب دار مرتے نہیں ہیں بلکہ دنیا سے انتقال ہو جانے کے بعد تو ان کی کارکردگی کی صلاحیت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کے اختیارات اور تصرفات بڑھ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ مرنے کے تین چار سو سالوں کے بعد تو وہ شعلہ جوالہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ان سے استفادے کا موقع ان کی زندگی سے زیادہ ان کے مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ اسی لیے ان کے مزارات مرجع خلایق ہوتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں افراد شبانہ روز ان مزاروں سے استفادے کرتے رہتے ہیں۔ لہذا ان مزاروں کو لوگوں کے استفادے کے لیے بنا سنوار کر رکھا جاتا ہے۔ ان پر چراغوں اور چادروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مشائخ صوفیہ ان مزاروں کے اندر ہی سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے رہتے ہیں، بے اولاد کو اولاد بخشتے رہتے ہیں، بے مال کو مالا مال کرتے رہتے ہیں، مصیبت زدہ کو مصیبتوں سے

نجات دلاتے رہتے ہیں۔ غرض کہ کیا کچھ مرادیں ہیں جو پوری نہیں ہوتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ مشائخ خود اپنے مزاروں کو روشن نہیں کر سکتے بلکہ دوسروں ہی کے دست نگر رہتے ہیں کہ وہ عرس کریں تو عرس منعقد ہو ورنہ نہیں، وہ چراغ جلائیں تو روشنی ہو ورنہ یہ مزارات اندھیرے ہی میں رہیں۔ ان پر چادریں چڑھائی جائیں تو مزارات کی تن پوشی ہو ورنہ ان کے مزارات برہنہ ہی رہیں۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ چوں کہ ساری ہی مخلوقات اپنی الگ الگ شکل و ہیئت میں ہونے کے باوجود ایک ہی وجود ہیں جو اسی وجود حقیقی یعنی خدا سے علاحدہ ہوئی ہیں۔ اسی لیے ان کی فطرت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ پھر سے اسی اصل حقیقت کی طرف صعود کریں اور پھر سے اسی ذات سے واصل ہو جائیں جہاں سے انہیں علاحدہ ہونا پڑا تھا۔ دیگر مخلوقات کا حال تو صوفیہ نہیں بتاتے ہیں اور نہ ہی تمام انسانوں سے متعلق۔ البتہ صرف اپنے طبقہ صوفیہ کے تعلق سے صعود و وصل کے لیے انہوں نے وصل و اتحاد، فنا و بقا، جمع الجمع وغیرہ کے عقیدے وضع کیے ہیں۔ وہ اپنی فطرت میں پھر سے واصل بحق ہونے کے جذبے سے سرشار ہی نہیں ہوتے بلکہ یہ سرشاری اور سرمستی نہایت ہی شدید اور عمیق ہوتی ہے۔ اسے عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ صوفیہ عشق میں اپنے آپ کو خوب سے خوب تر سرشار کرنے کے لیے ہر طرح کی نفس کشی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ نفس کشی چہار ترک اور ریاضتوں سے ممکن بتائی جاتی ہے۔ چنانچہ چہار ترک — ترک طعام، ترک منام، ترک کلام اور ترک مع الانام کے ساتھ ساتھ فکری، خیالی، لسانی اور جسمانی ہر طرح کی ریاضتیں وضع کی گئی ہیں، جن کی پابندی سے انجام دہی ضروری ہے، ورنہ نصب العین کا حصول ممکن ہی نہیں بلکہ دعوائے عشق بھی محض کھوکھلا دعویٰ متصور ہوتا ہے۔

عشق خداوندی میں سرمست اور سرشار ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا اور علاقے دنیا سے اس طرح یکسر منقطع ہو جائیں کہ انہیں دنیا تو دنیا ہے تکلیف و آرام، غم و خوشی، سود و زیاں، مرض و صحت، بھوک اور شکم سیری وغیرہ تمام چیزوں کا صرف احساس ہی ختم نہ ہو جائے بلکہ ان احساسات کا احساس ہونا بھی معدوم ہو جائے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ہی کی فکر اور خواہش واصل بحق ہونے میں رکاوٹیں ہیں۔ دونوں ہی جہانوں کی لذتیں دراصل فریب کے جال ہیں، ان کی نہ تو کوئی حقیقت ہے اور نہ حیثیت۔ دونوں ہی کی لذتیں اور نعمتیں عشق کی راہ میں حجاب اور حارج ہیں، وصل و اتحاد میں سدِ راہ اور اصل نصب العین سے پھیر دینے والی ہیں۔ لہذا راہ تصوف میں سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں ہی سے ہاتھ دھولیں تاکہ منزل مقصود تک رسائی آسان اور ممکن ہو سکے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جنت اور اس کی لازوال نعمتوں اور لذتوں اور دوزخ کی بے انتہا اذیتوں اور حزن و ملال میں کوئی خاص جوہری فرق نہیں ہے۔ جنت اگر راحت و سکون کی جگہ ہے تو جہنم بھی عیش و سرور ہی کی جگہ ہے بلکہ صوفیہ کے لیے تو جنت جائے راحت و سکون سرے سے ہے ہی نہیں، جہنم ہی انہیں راس آنے والا ٹھکانہ ہے۔ لہذا، ان کے لیے ترجیح جنت نہیں، جہنم ہی ہے۔ اس لیے بھی کہ ان کے عقیدے کے مطابق بہت ہی بڑے بڑے موحدین مثلاً ابلیس جیسا موحد جس نے غیر اللہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی جہنم میں جلنے سے لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ پھر عشق کا تقاضا بھی تو جلنا ہے نہ کہ راحت و سکون۔ جس قدر سوزش اور جلن میں زیادتی ہوتی ہے، اسی قدر گرمی عشق میں اضافہ ہوتا ہے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ انہیں کسی نبی یا اللہ کی کتاب کے ذریعہ ہدایت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ چیزیں ان کے عظیم سلوک و طریقت کے لیے سم قاتل ہیں۔ یہ چیزیں انہیں اصل مقصد سے پھیر سکتی ہیں اور انہیں ناکام بنا کر رکھ سکتی ہیں۔ اس لیے ان سے جس قدر بھی صرف نظر کیا جائے بہتر ہے۔ حتیٰ کہ جو کچھ بھی علم انہیں کسی طرح اور کسی بھی وجہ سے حاصل ہو گیا ہو، ان سے بھی وہ لا تعلق ہو جائیں، انہیں بھلا دیں اور ان سے مکمل طور پر دست بردار ہو جائیں تاکہ انہیں ان مخصوص علوم سے کسب فیض کا موقع حاصل ہو سکے جو طریقت کے لیے ضروری ہیں۔

صوفیہ چونکہ براہ راست خدا سے مربوط اور متصل ہوتے ہیں اس لیے انہیں دوسروں سے یا دوسرے ذرائع سے علوم و معرفت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ خود حسب مرضی، موقع

اور ضرورت اسی بارگاہ حق سے بلا کسی وسیلے اور بغیر کسی ذرائع کے حاصل کر لیتے ہیں۔ البتہ اکابرین اور مشائخ صوفیہ سے کسب فیض اس سے مستثنیٰ ہے۔ پھر وہ ان علوم باطنی اور ریاضات شاقہ کی وساطت سے دنیا تو دنیا دیگر عوالم کی بھی سیر لمحوں میں کر سکتے ہیں اور ہر طرح کی خبروں سے باخبر ہو سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ کارخانہ قدرت کی کارروائیوں اور منصوبوں سے بھی بخوبی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ وہ تو اس قدر علم کا خزانہ اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں کہ بے چارے انبیاء اور ملائکہ بھی ان سے درس لینے کو اپنے لیے اعزاز اور افتخار سمجھتے ہیں، جیسا کہ عبدالقادر جیلانی کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے، تو بھلا ایسے جامع العلوم ہستیوں کو کتاب اللہ اور تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تو مردوں کی تعلیمات ہیں جو ہر اس شخص سے روایت کی جاتی ہیں، جن میں سے ہر شخص مرچکا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ابھی بھی جو شخص روایت کر رہا ہے وہ بھی وفات پا جائے گا۔ جب کہ ان کا علم براہ راست اس زندہ جاوید ہستی سے اخذ کیا ہوا ہوتا ہے جسے موت نہیں آتی۔

ظاہر ہے کہ ان کے علوم جو کشف و مشاہدے اور الہام اور مراقبے سے حاصل ہوتے ہیں کہ ان کے نتیجے میں ہفت اقالیم ہی پر کیا موقوف ہے چودہ طبق زمین و آسمان کے بھی عیاں ہوتے ہیں، جہاں چاہیں دیکھ لیں۔ پر پرواز کا یہ عالم ہوتا ہے کہ لمحوں میں زمین تو زمین ساتوں آسمان تک کی سیر کر سکتے ہیں۔ کہیں بھی کسی بھی عالم میں کسی بھی مخلوق یا خود خالق کائنات سے بھی ربط و تعلق قائم کر سکتے ہیں، احوال و مقامات کی جانکاری لے سکتے ہیں، ان سے ہم کلام ہو سکتے ہیں وغیرہ۔ یہ مرتبہ و مقام قرآن و سنت کے علوم کے حاملین کو کہاں میسر ہے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شریعت جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عنایت کردہ ہے اور جس کی پیروی پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے صلاح و فلاح دنیا و آخرت کی بشارت اور ضمانت دی ہے، ظاہری علوم پر مبنی ہے اور اس کی حیثیت پوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق اصل علم طریقت کا علم ہے۔ جو علوم باطنی پر مشتمل ہے اور جسے صوفیہ براہ راست خدا سے کشف و الہام، شہود اور مراقبے کے ذریعہ اخذ کرتے ہیں۔

چنانچہ اس علم کو بیان بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ وہ کہتے — حدثنی قلبی عن ربی — اسی طرح ان کے خیال کے مطابق شریعت اور طریقت کے علوم میں فرق بعد المشرقین ہے — ایک ظاہری ہے دوسرا باطنی، ایک مُردوں سے روایت کردہ ہے، دوسرا باطنی علم براہ راست خدا سے اخذ کردہ، ایک کی حیثیت پوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے دوسرے کی حیثیت اصل اور مغز کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدے کی بنا پر ظاہری اور بے حیثیت اور مُردوں کے واسطے سے حاصل ہونے والے علوم شریعت یعنی پوست کو چھوڑ دینا اور علوم باطنی جو اصل اور مغز ہے اور براہ راست خدا سے اخذ کردہ ہے کو اختیار کرنا ہی ان کے خیال میں حکمت و دانائی بھی ہے اور باعث حصول کرامات، تصرفات اور اختیارات بھی۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ملائکہ عورتیں ہیں۔ وہ مشائخ سے کسب فیض کرتے ہیں۔ وہ مشائخ کے تابع دار ہوتے ہیں۔ ان پر مشائخ کا حکم چلتا ہے۔

ایمان اور عقائد کی طرح صوفیہ کے یہاں عبادات اور ریاضات کا بھی ایک باضابطہ نظام قائم ہے۔ عبادت تو خیر سے نام ہے ورنہ اصلاً ساری کی ساری ریاضات ہی ہیں۔ مثلاً عام نمازیں چار سو رکعات سے لے کر ایک ہزار رکعات تک یومیہ ہوتی ہیں۔ یہ چار سو رکعات سے لے کر ایک ہزار رکعات یومیہ نمازیں ان خصوصی نمازوں کے علاوہ ہوتی ہیں جو صوفیہ نے وضع کی ہیں اور ان کے مختلف نام رکھے ہیں۔ مثلاً نماز خضر، نماز کن فیکون، نماز اویس قرنی، نماز فقراء، نماز لیلیۃ الرغائب، نماز درازی عمر، نماز طلوع وغروب، صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰۃ الاسرار، صلوٰۃ الایمان، صلوٰۃ البروج، صلوٰۃ السعادة، صلوٰۃ العاشقین، صلوٰۃ قربت، صلوٰۃ فتح وغیرہ ان میں ایک نماز معکوس بھی ہے جو واقعی بڑی ہی سخت ریاضت ہے۔ کنویں کے اندر الٹا لٹک کر ادا کرنی پڑتی ہے، وہ بھی ساری ساری رات۔

لمبی سے لمبی مدت تک بغیر کھائے پئے رہنا اور اسی حال میں جسمانی ریاضتیں بھی معمول کے مطابق کرتے رہنا تصوف کے اہم ارکان میں سے ایک ہے۔ چنانچہ اس تعلق سے بڑی بڑی ریاضتوں کا ذکر ملتا ہے۔ کوئی چالیس دنوں بھوکا رہ سکتا ہے تو کوئی اسی دنوں، کسی نے چھ ماہ بغیر کھائے پیئے رہنے کا دعویٰ کیا ہے تو کسی نے چھ سال کا، کسی نے نفس کشی کے لیے سال بھر تک پانی نہیں پیا۔ پھر یہ کہ اتنی لمبی مدت بھوک اور پیاس برداشت کرتے

رہنے کے باوجود صوفیہ ایسے تن و جان کے بنے ہوتے ہیں کہ اس سے ان کی صحت پر ذرہ برابر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی ان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے، بلکہ وہ اپنے معمولات بحسن و خوبی انجام دیتے رہتے ہیں۔

حج تو وہ بس یوں ہی اوائل اوقات میں ادا کر لیتے ہیں۔ بعد میں تو پھر خانہ کعبہ کو خود ہی آکر ان مشائخ صوفیہ کا حج ادا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ خانہ کعبہ خود مشائخ صوفیہ کے قریب آکر اپنے مراسم حج ادا کرتا ہے، مشائخ کا طواف کرتا ہے، قہراً جبراً نہیں بلکہ کامل سعادت مندی اور عقیدت مندی کے ساتھ۔ اس کے لیے خانہ کعبہ کو دور دراز کا سفر بھی اختیار کرنا پڑتا ہے، جسے انجام دینا بہر صورت اس پر فرض ہوتا ہے۔

حج ہی کی طرح اوائل اوقات میں صوفیہ از راہ انکسار نماز روزے کی پابندی کر لیتے ہیں، ورنہ ان کی ذات تو اس سے بدرجہا ارفع اور اعلیٰ ہے کہ انہیں وہ ادا کیا کریں۔ ان کے اوپر سے فرائض اور ارکان کے ادا کرنے کی پابندی اٹھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ تو پہلے ہی سے مقبول بارگاہ ہوتے ہیں۔ اور وہ واصل بحق ہوتے ہیں اور واصل بحق ہونے کے نتیجے میں ظاہر ہے کہ وہ حق ہی ہوتے ہیں چنانچہ جب خود ہی حق ہوئے تو نماز، روزے اور دوسری عبادتیں بجالانا کیا معنی۔

یوں بھی نماز، روزے اور دوسرے ارکان اور فرائض کا مقصد اخروی کامیابی ہے۔ جب کہ صوفیہ کو دنیا اور آخرت دونوں سے بے نیازی ہے۔ جنت میں عیش کرنا اور جہنم میں جھلسنا ان کے نزدیک یکساں ہیں، بلکہ وہ جنت کو پسند بھی نہیں کرتے ہیں۔ جہنم میں جانا ان کی پسند ہے۔ ایسی صورت میں عبادات ان کے نزدیک چنداں اہمیت نہیں رکھتیں۔

صوفیہ کے یہاں اصل چیز مکاشفہ اور مشاہدہ ہے جن کے ذریعہ وہ براہ راست واصل بحق ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے واصل بحق ہونے والے کے نزدیک رنج و راحت، جزا و سزا، جنت و جہنم وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ نفس کشی اور اذیت روح و جسم ان کی طریقت کے اہم اجزاء ہیں جن سے ان کے درجات بلند ہو سکتے ہیں، واصل بحق ہو سکتے ہیں، بقائے دوام حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ان سب کے لیے بس پیرومرشد کا دامن تھام لینا ہر طرح کفایت کرتا ہے۔

لہذا نفس کشی اور ریاضات کی صوفیہ کے یہاں بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے کہ ان کے اپنے عقیدہ و خیال کے مطابق انہیں اپنی نفس کشی، ترک علاق اور سخت ریاضت کے ذریعہ زبردست قوت، صلاحیت، اختیارات، تصرفات وغیرہ اعلیٰ صفات حاصل ہوتی ہیں، جن کے نتیجے میں لمحوں میں قرآن حرف بہ حرف پڑھ کر ختم کر سکتے ہیں۔ ہواؤں میں اڑنا کیا معنی، ہواؤں کے دوش پر مصلیٰ بچھا کر نماز تک پڑھ لیتے ہیں۔ اسی طرح سطح آب پر چلنا کیا معنی وہ تو اس پر بھی مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کر لیتے ہیں اور اس سے نہ تو ان مشائخ کے پاؤں تک بھگکتے ہیں اور نہ ہی مصلیٰ۔ پل بھر میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتے ہیں، خدائی صفات کے حامل ہو جاتے ہیں، ہر طرح کے تصرفات کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض کہ نفس کشی اور تعذیب نفس کے ساتھ ہی ساتھ جسمانی، لسانی اور فکری ریاضات میں بڑی تاثیر بیان کی جاتی ہے اور اس کے بڑے بڑے فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔

صوفیہ کے یہاں یہ مسلمہ اصول چلا آ رہا ہے کہ دنیا اور علاق دنیا سے مکمل طور پر منقطع ہو جانا تصوف میں راہ سلوک اختیار کرنے والے کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ ہر طرح کے معاملات و تعلقات، انسانی محبت و اخوت، تزوج اور تامل، خویش و اقارب، رشتے ناتے، حقوق و فرائض، عدل و احسان، رزق و معاش، علم و نصیحت، ریاست و حکومت وغیرہ سے کنارہ کش ہونا، لاتعلق ہونا اور ہاتھ دھو بیٹھنا راہ تصوف میں مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی سے روگردانی کے ساتھ ساتھ حقوق نفس اور حقوق العباد کی ادائیگی سے بھی باز رہنے کی تعلیم و تلقین سے تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں تاکہ معاشرہ اور اس کے اصول و آداب، نظم و نسق، تہذیب و تمدن کا سرے سے سوال ہی پیدا نہ ہو، جس کے نتیجے میں انہیں سمع و طاعت، حلال و حرام اور حقوق و فرائض کے لیے شریعت کی طرف رجوع کرنا پڑے۔ ان سب سے یہ کہہ کر دامن بچانے کی ترغیب دی جاتی ہے کہ یہ سبھی کچھ ایک عاشق صادق کی راہ میں رکاوٹیں ہیں اور منزل مقصود تک پہنچنے میں سد راہ ہیں۔ جو براہ راست وصل خداوندی کا طالب ہو اسے ان بکھیڑوں میں الجھنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح صوفیہ اور علم دو متضاد چیزیں بتائی جاتی ہیں کہ جہاں ایک چیز ہوگی وہاں دوسری چیز کا گزر ممکن ہی نہیں ہے۔ البتہ وہ علوم اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں بلکہ صوفیہ کے یہاں

مرغوب اور مسعود ہیں جو اکابرین و مشائخ صوفیہ نے وضع کیے ہیں اور کشف و الہام اور شہود اور مراقبہ کا نتیجہ ہیں کہ ان علوم اور ان علوم کے مطابق نفس کشی اور سخت ریاضتوں کے ذریعہ بڑے بڑے خرق عادات کا رنامے انجام دیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً سطح آب پر یا ہوا کے دوش پر مصلیٰ بچھا کر نمازیں پڑھنا، سات سو مرتبہ تک روزانہ پورا قرآن پڑھ ڈالنا، بلکہ لمحوں میں پورا قرآن لفظ بہ لفظ پڑھ کر ختم کر ڈالنا، پل بھر میں ہزاروں میل کا سفر طے کر لینا، بستر پر ہی پڑے پڑے ہفت اقلیم اور عالم بالا کی سیر کر لینا، جنت کے باغوں میں ٹہل لینا، جہنم کے جنگلوں میں گھوم پھر لینا، آگ کے تنور میں بیٹھ کر بھی نہ جل سکنا، شیروں کے کان پکڑ کر اسے سیدھا کر دینا، ان پر لکڑیاں لاد کر بار برداری کا کام لینا، زندوں کو اپنی آنکھوں کے محض اشاروں ہی سے مار ڈالنا اور مردوں کو ایک حکم میں زندہ کر ڈالنا، بے اولاد کو اولاد عطا کر دینا، بے مال کو مالدار بنا دینا، دکھ، بیماری، رنج اور مصیبت سے چٹکی بجاتے نجات دلادینا وغیرہ جیسے دنیاوی کرامات کے علاوہ آخرت میں بھی فرشتوں پر حکم چلانا، جہنم میں جانے والے اپنے مریدوں کو جہنم میں جانے سے بچا لینا وغیرہ کے علاوہ دیدار خداوندی تو خیر سے عام بات ہے، خدا کے ساتھ کھانے، پینے، بیٹھنے اور کلام کرنے کی صفات سے متصف ہو جانا جیسی برکتیں ان ہی علوم مکاشفہ کے نتائج ہیں اور یہ سلسلہ ہائے دراز صرف صوفیہ کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبروں ہی سے خلائق کثیر کی دہائی سننے، ان کی بگڑی بنانے، ان کی حاجت روائی کرنے، انہیں مصیبتوں سے نجات دلانے میں بھی وہ ید طولی رکھتے ہیں۔

صوفیہ کے یہاں علوم مکاشفہ کے حصول، نفس کشی بلکہ تعذیب نفس کی شدت اور سخت ریاضات کی انجام دہی کا مقصد دنیاوی یا اخروی صلاح و فلاح اور محبت و رضائے الہی نہیں ہے۔ یا پھر خشیت الہی اور خوف جہنم بھی نہیں ہے بلکہ ان سب سے ان کا مقصد وصل و اتحاد خداوندی ہے۔ اس وصل و اتحاد کے لیے جذب و عشق کی سرمستی اور سرشاری ضروری ہے۔ یہ سرمستی اور سرشاری دراصل ان ہی علوم مکاشفہ کے حصول، تعذیب نفس کی شدت اور سخت ریاضات کی انجام دہی کی راہ سے ممکن ہے۔ کبھی صوفیہ اپنے آپ کو خدا کے عاشق ہونے کی یقین دہانی اپنے مذکورہ اعمال سے کراتے ہیں اور کبھی خدا کی طرف سے عشق کا جواب ان

اعمال و اشغال سے دیتے ہیں تاکہ خدا کو یہ یقین ہو جائے کہ ع
دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

صوفیہ کے یہاں عشق کا بڑا اونچا مقام ہے۔ ان کے سامنے عبادت الہی اور اطاعت رسول اللہ ﷺ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ تو بس فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہونے کے نشے میں چور ہوتے ہیں اور ہمہ وقت اسی کا خواب دیکھا کرتے ہیں۔ خدا کو زیادہ سے زیادہ اپنے عشق کی گرمی اور سرشاری سے آگاہ کرنے کی دھن میں لگے ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کے لیے طرح طرح کے طریقے ایجاد کر ڈالے ہیں۔ مثلاً سماع، وجد، حال اور شعر و نغمہ کے ساتھ ساتھ راگ رنگ اور رقص و موسیقی سے بھی کام لیتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے عشق اور اس کی شدت کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ جب اس سے بھی بات بنتی نظر نہیں آتی تو مجنونانہ حرکتیں مثلاً جامہ درمی اور سر پر خاک ڈالنے جیسی حرکتیں بھی انجام دیتے ہیں۔

نظام تصوف میں شیخ یا پیر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس کے بہت سارے مرید ہوتے ہیں۔ مرید بیعت کے ذریعہ سے پیر سے وابستہ ہوتا ہے۔ مرید کو شیخ کی بے چوں و چرا اطاعت کرنی پڑتی ہے، خواہ اسے معصیت ہی کا حکم کیوں نہ دیا جائے۔ یہاں تک کہ شیخ اگر مرید کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کو رسول اللہ کہے تو اسے اپنے شیخ کو رسول اللہ کہنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر مرید ہوا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرید کو یہ اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ پیر ہی کی رہنمائی میں وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ ورنہ بصورت دیگر کسی طرح بھی منزل مقصود کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یہ اعتقاد اس قدر پختہ ہونا چاہیے کہ اس کے برخلاف ایک ذرا سا خیال بھی نہ آئے ورنہ مرید کی مریدی بے کار ہو کر رہ جائے گی۔ بلکہ اسے یہ بھی پختہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ شیخ کی کوئی بھی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ غرض کہ شیخ سے متعلق غیر مشروط اعتقاد اور شیخ کی غیر مشروط اطاعت لازمی ہے، ورنہ مرید شیخ اور خدا دونوں کی نظروں سے گر سکتا ہے اور گر کر برباد ہو سکتا ہے۔

فرماں برداری کا جہاں تک تعلق ہے تو مرید کو اپنے شیخ کا خدا سے بھی بڑھ کر فرماں بردار ہونا چاہیے۔ کیوں کہ راہ تصوف میں شیخ کی حیثیت معبود اول کی ہوتی ہے۔ حقیقی خدا کی حیثیت تو ثانوی ہے۔ بلکہ بعض اکابرین صوفیہ کے مطابق حقیقی خدا کے مقابلے میں یہ

معبود اول شیخ سترگنا زیادہ اولیت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا کے دیکھنے کے مقابلے میں شیخ ابو یزید بسطامی کو دیکھنا سترگنا زیادہ مفید ہے۔ بلکہ صوفیہ کے نزدیک اصل چیز تو پیر و مرشد ہی ہے۔ خدائے تعالیٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ چنانچہ مرید کے لیے شیخ کا سجدہ تعظیمی ادا کرنے کا سلسلہ چلا آ رہا ہے اور صرف ظاہر سجدہ تعظیمی ہی نہیں بلکہ شیخ کی عظمت اور کبریائی کا احساس دل میں رکھنا بالخصوص عبادات کے مواقع پر ضروری ہے یعنی شیخ کو مسجود دیکھنے کے ساتھ ساتھ مسجود جاننا بھی ضروری ہے۔ ورنہ مرید مرید نہیں ہو سکتا۔

اس طرح یہ مریدین اپنے شیخ کی عظمت، کبریائی وغیرہ کے اس قدر قدرداں ہوتے ہیں کہ بعض اپنے شیخ کے مقابلے میں خدا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور اگر بادل خواستہ دیکھنا گوارا بھی کرتے ہیں تو اس شرط کے ساتھ کہ خدا صرف ان کے پیر دست گیر کی صورت میں جلوہ نما ہو۔ یعنی ہر حال میں وہ اپنے شیخ ہی کو دیکھنا قبول کرتے ہیں۔

اس طرح مرید اور پیر کے درمیان تعلق دراصل عبد اور معبود کا تعلق ہوتا ہے۔ مرید کا پیر کے ساتھ اس طرح کا تعلق اس کی زندگی میں تو ہوتا ہی ہے، اس کے مرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رکھنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ان کی قبروں کی زیارت کرنا اور فیوض و برکات کے حصول کے لیے ان سے رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کے مزارات پہ چڑھاوا کرنا اور چادریں چڑھانا، ان سے فیوض و برکات کے حصول میں معاون ہوتے ہیں یا پھر مرادوں کے بر آنے کی صورت میں یہی عمل ان کے شکرانے کے لیے بھی ضروری ہوتے ہیں۔ اور ان کے حق میں نیاز فاتحہ دلوانا، ان کے چھوڑے ہوئے تبرکات کو محفوظ رکھنا اور ان سے وقت بہ ضرورت فیوض و برکات حاصل کرتے رہنا صوفیہ کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح صوفیہ کے لیے ان کے شیخ کے مزارات اور ان کے چھوڑے ہوئے تبرکات نہایت ہی اہم ہوتے ہیں کہ ان سے دست کش ہونا ان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظر بعض نے تصوف کو بکواس قرار دیا ہے تو بعض نے اسے چنیا بیگم سے تشبیہ دی ہے۔ یہ باتیں تو اپنی جگہ بالکل درست ہیں کہ ان کے عقائد و نظریات، افکار و خیالات اور اعمال و اشغال یا تو فلسفے کی بکواس ہیں یا پھر صوفیہ کی اپنی وضع کردہ

خرافات۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ از ابراہیم بن ادہم تا ایں دم صوفیہ اپنے ان تمام معاملات اور ان کی پیش کش، ان کی وکالت کرنے اور ان کی حقانیت ثابت کرنے میں یکساں کیوں چلے آ رہے ہیں۔ ان کے کلمہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تشریح و تعبیر، ضرورت اور اہمیت، اختیار و اتباع اور ترویج و اشاعت میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ توحید کو شرک اور شرک کو توحید ثابت کرنے کی وہی کوششیں، وہی مباحث، وہی فلسفیانہ اور منطقی دلائل اور وہی موثکافیاں کیوں پیش کی جا رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کے اتباع سے انحراف کے ساتھ ساتھ ان کی تحقیر اور تذلیل کرنا، ان تعلیمات کو علوم ظاہری کا لیل لگانا، انہیں پوست قرار دینا ہر کسی نے اب تک اپنے ذمہ کیوں فرض قرار دے لیا ہے اور ان تعلیمات کے برخلاف علوم مکاشفہ و مشاہدہ اور معرفت و الہام کو ان کی جگہ اب تک کیوں کر براہمان رکھا گیا ہے اور انہیں اصل اور مغز قرار دیا جاتا رہا ہے۔ علوم ظاہری پر علوم باطنی کو فوقیت دینے کا رجحان اب تک کیوں چلا آ رہا ہے۔ جنت اور دوزخ کے تعلق سے ان کے عقیدہ و فکر میں اب تک کوئی فرق واقع کیوں نہیں ہو سکا ہے۔ کیوں نہ تو اب تک ان میں جنت کی رغبت اور اس کے حصول کی تڑپ پیدا ہو سکی ہے اور دوزخ کا خوف ان کے دلوں میں سما سکا ہے۔ وہ اب تک کیوں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرنے، اس کے رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کو قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوششوں سے اپنے آپ کو آزاد خیال کرتے ہیں اور اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ سے عشق بازی کرنے اور وجد و سماع، شعر و نغمہ اور رقص و موسیقی سے اپنے جذبہ عشق کی آبیاری کرنے میں اب تک کوئی فرق کیوں نہ آ سکا ہے، کشف و کرامات کے اظہار میں اب تک کوئی فرق واقع کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ انتہائی سخت تعذیب نفس، اور ریاضتوں کی ضرورت پر تمام صوفیہ اب تک کیوں اتفاق کرتے چلے آ رہے ہیں۔ معیشت و معاشرت، مدنیت و سیاست، حقوق اللہ، حقوق النفس اور حقوق العباد کی انجام دہی سے برگشتہ کرنے والی تعلیمات اب تک جوں کا توں کیوں چلی آ رہی ہیں۔ رجال الغیب اور ان کے اختیارات اور تصرفات کے عقیدے میں کوئی تبدیلی کیوں نہیں آ رہی ہے۔ اب تک تمام صوفیہ اس بات پر کیوں متفق ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی بالاتفاق شیخ الشیوخ، قطب

الاقطاب اور غوث الاعظم ہیں۔ اب بھی اپنے کو قطب ارشادیہ، قطب زماں اور قائم الزماں کیوں منواتے چلے آ رہے ہیں۔ کیوں اب بھی اپنی امامت، وصایت اور قطبیت کے دعوے پیش کیے جاتے ہیں اور باضابطہ ان کا اعلان و اشتہار کیا جاتا ہے۔ یہ مسلمہ اصول اب تک کیوں کر چلا آ رہا ہے کہ یہ صوفیہ براہ راست و اصل بحق ہیں اور براہ راست خدا سے علوم اخذ کرتے ہیں، خدا کے دیدار سے فیضیاب ہوتے ہیں، خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا سے علم اور ہدایت کے حصول کے لیے انہیں کسی بھی واسطے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

ان سوالوں پر تھوڑا سا غور و خوض اور ان کا تجزیہ بھی ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ معاملہ محض فلسفیانہ بکواس کا نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے کسی مخصوص مقصد کا حصول کا رہنما ہے، جس کے لیے ایک منظم اور منصوبہ بند کارروائی چلی آ رہی ہے، جس کے تانے بانے ساڑھے بارہ سو سالوں پر محیط ہے۔ اس ساڑھے بارہ سو سالہ تاریخ میں ہر نووارد شیخ نے ان ہی فلسفیانہ بکواس کو نئی تقویت بخشنے کے لیے سابقہ بحثوں، دلیلوں اور مثالوں میں مزید اضافہ ہی کرنے کی کوششیں کی ہیں اور سابقین کی پیش کردہ خرافات کو حق بجانب ثابت کرنے میں اپنی ساری کوششیں بروئے کار لاتے رہے ہیں۔

اس کتاب میں پیش کی گئی مثالیں جو ظاہر ہے کہ بہت بڑے ذخیرے میں سے اقل قلیل ہی پیش کی گئی ہیں اس بات کے بین ثبوت ہیں کہ تصوف اور اس کے وضع کردہ عقائد و نظریات، اعمال و اشغال اور ملفوظات و تصنیفات اور ان میں پیش کردہ حکایات و روایات سب کی سب اسلام کی دشمنی اور اس کی مخالفت میں وضع کی گئی ہیں۔ اسلام کے ہر ایک عقیدے، اس کے ارکان، اس کی عبادتوں اور اطاعتوں، اس کی شریعت مطہرہ، اس کے متعین کردہ اصول و فرائض، اس کے واضح کردہ حقوق و صلہ رحمی کو منہدم کر کے انہیں زمین بوس کر دینا وہ خصوصی مقصد ہے جس کے لیے علم باطنی یا علم لدنی، علوم مکاشفہ و مشاہدہ اور الہام و معرفت جیسے مہلک ہتھیار استعمال میں لائے جاتے رہے ہیں، جو طریقت کے تقاضے ثابت کیے جاتے رہے ہیں اور جن پر حقیقت اور اصل و مغز کا جاذب اور مسحور کن لیل لگایا جاتا رہا ہے۔

صوفیہ کا اصل مقصد چوں کہ تصوف کے پیرائے میں اسلام اور اسلامی عقائد، ارکان،

شعائر اور شریعت کا انہدام تھا۔ لہذا، صوفیہ نے تصوف کو پہلے مرحلے میں اسلام میں ضم کرنے اور اسے اسلام ہی کا جزو بلکہ جزو اعظم ثابت کرنے کی کوششیں کیں۔ پھر جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اسلام میں ضم ہو چکا ہے تو پھر ایک قدم اور بھی آگے بڑھایا اور تصوف ہی کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس میں بھی جب انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوتی نظر آئی تو پھر انہوں نے مزید ایک قدم اور بھی آگے بڑھایا اور تصوف کو اسلام کا اہم جزو ہی نہیں بلکہ اصل اسلام بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ اصل اسلام، اس کے عقائد، اس کے ارکان، اس کے شعائر اور اس کی شریعت کو بالکل ہی ثانوی حیثیت دے دی گئی بلکہ انہیں ابتدائی مرحلہ، ظاہری اسلام اور اسلام کا پوست تک قرار دے کر انہیں پس پشت ڈال دینے کی کوششیں کی گئیں اور تصوف اور اس کے عقائد و نظریات، اس کے علوم و مشاہدات، مکاشفات و کرامات، اس کے وضع کردہ اعمال و اشغال، اوراد و وظائف، یک ضربی، دوضربی، سہ ضربی، چہار ضربی وغیرہ طریقہ ورد و حال، روحانی اور جسمانی ریاضات و تعذیبات کو حقیقی اسلام، اسلام کی اصل اور اسلام کا مغز ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا گیا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچادی گئی کہ اسلام اور اس کے ارکان حتیٰ کہ شریعت تک کی تحقیر و تذلیل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ کتاب و سنت اور ان کی تعلیمات کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور ذکر کرنا شروع کر دیا، انہیں ظاہری علم قرار دیا اور ان کے احکامات اور ہدایات کی تحقیر و تذلیل کرنی شروع کر دی، جنت و دوزخ کو مذاق کا موضوع بنا کر رکھ دیا بلکہ عذاب و ثواب کے تصور ہی کو الٹ کر رکھ دینے کی کوششیں کر ڈالیں۔

اس طرح دنیا کے تمام مروجہ مذاہب میں، خواہ وہ قدیم ہوں کہ جدید، وضعی ہوں کہ مسخ شدہ اور کسی بھی خطہ ارضی سے متعلق ہوں، تصوف سب سے زیادہ قبیح، شنیع، نجس، مذموم اور ملعون مذہب ہے۔ اس لیے کہ اسلام کے خلاف مرتب اور منظم ہونے والے مذہب کا سہرا اسی کے سر بندھا ہوا ہے۔

یہ مذموم و ملعون سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔ کبھی اسے تزکیہ نفس کا واحد ذریعہ متصور کرایا جاتا ہے، کبھی اسے احسان کا درجہ دیا جاتا ہے اور یہ وکالت کی جاتی ہے کہ اسلام انسان کے

ظاہری اعمال اور حالات ہی کو درست کر سکتا ہے، باطنی درستی تو تصوف ہی کے وضع کردہ اور مرتب کردہ طریقے اور اعمال سے ممکن ہے۔ اسلام ظاہری طور پر انسان کو بناتا، سنوارتا اور نکھارتا ہے تو تصوف باطنی طور پر بنانے، سنوارنے اور نکھارنے کا اصل اور واحد ذریعہ ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

”سلوک و تصوف کی اصل غرض و غایت اور صوفیاء کرام کی مساعی کا اصل نصب العین دراصل دین کا یہی تیسرا شعبہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت اور اخلاص و احسان اور زہد و توکل جیسی روحانی و قلبی صفات و کیفیات کی تحصیل اور اخلاق کا تزکیہ۔“

اس طرح تا ہنوز یہ صاف صاف باور کرانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ وہ اسلام ناقص تھا جو قرآن کی صورت میں اور اسوۂ رسول ﷺ کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا یا کم از کم اس کا ایک شعبہ تو ضرور ہی نامکمل رہا ہے اور وہ بھی وہ خاص شعبہ جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت اور اخلاص و احسان اور زہد و توکل جیسی روحانی و قلبی صفات و کیفیات کی تحصیل اور اخلاق کے تزکیہ سے ہے۔

یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی اس اطلاع کی خلاف ورزی ہے جس میں کہا گیا ہے:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (المائدہ: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی)

اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت ابدی کی بھی خلاف ورزی ہے، بلکہ اس کا منہ چڑھانا ہے، جس میں کہا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ط

(الممتحنہ: ۶)

(یقیناً تمہارے اس رسول ﷺ میں عمدہ نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ

اور روز آخر کا امیدوار ہو۔)

غرض کہ تصوف کو عین اسلام یا اسلام کا جزو یا اسلام کا تکمیلی عنصر یا اسلامی شریعت کی باطنی شکل یا اسلامی تزکیہ و احسان وغیرہ قرار دینا اور عقیدہ رکھنا دراصل آخضور ﷺ کی

معرفت اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین اسلام کو ناقص، نامکمل اور ناقابل عمل تصور کرنا ہے۔ یہ سراسر کفر، شرک اور جہالت محض ہے اور اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرنا ہے کہ جس دین اسلام کی تکمیل کا اعلان اللہ تعالیٰ نے کر دیا وہ دین مکمل نہیں تھا، یہاں تک کہ ان صوفیہ نے اس کی تکمیل اپنے مکاشفات، مشاہدات اور معارف کے ذریعہ کیا۔ اس طرح قرآن و سنت کے پیش کردہ عقائد و تعلیمات اور احکامات و ہدایات کو ظاہری، پوست اور عامی لوگوں کے لیے قرار دینا اور اس کے برخلاف صوفیہ کے پیش کردہ علوم باطنی اور ان کے مرتب کردہ عقائد و افکار اور اعمال و اشغال کو اصل، مغز اور حقیقت قرار دینا سراسر کفر، شرک، بغاوت، فسق اور سرکشی ہے۔



باب ۱۱

خلاف اسلام

مشاہدے سے شاد کام۔“
مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اسلام اور تصوف دونوں کو بالکل واضح اور دو ٹوک انداز میں
علاحدہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وہ راہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی ہیں، دو ہیں۔ ایک وہ راہ ہے جو
قرب نبوت سے تعلق رکھتی ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے۔۔۔ اور
ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و ادتاد اور بدلاء و نجباء
اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ
متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط اور حیلولیت ثابت ہے
اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان بزرگواروں کے منبع فیض
حضرت علی المرتضیٰ ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔“
پھر اس مذہب تصوف کے سلسلے کی وضاحت کرتے ہوئے وہ آگے لکھتے ہیں:

”میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر (حضرت علیؓ) اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی
اس مقام کے بلجا و ماویٰ تھے، جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں۔ اور جس
کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی، ان کے ذریعہ سے پہنچی، کیوں کہ وہ اس
راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے
اور جب حضرت امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرت
حسین کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو
ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح
ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت پہنچتی ہے، ان بزرگواروں کے
ذریعہ اور حیلولہ سے پہنچی ہے۔ اگرچہ اقطاب و نجباء وقت ہی کیوں نہ ہوں اور
سب کے بلجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں۔ کیوں کہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ
الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر
جیلانی تک پہنچی۔ اور جب اس بزرگوار تک نوبت پہنچی تو منصب مذکور آپ کے
سپرد ہوا اور ائمہ مذکورین (اثنا عشری) اور حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی) کے
درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ۷

تصوف کو اسلام یا اسلام کا جزو ثابت کرتے ہوئے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اسلام
میں جس چیز کو شریعت کہا جاتا ہے، تصوف اسی کا باطن ہے یا تصوف اس کے سوا اور کچھ نہیں
ہے کہ انسان کے نفس کا تزکیہ ہو اور وہ سچی خدا پرستی کے رنگ میں کامل طور پر رنگ جائے۔
اس طرح کی باتیں سراسر فریب ہیں جو دیدہ و دانستہ صوفیہ اور ان کے ہم نواؤں کی
جانب سے تصوف کے مقاصد کی تکمیل میں پیش کی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں اکثر لوگ
فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جیسا کہ گزشتہ
مباحث سے یہ بات صاف اور واضح ہے کہ تصوف کا اسلام یا اسلام کا کوئی جزو ہونا تو بہت
دور کی بات ہے یہ تو اسلام مخالف اور اسلام دشمن مذہب ہے۔

دین اسلام اور مذہب تصوف دونوں کے ایک دوسرے سے جدا ہونے، دونوں کے
وجود کے منابع و ذرائع کے الگ الگ ہونے، دونوں کے مبلغ علم و ہدایت کے علاحدہ
ہونے، دونوں کے عقائد و افکار اور اعمال و کردار اور ان دونوں کے مقاصد اور نتائج کے ایک
دوسرے سے مخالف ہونے کا اقرار تو خود صوفیہ کو بھی ہے۔ مثلاً فرید الدین عطار ابوبکر شبلی کے
حوالے سے لکھتے ہیں:

”ابوبکر شبلی نے فرمایا کہ عبادت الہی شریعت ہے اور خدا کی طلب طریقت۔“

ابونصر سراج فرماتے ہیں:

”مومن اور عارف میں فرق ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف
اللہ کی آنکھ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مومن صاحب قلب ہوتا ہے اور عارف
قلب نہیں رکھتا۔ قلب مومن ذکر اللہ سے مطمئن ہو جاتا ہے اور عارف کو سوائے
محبوب ازلی کے قرار نہیں۔ گویا ایک ذکر حبیب میں محو ہے تو دوسرا رخ یار کے

افلت شمس والولین وشمسنا ابدًا علی افق العلی لا تغرب
(پہلوں کے آفتاب غروب ہو گئے اور ہمارا آفتاب انتہائی بلندیوں پر ہے اور کبھی
غروب نہ ہوگا۔) ۴

اور اب تک تمام صوفیہ اس آفتاب کو غروب ہونے نہیں دے رہے ہیں اور اسے ہتھیلیوں پر
رکھ کر پیران پیر دست گیر، قطب الاقطاب، غوث پاک، غوث الاعظم، غوث الثقلین وغیرہ کا
وظیفہ پڑھ رہے ہیں اور ہر شخص کو اسی وظیفے کی تلقین بھی کر رہے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی بھی واضح اور دو ٹوک انداز میں دونوں کے فرق اور دونوں کے مبلغ علم کے فرق کے
ساتھ ہی ساتھ دونوں کے دائرہ کار کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”قرب الہی کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جب رسول ﷺ اس
عالم میں آئے تو قرب الہی کا یہ طریقہ بھی بندوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ قرب الہی
کے اس طریقے میں واسطوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے پیش نظر طاعات و
عبادات کے ذریعہ اعضاء و جوارح کی اور ذکر و تزکیہ اور اللہ اور اس کے نبی ﷺ
کی محبت کے ذریعہ قوائے نفس کی تہذیب و اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ عام لوگوں
کی تہذیب و اصلاح کے لیے علوم کی نشر و اشاعت، نیک کاموں کا حکم دینا،
برائیوں سے روکنا اور ایسے کاموں میں کوشاں ہونا جن سے سب انسانوں کو عام
طور پر فائدہ پہنچے، اور اسی قبیل کے دوسرے کام جو اوپر کے کاموں سے ملتے جلتے
ہیں، یہ سب کے سب قرب الہی کے اسی طریقے میں داخل ہیں۔

قرب الہی کا دوسرا طریقہ اللہ اور بندے کے براہ راست اتصال کا ہے اور اس
کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک بندہ کہیں بھی پیدا ہو، وہ اس طریقہ کو پالیتا ہے،
اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ اس پر فیضان کرے، وہ اس سے مستفید ہوتا ہے۔ قرب
الہی کے اس طریقے میں واسطہ سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ چنانچہ جو شخص اس
طریقہ پر چلتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی ’انا‘ کی
حقیقت کو بیدار کرتا ہے اور اپنی ’انا‘ ہی کی بیداری کے ضمن میں اس کی ذات حق
کا تئبہ اور شعور حاصل ہوتا ہے اور اس سلسلے کے یہ ’فنا و بقا‘ اور ’جذب‘ اور ’توحید‘
وغیرہ مقامات تصوف ہیں۔“ ۵

وہ یہ بھی صاف کرتے جاتے ہیں کہ طریقہ اول ہی نبی ﷺ کے نزدیک قرب الہی کا عنوان
تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی عنایت کا مرکز بنایا تھا۔ وہ آگے لکھتے ہیں:

”قرب الہی کے اس دوسرے طریقے کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ نبی ﷺ
کے نزدیک یہ طریقہ نہ تو عالی منزلت تھا اور نہ آپ ﷺ کو یہ مرغوب ہی تھا۔
آپ ﷺ کی ذات اقدس تو قرب الہی کے پہلے طریقے کا عنوان تھی اور اللہ تعالیٰ
نے آپ ﷺ کو اپنی اسی عنایت کا مرکز بنایا تھا کہ آپ ﷺ کے ذریعہ قرب الہی
کے پہلے طریقے کا فیض عام طور پر پھیلے اور آپ اس کے ظہور کا باعث بنیں۔“ ۶

اور باوجودیکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نہ صرف یہ کہ صوفیہ کی صف میں شامل ہیں بلکہ طبقہ
صوفیہ میں ان کی حیثیت ایک بہت بڑی قد آور شخصیت کی ہے جو امامت، وصایت اور
قطب ارشادیت کے دعوے دار ہیں اور جو اپنے آپ کو قطب زماں اور قائم الزمان کی
حیثیت سے پیش کرتے ہیں، اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ —

”میں نے معلوم کیا کہ رسول ﷺ کی شفاعت اور ان سے توسل علمائے حدیث اور
جو لوگ ان کے زمرے میں ہیں، ان کے لیے ہے اور نیز یہ کہ علم حدیث اور اس کی
حفاظت لوگوں کے لیے ایک مضبوط سہارا اور لمبی رسی ہے، جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی...
میرے نزدیک ان دو کے سوا کسی چیز میں خیر نہیں۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔“ ۷

”تقیہیات الہیہ“ میں تو وہ صاف صاف اقرار کرتے ہیں کہ دوسرا راستہ وہ ہے جسے اولیاء
کے الہام اور معارف نے متعین کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اللہ تک پہنچانے والے راستے دو قسم کے ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جس کی وحی
الہی اور تعلیمات انبیاء نے تلقین فرمائی ہے... اور دوسری (راہ) وہ ہے جسے
الہام اور معارف اولیاء نے متعین کیا ہے۔“ ۸

”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں بھی وہ لکھتے ہیں:

”سعادت کے حصول کے دو طریقے ہیں: ایک متاہلین حکماء اور مجذوب صوفیہ کا
اور دوسرا طریقہ وہ ہے، جس کے لیے انبیاء کی بعثت ہوئی۔“ ۹

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری طریقہ نبوت اور طریقہ تصوف دونوں میں فرق بتاتے ہوئے شیخ

احمد سرہندی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”شیخ مجدد نے نہ صرف دونوں میں فرق کی واضح الفاظ میں تصریح کی، اس فرق کی تفصیلات بھی بیان کیں۔ انہوں نے کہا کہ ان دونوں طریقوں کے درمیان بنیادی فرق فنا اور بقا کے تجربے کا ہے۔ یہ تجربہ طریقہ ولایت کا لازمی جزو ہے۔ شیخ کے الفاظ ہیں: ولایت عبارت از فنا و بقا است (ولایت فنا و بقا سے عبارت ہے) مگر طریقہ نبوت میں نہ فنا و بقا ہے اور نہ جذبہ و سلوک۔“

انہوں نے دونوں طریقوں کے فرق کو اس طرح واضح فرمایا ہے:

”چوں کہ صوفی دوئی (عبد و معبود یا خالق و مخلوق کے فرق) کو مٹا دینا چاہتا ہے اس لیے وہ ہمیشہ سکر کی حالت میں رہتا ہے۔ طریقہ نبوت میں دوئی برقرار رکھی جاتی ہے، اس لیے اس میں سکر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔“

خدا کے ساتھ صوفیہ کا عشق شدید جذباتی عشق ہوتا ہے۔ صوفی خود کو فنا کر کے خدا میں ضم ہو جانا چاہتا ہے اور جب تک اس کو یہ کیفیت حاصل نہ ہو جائے وہ اضطراب اور بے چینی کے عالم میں رہتا ہے اور بے خودی اور وجد کو ابھارنے والی چیزوں مثلاً موسیقی اور رقص وغیرہ میں مشغول ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ محبت جس کی تعلیم انبیاء دیتے ہیں ایک دوسری قسم کی محبت ہے۔ اس میں نہ ہجر کی غم انگیزی ہے اور نہ وصل کی سرمستی۔۔۔

صوفی طریقے میں انسانی صفات کا خاتمہ مقصود ہوتا ہے، جو بہت ہی مشکل ہے۔ اس لیے صوفی سخت مجاہدے، خطرناک ریاضتیں اور تعذیب نفس کے انتہائی دشوار طریقے اختیار کرتا ہے۔ انبیاء کے طریقے میں ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس طریقے میں انسانی صفات کا خاتمہ مطلوب نہیں ہوتا۔۔۔

راہ ولایت میں سالک دنیا اور آخرت دونوں سے دست بردار ہو جاتا ہے، اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ آخرت کی طلب دنیا کی طلب سے بہتر نہیں ہے۔ شیخ مجدد، شیخ داؤد طائی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر تم محفوظ رہنا چاہتے ہو تو دنیا کو ترک کر دو اور اگر عزت چاہتے ہو تو آخرت کو بھی ترک کر دو۔ رابعہ عدویہ کا یہ قول بھی شیخ

نے نقل کیا ہے جس میں وہ جنت کی طلب کو خدا کی محبت سے متضاد بتاتی ہیں اور جنت کو جلا دینا چاہتی ہیں۔ اس کے بالمقابل نبوی طریقے میں آخرت کی طلب مستحسن بھی ہے اور مطلوب بھی۔“

حالاں کہ اسلام صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے عقائد و نظریات اور اعمال و کردار کا نام ہے، جسے من و عن قبول کرنے، ان پر ایمان رکھنے، اس ایمان پر قائم رہنے اور ان پر عمل کرنے والا ہی مسلمان اور مومن ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی حذف و اضافہ یا ترمیم و تینسج کر کے بعض چیزوں کو رد اور بعض چیزوں کو قبول کرنے کا نام بغاوت، کفر، شرک، فسق، الحاد، زندیقیت، ظلم اور عدوان ہے۔ جس کا نتیجہ غضب الہی کو دعوت دینا ہے اور نتیجے کے طور پر ناکامی، نامرادی، خسران، موجب ہلاکت اور بالآخر جہنم ٹھکانہ ہے۔ کجا کہ اسلام کے برخلاف الگ اور اسلام سے متضاد عقائد و نظریات، اعمال و کردار اور طریقہ زندگی ہو۔ ان کے حق میں تو اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فیصلہ فرما دیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بُعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ طَرِيقٌ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط (النساء: ۱۶۷-۱۶۹)

(جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکا، وہ یقیناً گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے کفر و بغاوت کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم و ستم پر اتر آئے اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اور نہ انہیں (صحیح) طریقہ اور (ہدایت کا) راستہ دکھائے گا سوائے جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔)

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (ال عمران: ۸۵)

(اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔)

عقائد اور اعمال اختیار کرتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور اپنی اصلاح کر لینے والوں کو بخش دینے کی بشارت بھی دیتا ہے:

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَ شَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَ جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ط وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ أُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَلِكَ وَ أَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (ال عمران: ۸۶-۸۹)

(کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پالینے کے بعد پھر کفر اختیار کیا۔ حالاں کہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول حق پر ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو توبہ دیتا نہیں دیا کرتا۔ ان کے ظلم کا صحیح بدلہ یہی ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ البتہ وہ لوگ بچ جائیں گے جو اس کے بعد توبہ کر کے اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں، اللہ تعالیٰ بخشے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔)

صوفیوں کا وضع کردہ اور پروان چڑھایا ہوا 'تصوف' ایک باضابطہ مذہب ہے۔ اس کے اپنے عقائد و نظریات، اعمال و اشغال اور مقاصد و نصب العین ہیں۔ ان کے برتنے، پیش کرنے اور ان کی تفہیم اور ترسیل کے لیے ان کے اپنے الفاظ اور اصلاحات ہیں۔ اور مروجہ الفاظ و اصطلاحات میں سے بھی جو کچھ وہ استعمال کرتے ہیں، ان کی ان کے یہاں اپنی الگ معنویت اور وسعت ہوتی ہے۔ وہ ان کی اپنے طور پر تعبیر اور تشریح پیش کرتے ہیں۔ اور ان سب کچھ کے پس پردہ ان کا واحد مقصد اسلام اور اس کے ارکان اور شعائر کو مجروح کرنا، منہدم کرنا، ناقابل اعتبار ٹھہرانا اور ناقابل اعتنا بنانا ہے۔ یہ تمام تر کوششیں اول روز سے ہیں اور تاہنوز جاری ہیں۔ گزشتہ صفحات اس کے بین ثبوت ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان حقائق سے ملت اسلامیہ ہمیشہ بے خبر رہی ہے یا اگر

باب ۱۲

صوفیہ اور امت مسلمہ

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے اور اس فیصلے سے ہمیں آگاہ بھی کر دیا ہے کہ —
إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (ال عمران: ۱۹)

(بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے)

اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ دین اللہ کے علاوہ کوئی اور طریقہ چاہنے والے لوگ گمراہ ہیں۔ کیوں کہ دیگر تمام طریقے خلاف حق اور خلاف فطرت ہیں:

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْتَغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَ كَرْهًا وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ (ال عمران: ۸۳)

(کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالاں کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں چارونا چار اللہ ہی کی مسلم (فرماں بردار) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔)

اس لیے اسلام کے سوا کسی بھی طریقہ و مذہب کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمانے سے انکار فرمادیا اور خبردار کر دیا کہ بالآخر ان کا انجام موجب خسران ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (ال عمران: ۸۵)

(اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔)

اسلام کے علاوہ کسی اور ہی مذہب و طریقہ چاہنے والوں میں سے وہ لوگ زیادہ لعنت اور غضب الہی کے مستحق ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی تعلیمات کو جانتے اور سمجھتے بوجھتے ہیں اس کے باوجود اسلام کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہیں اور ماسوا اسلام کے

باخبر رہی ہے تو اس فتنہ عظیم کے خلاف کوئی اقدام بھی نہ کر سکی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ شروع کے ادوار میں ملت اسلامیہ صوفیوں کی کارستانیوں اور فتنہ سامانیوں سے نہ صرف باخبر رہی ہے بلکہ جو کچھ بھی اس کے بس میں تھا، ان تمام طریقوں سے دفاع بھی کرتی رہی ہے۔ اکابرین امت اس کے مضراثرات سے ملت اسلامیہ کو بچانے کی تدابیر بھی کرتے رہے ہیں اور ساتھ ہی ان کی اصلیت، حقیقت اور ان کی کارستانیوں سے لوگوں کو آگاہ بھی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ شروع کے ادوار میں مسلم معاشرہ اس قدر بیدار تھا کہ لمحہ بھر کے لیے بھی وہ نامعقول اور غلط بات برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس بیداری کا یہ عالم تھا کہ صوفیہ ملعون خلاق تھے حتیٰ کہ بچے انہیں باطل اور ملعون سمجھتے تھے کہ صوفیہ جس طرح سے بیہودہ کلمات بکتے ہیں، ایسے کلمات کوئی بھی شخص دیوانہ ہونے کے بعد ہی ادا کر سکتا ہے۔ خود ہجویری بیان کرتے ہیں:

”ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مصر کے کسی علاقے سے گزر رہا تھا۔ چند بچوں کو دیکھا کہ ایک نوجوان کو پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے ان بچوں سے پوچھا: تم اس سے کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ آدمی دیوانہ ہے۔ میں نے کہا کہ اس پر دیوانگی کی کیا علامت ظاہر ہوئی ہے۔ بچوں نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ میں نے اس مرد سے پوچھا کہ اے جوان تو یہ بات کہتا ہے یا تجھ پر یہ بات ویسے ہی منسوب کرتے ہیں۔ اس نے کہا: ہاں میں یہ کہتا ہوں۔“^۱

علامہ محمد اقبال لکھتے ہیں:

”(ابن) الندیم نے فہرست میں مسلمان زندیقوں کی ایک فہرست دی ہے اور جب ہم تصوف کے بعض پہلوؤں کی تفصیلات دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس سے اس زمانے کی مذہبی حریت کا پتہ چلتا ہے۔“^۲

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

”تصوف ایک مشہور مذہب ہے جس میں زہد سے زیادتی پائی جاتی ہے اور زہد اور تصوف میں فرق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زہد کی مذمت کسی نے نہیں کی ہے

اور تصوف کو سب نے برا کہا ہے۔“^۳

علی بن عثمان ہجویری کو اقرار ہے کہ —

”بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے اولیاء (صوفیہ) کے منکر ہیں۔“^۴

شہاب الدین سہروردی بھی مانتے ہیں کہ —

”قوم کے اکثر افراد نے کرامات اولیاء سے انکار کیا ہے۔ حالاں کہ جیسا ابھی

ہم نے بیان کیا ہے، ان کرامات پر ایمان لانا قدرت پر ایمان لانے کے

مترادف ہے۔“^۵

ابونصر سراج بھی آگاہ کرتے ہیں کہ —

”کیا آپ نہیں جانتے کہ علم تصوف کے علماء باقی تین علوم کا انکار نہیں کرتے،

مگر باقی تینوں علوم شریعت (علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ) کے علماء اہل تصوف

کے علوم کا انکار کرتے ہیں۔“^۶

علی بن عثمان ہجویری جو صاحب تصنیف اکابرین میں سے ہیں، وہ بھی تصوف کے خلاف علماء کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ایک گروہ نے گمان کر لیا ہے کہ تصوف ایک رسم ہے، اس کی کوئی حقیقت اور

اصل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ گیس ہانکنے والوں کی دید نے دیکھنے اور علماء ظاہر

میں یعنی صرف ظاہری حالت کو دیکھنے والے نے تصوف کی حقیقت کا کلی طور پر

انکار کر دیا ہے۔“^۷

سید ابوالحسن علی ندوی تصوف پر کی جانے والی تنقید کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تصوف تعطل و بے عملی، حالات سے شکست خوردگی اور میدانِ جدوجہد سے

فرار کا نام ہے۔“^۸

مولانا منظور نعمانی اقرار کرتے ہیں کہ —

”تصوف کو ضلالِ مبین بھی کہا جاتا ہے۔“^۹

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

”اہل تحقیق نے ان (صوفیہ) کا نام احمق، بُرے لوگ، کم ہمت والے، بدعت

کے طریقوں والے رکھا ہے۔ یہ لوگ زہد کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی سب باتیں تیرہ دلی کی ہیں۔ امید و بیم سے آزاد ہو کر شوق و محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ نامردوں اور عورتوں سے گانسان کر طرب میں آتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں، بے ہوش اور مردہ بن جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شدت محبت اور کثرت شوق میں ان کا یہ حال ہو گیا ہے۔ نعوذ باللہ! یہ جاہل (لوگ) جو کچھ کہتے ہیں، ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ نہایت پاک اور برتر ہے۔“ ۱۰

وہ یہ بھی فرماتے ہیں:

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں (صوفیہ) نے ایک اچھی صورت کے شخص کا خیال باندھا اور اسی میں محو ہو گئے۔ یہ لوگ کفر و بدعت کے درمیان ہیں۔ پھر ان لوگوں میں سے چند اقوام نے کچھ طریقے نکالے۔ لہذا، ان کے عقائد میں فساد آ گیا۔ بعض حلول کے قائل ہوئے، بعض الحاد میں پڑ گئے۔ اسی طرح شیطان ان کو انواع انواع کی بدعتوں سے بہکا تا رہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لیے نئی سنتیں قرار دیں۔“ ۱۱

ابن جوزی امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ/ ۸۵۷ء) کا قول نقل کرتے ہیں:

”شافعیؒ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی چاشت کے وقت صوفی بنے، ظہر سے پہلے پہلے ضرور احمق ہو جائے گا۔ شافعی نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص چالیس روز صوفیہ کے پاس رہے گا پھر اس کی عقل اس کے پاس نہ آئے گی۔“ ۱۲

وہ ابن عقیل کا قول بھی نقل کرتے ہیں جس میں وہ صوفیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم لوگوں کو شیطان نے بہکا دیا ہے۔ لہذا تم لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہو گئے اور پھر اس پر بھی تم نے قناعت نہ کی حتیٰ کہ اس کو حقیقت کہہ کر زندیقانہ الفاظ کے قائل ہو گئے۔ تم لوگ عبادت کرنے والوں کے لباس میں زندیق ہو اور اس سے بدتر۔ زاہدوں کی صورت میں شریر ہو بلکہ فرقہ مشبہ و مجسمہ سے ہو۔“ ۱۳

ابن جوزی، ابن عقیل کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں:

”اس قوم (صوفیہ) کے باطل ہونے پر اس سے زیادہ روشن کوئی دلیل نہیں کہ

اہل دنیا کی طبیعتیں ان سے ایسی محبت رکھتی ہیں جیسے کھیل تماشے والوں اور گانے والیوں سے۔ ابن عقیل نے کہا: اگر کوئی کہنے والا کہے کہ اچھے وہ لوگ ہیں جو صاف ستھرے ہیں اور مخرابوں میں بیٹھے ہیں اور بڑے خوش اخلاق ہیں۔ میں جواب دوں گا کہ اگر یہ لوگ ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے جس سے تمہارے دل کھینچ لیں تو ان کا عیش باقی نہ رہتا۔ اور جس چیز کی تم ان میں تعریف کرتے ہو وہ تو نصاریٰ کی رہبانیت ہے۔“ ۱۴

علامہ ابن جوزی صوفیہ کے اس عقیدے پر کہ ’بندہ جب معرفت حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا، فرماتے ہیں کہ —

”زنداقہ کی تو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ شریعت کو چھوڑ دیا جائے۔ اب یہ صوفیہ آئے ہیں۔ انہوں نے ایک نام مقرر کیا ہے اور کہنے لگے کہ حقیقت اور ہے اور شریعت اور ہے۔ حالاں کہ یہ قول فتنہ ہے کیوں کہ شریعت وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ تو اس کے بعد سوا ان باتوں کے جو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے اور کیا حقیقت ہوگی۔ لہذا، جو شخص شریعت کو چھوڑ کر حقیقت کو طلب کرے وہ بہکا ہوا اور دھوکہ کھایا ہوا ہے۔“ ۱۵

علامہ ابن جوزی مزید فرماتے ہیں:

”ابونصر سراج نے کہا کہ علماء کی ایک جماعت نے ابوسعید احمد بن عیسیٰ الحارثی (م ۲۷۷ھ/ ۸۹۰ء) پر انکار کیا ہے اور بوجہ چند الفاظ کے جو ان کی تصنیف کی ہوئی کتاب موسوم بہ ’کتاب السر‘ میں پائے گئے ہیں، ان کو کفر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طاعت گزار بندہ جو فرض منصبی کو بجالائے، اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی تعظیم لازم ہے اور خدا تعالیٰ اس کے نفس کو پاک کر دیتا ہے۔ سراج نے کہا کہ ابوالعباس احمد بن عطاء (م ۳۰۹ھ/ ۹۲۱ء) بھی کفر و زندیقیت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اکثر صوفیہ کو ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اکثر مرتبہ جنید (بغدادی) پر باوجود علم و فضل کے گرفت کی گئی اور (اس پر) کفر و زندیقیت کی شہادت دی گئی۔“ ۱۶

چنانچہ وہ حقیقت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

”شریعت کو اہل کلام اور اہل تصوف سے بڑھ کر کسی نے ضرر نہیں پہنچایا۔ اہل کلام تو عقلی شبہات کے وہم میں ڈال کر عقائد کو فاسد کرتے ہیں اور اہل تصوف اعمال میں فساد پیدا کرتے ہیں اور شرعی قوانین کو منہدم کرتے ہیں۔“ ۱۷

غرض کہ علامہ اقبال کی زبان میں:

”قریباً ہر زمانے میں اور ہر اسلامی ملک میں محققین اسلام کے ایک گروہ نے جن کو ’علمائے ظاہر‘ کا حقارت آمیز خطاب دیا گیا ہے، تحریک تصوف سے اختلاف کیا ہے اور اس کے سلسلہ تعلیم کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ باوجود اس کے سنی دنیا میں اہل تصوف کی حکومت مسلم ہے۔ یہاں تک کہ اب حضرات اہل سنت والجماعت میں کوئی عالم دین پوری طرح مقبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے مبرات میں تصوف کا رنگ غالب نہ ہو۔ ... سنی دنیا نے آخر کار یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علم ظاہر اور علم باطن کا امتیاز واقعی اور حقیقی ہے اور علم باطن علم ظاہر سے بزرگ تر ہے۔“ ۱۸

صرف یہی نہیں کہ صوفیہ پر بحیثیت مجموعی تنقیدیں کی گئیں، انہیں غلط ٹھہرایا گیا، ان کے افکار و اعمال کو غیر اسلامی قرار دیا گیا اور ان کے باطل مذہب سے لوگوں کو خبردار کر دیا گیا، بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہر اس صوفی کی اچھی طرح خبر بھی لی گئی جس نے صوفیہ کے عقائد و افکار کا راگ الاپا، صوفیہ کی قیادت کا بیڑا اٹھایا، لوگوں کو اپنے فریب میں پھانسنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے، ترویج و اشاعت کے بازار گرم کیے اور کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً:

”حضرت علیؑ کے دور خلافت میں عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے چیلوں یعنی حلوئیوں نے اپنے عقائد کا اظہار کیا تو انہیں حضرت علیؑ نے زندہ جلادیا تھا۔

اس کے بعد جب منصور حلاج نے یہی بات کہی تو علماء حق نے اس پر بھی بروقت گرفت کی۔ خلیفہ مقتدر باللہ نے ۳۰۹ھ اور بقول بعض ۳۱۰ھ میں اسے قتل کرا دیا۔ پھر اسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ اسے جلا کر اس کی راکھ دریا میں پھینک دی گئی۔“ ۱۹

معروف کرخی (م ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء) اور ذوالنون مصری (۲۲۵ھ/ ۸۵۹ء) کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں:

”معروف کرخی کے اس خیال کو کہ تصوف حقائق کا علم ہے۔ حضرت ذوالنون مصری نے اور ترقی دی اور فرمایا کہ تصوف توحید کے اسرار کا علم حاصل کرنا ہے اور اس علم کا انتہائی نکتہ یہ ہے کہ عارف اور معروف ایک ہی شے ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے اہل مصر انہیں زندیق کہتے رہے۔“ ۲۰

”الکواکب الدری“ اور ”میزان الاعتدال“ کے حوالے سے ڈاکٹر غلام قادر لون لکھتے ہیں:

”شیخ ذوالنون مصری نے احوال و مقامات کی ترتیب سے متعلق مصر میں سب سے پہلے لب کشائی کی جس پر انہیں زندیق کہا گیا۔“ ۲۱

ابوسلیمان دارانی (م ۲۱۵ھ/ ۸۳۰ء) کے متعلق علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

”ابوسلیمان دارانی دمشق سے نکالے گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا خیال تھا کہ میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں اور فرشتے مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔“ ۲۲

وہ احمد بن الحواری (م ۲۳۲ھ/ ۸۴۶ء) کے بارے میں لکھتے ہیں:

”احمد بن الحواری کی نسبت لوگوں نے شہادت دی کہ وہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتے تھے۔ لہذا، وہ دمشق سے مکہ کی طرف بھاگ گئے۔“ ۲۳

حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ/ ۸۵۷ء)، جو سب سے پہلے صاحب تصنیف صوفی کی حیثیت سے معروف ہیں، کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

”احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ/ ۸۵۵ء) نے حارث محاسبی کا کلام سنا اور اپنے ایک ہم نشین سے کہا کہ میں تمہارے لیے اس قوم (صوفیہ) میں بیٹھنا جائز نہیں رکھتا۔ سعید بن عمر البردعی کہتے ہیں کہ میں ابوزرعہ کے پاس تھا۔ ان سے کسی نے حارث محاسبی اور ان کی تصنیفات کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے اس سائل سے کہا کہ خبردار ان کی کتابوں سے بچتے رہو۔ یہ کتابیں بدعت اور گمراہی ہیں۔“ ۲۴

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

”حارث محاسبی نے کلام الہی و صفات الہی کے بارے میں کچھ کلام کیا۔ اس پر احمد

بن حنبل نے ان کو چھوڑ دیا۔ لہذا وہ مرتے دم تک غائب اور پوشیدہ رہے۔“ ۲۵
حارث محاسبی کے بارے میں سید احمد عروج قادری لکھتے ہیں:

”خود امام احمد بن حنبل نے اس (حارث محاسبی) پر سخت انکار کیا اور اسے بدعت قرار دیا۔ حنابلہ کے شدید انکار کی وجہ سے عوام نے بھی اسے ناپسند کیا اور نوبت یہاں پہنچی کہ حارث محاسبی کو عوام کی نگاہ سے مخفی ہو جانا پڑا۔ اور جب ان کی وفات ہوئی تو جنازے میں صرف چار اشخاص شریک تھے۔“ ۲۶

علامہ ابن جوزی بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ/۸۷۷ء) سے متعلق فرماتے ہیں:

”اہل بسطام نے ابو یزید (بسطامی) پر ان کی باتوں کا انکار کیا۔ حتیٰ کہ وہ کہتے تھے کہ حسین بن عیسیٰ (ابو یزید) کہتے ہیں کہ مجھ کو بھی رسول اللہ ﷺ کے مانند معراج ہوئی۔ اس بنا پر ان کو بسطام سے نکالا گیا۔“ ۲۷

شیخ فرید الدین عطار لکھتے ہیں کہ بایزید بسطامی کو سات بار بسطام سے نکالا گیا۔ سبب اس کا صوفیانہ کلام تھا۔ ۲۸ یہ وہ بایزید ہیں جسے شیخ احمد سرہندی سلطان العارفین کا خطاب عطا فرماتے ہیں اور اس خطاب لا جواب کا جواز بھی پیش کرتے ہیں:

”حضرت امام جعفر نے جہت جذبہ کی جامعیت کے اعتبار سے جس کا بنی محبت ہے اور سلوک آفاقی کی جہت سے جو علوم و معارف کا منشا ہے، محبت اور معرفت سے وافر حصہ حاصل کیا۔ اس کے بعد امام موصوف نے اس نسبت مرکبہ کو بطور امانت سلطان العارفین بایزید بسطامی کے سپرد کیا۔ گویا آپ نے امانت کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے رکھا۔ یہاں تک کہ یہ امانت بتدریج امانت کے اہل تک پہنچائی۔“ ۲۹

ذوالنون مصری کے شاگرد یوسف بن حسین کو لوگ زندیق کہتے تھے۔ ۳۰ ابو حمزہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے:

”ابو عبد اللہ رملی کہتے ہیں کہ ابو حمزہ نے طرسوس کی جامع مسجد میں وعظ کیا۔ لوگوں نے دل سے سنا۔ ایک روز وہ وعظ بیان کر رہے تھے کہ یکا یک جامع مسجد کی چھت پر کوا بولا۔ ابو حمزہ نے زور سے نعرہ مارا اور کہا— لَبَّیکَ لَبَّیکَ۔ اس بات پر لوگوں نے ان کو زندیقیت سے منسوب کیا۔“ ۳۱

علامہ ابن جوزی ابوسعید خدری (م ۲۷۷ھ/۸۹۰ء) کے متعلق لکھتے ہیں:

”علماء کی ایک جماعت نے ابوسعید خدری پر انکار کیا ہے اور بوجہ چند الفاظ کے جو ان کی تصنیف کی ہوئی ایک کتاب موسوم بہ ”کتاب السر“ میں پائے گئے، میں نے ان کو کفر کی جانب منسوب کیا ہے۔“ ۳۲

وہ سہل بن عبد اللہ تستری (م ۲۸۳ھ/۸۹۶ء) کے متعلق فرماتے ہیں:

”سہل بن عبد اللہ کہتے تھے کہ فرشتے اور جن اور شیاطین میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو وعظ سناتا ہوں۔ عوام نے اس بات کو سن کر انکار کیا۔ حتیٰ کہ ان کو قبائح کی طرف منسوب کیا۔ لہذا وہ بصرہ چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔“ ۳۳
شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں:

”اہل تستر نے سہل بن عبد اللہ تستری پر کفر کا فتویٰ عائد کیا۔“ ۳۴

وہ ابوالقاسم نصر آبادی (م ۳۷۷ھ/۹۸۲ء) کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ابوالقاسم نصر آبادی نے ایک مرتبہ کعبہ کے نزدیک آگ روشن دیکھ کر اس کا طواف شروع کر دیا اور جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو برسوں کعبہ میں تلاش کیا، لیکن نہیں ملا اور اب یہاں بھی اس جستجو میں آیا ہوں شاید وہ یہاں مل جائے۔ یہ جملے سن کر لوگوں نے آپ کو نیشاپور سے نکال دیا۔“ ۳۵

مولانا عبد الرحمن جامی عمرو بن عثمان صوفی مکی (م ۲۹۶ھ/۹۰۸ء) کے متعلق لکھتے ہیں:

”حضرت عمرو بن عثمان مکی علوم حقائق کے زبردست عالم تھے۔ آپ دراصل یمن کے رہنے والے تھے۔ چوں کہ آپ کا کلام رموز و غوامض پر مبنی ہوتا تھا، اس لیے ان کے کلام کو علم کلام سے منسوب کیا گیا۔ لہذا لوگ ان سے برگشتہ ہو گئے اور ان کو مکے سے نکال دیا۔“ ۳۶

شیخ فریدی الدین عطار جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/۹۱۰ء) کے متعلق لکھتے ہیں کہ جنید بغدادی کو بھی

کافر و زندیق کہا گیا ہے۔ ۳۷ وہ شیخ ابوبکر واسطی (م ۳۰۸ھ/۹۲۰ء) کے تعلق سے لکھتے ہیں:

”ابوبکر واسطی کو ستر شہروں سے شہر بدر کیا گیا اور جس شہر میں داخل ہوئے بہت جلد وہاں سے نکال دیا جاتا تھا۔ لیکن شہر باورد میں آپ قلیل عرصہ مقیم رہ سکے۔“

(بالآخر) آپ کو وہ جگہ بھی چھوڑنی پڑی۔“ ۳۸

ابوالعباس ابن عطاء (م ۳۰۹ھ/ ۹۲۱ء) کے متعلق لکھتے ہیں کہ ابوالعباس ابن عطاء کے زندیق ہونے کی شکایت خلیفہ وقت سے کی گئی۔ ۳۹ شیخ محمد بن علی حکیم ترمذی (م ۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء) سے متعلق ڈاکٹر غلام قادر لون لکھتے ہیں:

”ختم الولايت کا نظریہ سب سے پہلے شیخ محمد بن علی حکیم ترمذی نے پیش کیا۔

انہوں نے ”ختم الاولیاء کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس پر انہیں ترمذ سے

نکالا گیا اور زندقہ کا اہتمام لگا۔“ ۴۰

عبدالرحمن کیلانی اس پر اضافہ کرتے ہیں:

”علمائے وقت نے ان (حکیم ترمذی) کے خلاف شورش کی اور ان پر کفر کا فتویٰ

صادر کیا۔ آخر میں انہیں ترمذ سے جلاوطن ہو کر بلخ میں پناہ لینی پڑی۔“ ۴۱

شیخ ابوالحسن بوشنجی سے متعلق شیخ فرید الدین عطار کا بیان ہے کہ ان کو ان کے وطن میں لوگوں نے زندیق کہنا شروع کر دیا۔ ۴۲ وہ ابوالعباس سیاروی (م ۳۴۲ھ/ ۹۵۳ء) کے متعلق لکھتے ہیں:

”لوگ ابوالعباس سیاروی کو جبریہ فرقہ کا فرد کہتے تھے۔“ ۴۳

وہ عثمان حیری کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اپنے مرشد ابو حفص حداد (م ۳۶۲ھ/ ۹۷۶ء) کے حکم کے بموجب حسین بن یوسف کے پاس رے کے لیے روانہ ہوئے۔ ”چنانچہ رے پہنچ کر جب لوگوں نے ان کا پتہ پوچھا کہ وہ کہاں ہیں تو لوگوں نے کہا کہ وہ تو زندیق ہے اور تم بھی اس کے پاس جا کر برباد ہو جاؤ گے۔“ ۴۴ ابوالقاسم نصر آبادی (م ۳۷۲ھ/ ۹۸۲ء) کو لوگوں نے نیشاپور سے نکال دیا۔“ ۴۵ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) کے متعلق عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

”جس طرح حسین بن منصور حلاج نے کھل کر عقیدہ حلول پیش کرنے اور اپنے خدا

ہونے کا دعویٰ کیا اور مقتول ہوا۔ بعینہ یہی صورت شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی)

کی تھی۔ چونکہ عقیدہ وحدۃ الوجود قرآن کی تعلیم سے براہ راست متضاد تھا اس

لیے علمائے دین مخالف ہو گئے۔ چنانچہ یہ مصر پہنچے تو علمائے کرام نے ان پر کفر کا

فتویٰ دیا اور سلطان مصر نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ یہ بات ابن عربی کو معلوم

ہو گئی، تو چپکے سے مصر سے راہ فرار اختیار کر کے دمشق پہنچ گئے۔ ۴۶

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”ابن عربی پر بھی وحدۃ الوجود کی اشاعت و تشہیر کی پاداش میں کفر کا فتویٰ لگایا

گیا اور اسے زندیق، ملحد اور کذاب جیسے بدترین القاب سے نوازا گیا اور مصر

میں ان کے قتل کا حکم بھی حاصل کر لیا گیا، ان کو اس کا پتہ لگ گیا تو چپکے سے راہ

فرار اختیار کیا اور دمشق میں آکر دم لیا۔“ ۴۷

شہاب الدین سہروردی (م ۵۸۷ھ/ ۱۱۹۱ء) کے متعلق وارد ہے:

”جب شہاب الدین سہروردی کے صوفیانہ عقائد نے مسلمانوں کے دل میں ان

کی طرف سے شبہات پیدا کر دیے اور راسخ الاعتقاد علماء نے ان پر مقدمہ

چلانے کا مطالبہ کیا تو ابوالملک الظاہر نے ۵۸۷ھ میں ان کو بھر ۳۶ یا ۳۸ سال

قتل کر دیا۔“ ۴۸

بعد کے ادوار میں بھی اسی طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

”فیروز شاہ خلجی کے زمانے میں احمد بہاری اور شیخ عز کا کوئی جو فردوسی سلسلہ سے

تعلق رکھتے تھے، نے وجودیت کے سلسلے میں خدائی تک کا دعویٰ کیا اور لوگ ان

کے پیچھے ہو لیے۔ چنانچہ علماء کو ان کے قتل کا فتویٰ دینا پڑا۔“ ۴۹

اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں حکیم سرمد نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اسے ۱۰۷۰ھ/

۱۶۵۹ء میں قتل کیا گیا۔ ۵۰

شیخ احمد سرہندی پر بھی سخت اعتراضات وارد ہوئے ہیں۔ لہذا وہ ان اعتراضات

پر تملکا اٹھتے ہیں:

”اگر کوئی ایسا لفظ (میری زبان سے) صادر ہوا ہے جو بظاہر علوم شرعیہ سے مطابقت

نہ رکھتا ہو تو تھوڑی سی تاویل بھی مطابقت کے لیے کی جاسکتی ہے اور کسی مسلمان پر

بہتان نہ باندھنا چاہیے۔ بری بات کی اشاعت اور فاسق کی فضیحت جب کہ شریعت

میں حرام اور ممنوع ہے تو ایک مسلمان کی فضیحت محض ایک شبہ کی وجہ سے کہاں تک

درست ہے؟ اور پھر شہر شہر اس کی منادی کرنا کہاں تک دین داری ہے؟ مسلمانی

اور نیکی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ بظاہر علوم شرعیہ سے ہٹا ہوا معلوم ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے والا کون ہے۔“ ۵۱

مذکورہ بالا اقتباس سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ شیخ احمد سرہندی نے کوئی ایسی بری یا غلط بات کہہ دی جو شریعت کے سراسر خلاف تھی، جس کی بنا پر لوگوں نے گرفت کرنا شروع کر دیا اور اس بات کی خوب خوب شہرت ہو گئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے مذکورہ اقتباس میں یہ نہیں کہا کہ میں نے کوئی خلاف شرع بات نہیں کہی ہے۔ بلکہ انہیں اقرار ہے اور اس پر اصرار بھی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنی اس خلاف شرع بات پر مصر ہیں بلکہ الٹا معترضین ہی کو دعوت دیتے ہیں کہ اس غلط بات کی تاویل کر لیں۔ یعنی یہ ان لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی خلاف شرع بات کی وہ خود تاویل کیا کریں۔ شیخ صاحب خود آزاد ہیں جو چاہیں کہیں اور کفر و شرکف بکلیں۔ چوتھی بات یہ کہ بجائے اس کے کہ خلاف شرع بات کہنے پر وہ نادم ہوتے، توبہ کرتے اور اپنی اصلاح فرماتے اور ساتھ ہی لوگوں کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے، وہ الٹا یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ان کی شخصیت کچھ ایسی خاص شخصیت ہے اور کسی خاص مرتبے پر فائز ہے۔ لہذا ان کے لیے گنجائش ہے یا کیا پتہ کہ ان کا منصب ہی یہی ہے کہ وہ علوم شرعیہ سے ہٹی ہوئی بات پیش کرنے کے پوری طرح حقدار ہیں۔ یا پھر اپنے منصب و مقام کا ڈر دکھا کر معترضین کو خاموش کرنا چاہتے ہیں۔

غرض کہ صوفیہ اور ان کے عقائد و اعمال کو عام معاشرے میں بھی نہایت ہی گری ہوئی نظر سے دیکھا جاتا تھا، وہ ہدف طعن و تشنیع تھے اور برے القاب سے نوازے جاتے تھے۔ مولانا جلال الدین رومی (م ۷۶۷ھ/ ۱۲۷۳ء) کے یہ اشعار اس بات کے غماز ہیں جن میں انہوں نے انتہائی سوچا نہ انداز میں جواب دیا ہے۔

مادل اندر راہ جاں انداختیم غلغلہ اندر جہاں انداختیم
ماز قرآن برگزید مغز را پوست را پیش سگان انداختیم
جبہ و دستار و علم و قیل و قال جملہ در آب رواں انداختیم
از کمان شوق و تیر معرفت راست کردہ بر نشان انداختیم

(ہم نے اپنے دل معشوق کی راہ میں ڈال دیے۔ شہرت کو ہم نے دنیا جہاں والوں کے لیے چھوڑ دیا۔ ہم نے قرآن سے اس کا مغز نچوڑ لیا۔ پھلکے کوکتوں کے سامنے چھوڑ دیا۔ جبہ، دستار، علم اور قیل و قال۔ تمام چیزیں دریائے رواں میں ڈال دیا۔ شوق کے کمان پر معرفت کے درست کیے ہوئے تیر کو نشانے پر مار دیا۔)

یہ اشعار بدکردار بھی اسی بات کی غمازی کر رہے ہیں۔

تعالوا نخرب الجامع ونجعل فیہ خمارہ

(آؤ ہم لوگ مسجد کو ویران کریں اور اس میں شراب خانہ بنائیں۔)

ونحن نکسر المنبر ونجعل منہ طنبارہ

(اور منبر کو توڑ کر اس سے ساز مزامیر بنائیں)

ونحن نخرق المصحف ونجعل منہ ذمارہ

(اور قرآن کو پھاڑ کر اس کی بانسری بنائیں)

وتنقف لحيہ القاضي ونجعل منہ اوتارہ

(اور قاضی کی داڑھی کو اکھاڑ کر اس سے تانت بنائیں) ۵۲

مذکورہ اشعار اس بات کے غماز ہیں کہ مذکورہ اشعار کہنے والوں کو لوگوں نے ہدف طعن بنایا، ان پر سخت نکیریں کیں، اچھی طرح ان سے باز پرس کیا اور ایسے سخت انداز میں ان سے پیش آئے کہ وہ تمللا اٹھے اور پھر تنہائی میں جا کر اپنے غبارے کی ہوا نکالنے پر مجبور ہوئے اور اس طرح کے کلمات کے درپے ہو گئے۔

صوفیہ میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں جنہوں نے خود بھی اپنے آپ کو علی الاعلان کافر کہا ہے۔ مثلاً حسین بن منصور حلاج نے اپنے تعلق سے واضح اعلان کر دیا کہ —

کفرت بدين الله و الکفر واجب لدى و عند المسلمين قبيح

(میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر واجب ہے اور

مسلمانوں کے نزدیک قبیح)۔ ۵۳

ابوبکر شبلی (م ۳۳۴ھ/ ۹۴۶ء) نے بھی خود کو کافر کہا ہے:

”شیخ خراسانی سے منقول ہے کہ ایک شخص (ابوبکر) شبلی کے مکان پر آیا اور ان کا

دروازہ کھٹکھٹایا۔ شبلی برہنہ پا برہنہ سر باہر نکل کر آئے اور دق الباب کرنے والے سے پوچھا کہ کس کو بلاتے ہو۔ اس شخص نے کہا کہ شبلی کو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم نے نہیں سنا کہ وہ کافر ہو کر مرا۔ خدا اس کی مغفرت نہ فرمائے۔“ ۵۴ھ

غرض کہ ”جب سے یہ فن تصوف و سلوک معرض وجود میں آیا ہے، اس پر علماء حق کی طرف سے مسلسل اور متواتر اعتراض ہوتا رہا ہے۔“ ۵۵ھ یہ تو تھے اس ذخیرے میں سے چند نمونے جن پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

یہ اکابرین صوفیہ جن کا ذکر خیر کیا گیا ہے اور جن کے کارنامہ ہائے سیاہ پیش کیے گئے ہیں، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ لوگ علم سے کورے تھے، قرآن و سنت سے ناواقف تھے اور اسلام سے نا آشنا تھے، بلکہ یہ لوگ تو بڑے بڑے علمائے دین ہیں جو قرآن و سنت سے کماحقہ واقف ہیں۔ اس کے باوجود تصوف کو انہوں نے اسلام کے خلاف برپا کرنے اور اسے قائم رکھنے کی کوششیں کی ہیں۔ مثلاً جنید بغدادی، سہل بن عبد اللہ تستری، ابوبکر شبلی، حسین بن منصور حلاج، ذوالنون مصری، عبدالقادر جیلانی، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، امام محمد غزالی، مولانا عبدالرحمن جامی، مولانا جلال الدین محمد رومی، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، عالم ربانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ۔

مذکورہ بالا مثالیں اوائل دور کی باتیں ہیں۔ اب یا تو انہیں مشرک، کافر، ملحد، زندیق وغیرہ سمجھنے کی کسی کے اندر یا تو صلاحیت ہی نہ رہی یا پھر صلاحیت رہنے کے باوجود وہ ہمت و حوصلہ نہ رہا کہ حق کو برملا حق اور باطل کو برجستہ باطل کہہ دیا جائے۔ یہ انتہائی خطرناک صورت حال ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

گروہ صوفیہ پر امت مسلمہ نے اجتماعی اور انفرادی دونوں حیثیتوں سے خبر لینے کے ساتھ ہی ساتھ ان کی تصانیف کے اسباب و محرکات اور مشتملات و مباحث کے حقائق بھی واضح کیے۔ چند کتابوں کے تعلق سے مثالیں پیش ہیں:

تصوف کی پہلی کتاب، حارث محاسبی کی ’کتاب الرعاۃ فی التصوف‘ سے متعلق سید احمد عروج قادری تفصیلی تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ ان سے کچھ اجزاء بطور مثال پیش ہیں:

”تصوف کی پہلی کتاب غالباً ابوعبداللہ الحارث المحاسبی (م ۲۴۳ھ/ ۸۵۷ء) کی

’کتاب الرعاۃ فی التصوف‘ ہے۔ اسی کتاب نے محدثین کرام اور علمائے شریعت کو چونکا کیا۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ مسلم معاشرے میں ایک خلاف سنت طریق زندگی پھیل رہا ہے۔... بعد کو تصوف پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں اس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔... خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ/ ۱۲۷۱ء) نے روایت کی ہے کہ ابوزرعہ (اپنے وقت کے ایک بڑے محدث) سے حارث محاسبی اور ان کی کتابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ان کتابوں سے بچو۔ یہ بدعتوں اور گمراہیوں کی کتابیں ہیں۔... انہوں نے یہ بھی کہا کہ کیا مالک بن انس، سفیان ثوری، اوزاعی اور ائمہ متقدمین نے بھی اس طرح کی کتابیں لکھی ہیں۔ جو لوگ تصوف کے قائل ہیں انہوں نے اہل علم کی مخالفت کی ہے۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ/ ۸۵۵ء) نے بھی لوگوں کو حارث محاسبی کی طرف میلان سے متنبہ فرمایا تھا۔... اس کتاب کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تاثیر می رود دیوار کج
(معمار نے پہلی اینٹ جب کج رکھ دی تو اب دیوار ثریا تک اونچی کیوں نہ ہو جائے کج ہی رہے گی۔) ۵۶ھ

علامہ ابن جوزی نے تصوف کی کئی امہات کتب کی حقیقت واضح کی ہے۔ وہ ابوعبدالرحمن سلمیٰ (م ۴۱۲ھ/ ۱۰۲۱ء) کے بارے میں جو صاحب تصنیف اکابرین میں سے ہیں اور جن کی مشہور تصنیف ’طبقات الصوفیہ‘ ہے، فرماتے ہیں:

”ابوعبدالرحمن سلمیٰ ثقہ نہیں... نیز وہ صوفیہ کے لیے حدیث بنایا کرتے تھے۔“ ۵۷ھ

ابونصر سراج سراج طوسی (م ۳۷۸ھ/ ۹۸۸ء) کی کتاب ’اللمع فی التصوف‘ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

”ابونصر سراج نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ’لمع الصوفیہ‘ رکھا۔ اس میں

عجیب برے عقیدے بیان کیے اور مہمل گفتگو کی۔“ ۵۸ھ

ابوطالب مکی (م ۳۸۲ھ/ ۹۹۲ء) کی تصنیف ’قوت القلوب‘ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابوطالب

مکی نے 'قوت القلوب' تصنیف کی جس میں باطل حدیثیں بغیر کسی اصل کی طرف اسناد کیے لکھی ہیں۔ اور فاسد عقائد اس میں بیان کیے ہیں اور اس قول 'قال بعض المكاشفين' (بعض اہل کشف نے ایسا کہا ہے) کو بار بار لکھا ہے۔ حالاں کہ یہ مقولہ بالکل خیالی بات ہے۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ کتاب 'قوت القلوب' صوفیہ کی زبان پر لکھی اور اس میں صفات الہی کی نسبت ناگوار اور منکر باتیں کیں۔ ۵۹ شیخ ابو نعیم اصبہانی (م ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابو نعیم اصفہانی نے صوفیہ کے لیے کتاب الحلیہ تصنیف کی اور حدود تصوف میں اشیائے قبیحہ کا ذکر کیا۔ اور اس بات پر ذرا شرم نہ آئی کہ صوفیہ میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور بڑے بڑے صحابہ اور قاضی شریح، حسن بصری، سفیان ثوری اور احمد بن حنبل کا تذکرہ کیا۔ ۶۰ محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ/۱۱۱۳ء) کی کتاب 'صفوة التصوف' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

”محمد بن طاہر مقدسی نے 'صفوة التصوف' تصنیف کی۔ اس میں ایسی چیزیں بیان کیں جن کے ذکر کرنے سے اہل عقل کو حیا آتی ہے۔... ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر حافظ کہا کرتے تھے کہ ابن طاہر مذہب اباحت رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں امرد کی طرف دیکھنا جائز ثابت کیا ہے۔“ ۶۱

وہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری کی کتاب 'رسالہ قشیریہ' پر کلام کرتے ہیں:

”عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے صوفیہ کے لیے کتاب 'الرسالہ' لکھی جس میں عجیب عجیب باتیں کیں۔ فنا و بقا، قبض و بسط، وقت و حال و وجود و جمع و تفرقہ و صحو و سکر و ذوق و شوق و اثبات و تجلی و محاضره و مکاشفہ و لواط و طواح و لواط و تکوین و شریعت و حقیقت وغیرہ میں کلام کیا ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں اور سراسر تخلیط ہے۔ پھر ان کی تفسیر جو اس شخص نے کی وہ زیادہ تعجب خیز ہے۔“ ۶۲

ابوحامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) کی شہرہ آفاق کتاب 'احیاء علوم الدین' کے تعلق سے فرماتے ہیں:

”ابوحامد غزالی نے آکر قوم صوفیہ کے طریقے پر کتاب 'احیاء العلوم' تصنیف کی

اور اس کو باطل حدیثوں سے بھر دیا جن کا بطلان وہ خود نہیں جانتے تھے اور علم مکاشفہ میں گفتگو کی اور قانون فقہ سے باہر ہو گئے۔... غزالی کا یہ کلام باطنیہ کے کلام کی قسم سے ہے اور اپنی کتاب 'المفصح بالاحوال' میں لکھتے ہیں کہ صوفیہ حالت بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے آوازیں سنتے ہیں اور فوائد اخذ کرتے ہیں۔“ ۶۳

اور ان سب کے تذکرے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

”یہ سب کی سب تصنیفات جو صوفیہ کے لیے تصنیف کی گئیں، ان کا استناد کسی علمی اصول کی طرف نہیں۔ صرف واقعات ہیں جو بعض صوفیہ نے بعض سے اخذ کیے ہیں اور ترتیب دی ہے اور ان کا نام باطن رکھا ہے۔“ ۶۴

خود امام قشیری اپنی کتاب 'رسالہ قشیریہ' کے سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میں اس حد تک زبان کھولنے والا نہ تھا مگر مجھے اس بات پر غیرت آئی کہ اہل طریقت کو برائی سے یاد کیا جاتا ہے اور مخالفین ان پر نکتہ چینی کیے جانے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔“ ۶۵

اور اپنے خاص قسم کے الفاظ کے استعمال کی توجیہ میں فرماتے ہیں:

”یہ (صوفیہ) لوگ آپس میں خاص قسم کے الفاظ اس لیے بھی استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کے معانی صرف وہ خود اجمالاً سمجھ سکیں اور جو دوسرے لوگوں سے جو ان کے طریقے سے اختلاف رکھتے ہیں ان کے معانی و مطالب پوشیدہ رہیں، کیوں کہ ان کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ان کے اسرار نااہل لوگوں میں شائع ہو جائیں۔“ ۶۶

بعد کے ادوار میں صوفیہ اور ان کے عقائد و اعمال اور ان کی تصنیفات پر عام طور سے حقیقی تبصرہ نہیں ہوتا ہے اور حقیقی صورت حال بیان نہیں کی جاتی ہے۔ پھر بھی کبھی کسی کی زبان حقیقت بیان سے کچھ نہ کچھ حقائق کا صدور ضرور ہی ہو جاتا ہے۔ مثلاً سید احمد عروج قادری 'انفاس العارفین' مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۲/۱۱۷۷ء) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جس تصوف کی بنیاد وحدۃ الوجود اور عشق الہی کے فلسفیانہ نظریے پر ہو وہ اپنی اصل کے لحاظ سے یکساں ہوگا، خواہ سلسلوں اور خانوادوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو، ان میں اختلافات محض جزوی ہوں گے۔ غیر اسلامی نظریات کو ثابت کرنے کے لیے آیات قرآنی کی من مانی تاویل، بے حد ضعیف اور موضوع احادیث سے استدلال، الہام اور کشف و کرامات، عجیب و غریب واقعات تصوف کی کتابوں میں مشترک ہیں۔ اسی طرح تضاد بیانی بھی مشترک ہے۔ خواہ لکھنے والے کسی سلسلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ تمام باتیں اس کتاب ’انفاس العارفین‘ میں بھی موجود ہیں اور جہاں تک کشف و کرامات اور عجیب واقعات کا تعلق ہے، یہ کتاب اس کا خزانہ ہے، غیر اللہ کو سجدے، اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ بلکہ اس سے جسمانی اتصال، قبولیت، عرس، قوالی، ختم خواجگان، جنت کی بشارت، اپنی بات منوانے کے لیے خدا کے سامنے مچل جانا اور اپنی بات منوالینا، بلکہ خدا کے فیصلے کو بدلواؤ الٰہا، نبی ﷺ کا مجلسوں میں تشریف لانا، خدا تک پہنچ جانے کے بعد عبادات کی ضرورت باقی نہ رہنا اور اسی طرح کی تمام چیزیں اس کتاب میں بھی موجود ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان جب خدا بن جائے تو کیا چیز ممکن نہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی موجود ہے کہ بزرگوں کی قبروں سے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔“ ۶۷

غرض کہ یہ کتابیں گندگی کے ڈھیر پر پڑی ہوئی چیزیں عام متصور کی جاتی رہی ہیں۔ چنانچہ جنید احمد بغدادی کو دفاع کرنے کی ضرورت درپیش ہوئی:

”جنید نے کہا: اگر ہمارا یہ علم (تصوف) گندگی کے ڈھیر پر پڑی ہوئی کوئی چیز ہوتی تو صوفیہ اپنی معینہ مقدار کے مطابق اس میں سے اپنا حصہ نہ لیتے۔“ ۶۸

مذکورہ صورت حال سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب امت مسلمہ کا بیدار مغز طبقہ بالخصوص طبقہ علماء تصوف کے اسلام مخالف عقائد و اعمال سے اچھی طرح باخبر تھا اور اس کے اثرات کے زائل کرنے کے بھی درپے تھا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بکثرت کوششیں پیش کی گئیں ہیں، اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ مسلم معاشرے میں تصوف زندہ رہا بلکہ روز افزوں

اس میں ترقی ہوتی رہی، اس کی جڑیں دور دور تک پھیلتی اور مضبوط ہوتی رہیں اور بکثرت لوگوں کو اپنے دام تزییر میں یہ پھانستا رہا، یہاں تک کہ آج بھی یہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ مسلم معاشرہ میں جاری و ساری ہے اور کیا کیا گل نہیں کھلا رہا ہے۔ ’انفاس العارفین‘ پر سید احمد عروج قادری کا تبصرہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تصوف کی تائیس اور ترویج و اشاعت کے پیچھے ایسے اسلام دشمن عناصر کی کارفرمائیاں رہی ہیں جو امت کے ان مخلصین بیدار مغز طبقوں کے مقابلے میں بکثرت مادی وسائل سے لیس رہے ہیں۔ صوفیہ کو ان تمام طبقوں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے جو یا تو براہ راست اقتدار پر قابض اور متصرف تھے یا جن کے اثرات صاحب اقتدار لوگوں اور معاشرے کے بارسوخ افراد پر مسلم تھے براہ راست بھی اور بالواسطہ بھی۔ ان کی کارستانیاں اعلانیہ کم تھیں اور زیر زمین زیادہ۔ نتیجہ یہ کہ ایسے فتنے اور شنیع مذہب کے پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کے مواقع اور وسائل مہیا ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ اس باطل مذہب کو اس مقام پر لاکھڑا کر دیا کہ اس کے حاملین صوفیہ ہی اصلاً علماء قرار دے دیے گئے اور ملت اسلامیہ پر ان کی قیادت اور پیشوائی مسلم ہو گئی۔ عبدالرحمن کیلانی نے بہت صحیح لکھا ہے:

”چوں کہ یہ بزرگ صوفیہ موجودہ حکومت کے وفادار ہوتے تھے اور کسی بھی غیر شرعی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کرنا ان کی تعلیمات سے خارج تھا۔ لہذا، یہ گروہ صوفیہ سلاطین وقت کا ہمیشہ سے منظور نظر رہا ہے۔ سلاطین وقت ان کا اسی وجہ سے احترام کرتے۔ ان کے آستانوں اور مزاروں پر حاضر ہوتے اور ان کی خانقاہوں کے لیے جاگیریں وقف کر دیا کرتے تھے تاکہ یہ حضرات ان کی حکومتوں کو مضبوط و مستحکم بنانے کے سلسلے میں موثر کردار ادا کرتے رہیں اور قوم کو اس طرح کے اشغال میں مصروف و منہمک رکھیں تاکہ سیاسی صورت حال میں مداخلت کی طرف انہیں بھولے سے خیال بھی نہ آ سکے۔ مزارات اور خانقاہوں کے ساتھ جاگیروں کا الحاق آج بھی اس حقیقت کا زندہ ثبوت مہیا کر رہا ہے۔“ ۶۹

ڈاکٹر غلام قادر لون لکھتے ہیں:

”عقیدت مند بادشاہ اور امراء خانقاہوں کے قائم کرنے اور ان کا خرچ چلانے

میں ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے ہیں۔“ ۷۰ کے طالب حسین سیال فرماتے ہیں:

”تصوف، ایران، عراق، وسط ایشیا اور ہندوستان میں خواص سے لے کر عوام تک پھیل گیا۔ کئی بادشاہ اور امراء بھی ان خانقاہوں پر حاضریاں دیتے تھے اور ان کو نذرانے پیش کرتے تھے۔“ ۷۱ کے

”حضرت سلطیٰ خود بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ہمدان کے راستے میں ایک گورنر کو دیکھا۔ جب میں ان سے ملنے گیا تو انہوں نے میری کتاب ’حقائق النفسیر‘ کا مطالعہ کیا اور اس کی نقل کے لیے پچاسی کا تب اور محرر مقرر کر دیے۔“ ۷۲ کے

شیخ فرید الدین عطار، محمد سماک (۱۸۳۴ھ/۱۷۹۹ء) کے بارے میں لکھتے ہیں:

”خليفة هارون رشيد بھی آپ کا بے حد معترف تھا۔“ ۷۳ کے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

”بابا فرید الدین گنج شکر کو کسی نے ایک دفعہ ایک معروضہ پیش کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کو میرے لیے ایک سفارش نامہ تحریر فرمادیجیے۔ چنانچہ شیخ نے لکھا کہ میں اس شخص کا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہنچاتا ہوں۔“ ۷۴ کے

ان ہی سے یہ بھی منقول ہے:

”سلطان قطب الدین بن علاء الدین خلجی بادشاہ کے دور سلطنت میں شیخ رکن الدین ابوالفتح دہلی تشریف لائے۔۔۔ سلطان قطب الدین بادشاہ نے شیخ رکن الدین کا بڑا اکرام و اعزاز کیا۔“ ۷۵ کے

مکتوبات امام ربانی تو اس طرح کی چیزوں سے بھری پڑی ہوئی ہے۔ شیخ احمد سرہندی کی صرف ایک خوش بیانی پیش ہے:

”افسوس ہزار افسوس! وقت کا بادشاہ مسلمان ہے اور ہم فقیر اس کمزوری اور خرابی میں ہیں۔ ان بادشاہوں کے اکرام و اعزاز کی وجہ سے اسلام رونق رکھتا تھا اور علماء و صوفیہ معزز و محترم تھے۔“ ۷۶ کے

بادشاہان، ان کے اعیان اور امراء صوفیہ کی سرپرستی کرتے تھے۔ ان کے لیے عیش و

عشرت کی فراہمی میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ صوفیہ کو منہ مانگا مال دستیاب ہوتا تھا۔ ہر طرح کی حاجت روائی کے لیے ان کا دربار کھلا ہوا تھا۔ ان سب کے عوض میں صوفیہ ان کے مقاصد کی تکمیل میں اپنی انتہائی کوششیں اور محنتیں صرف کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بادشاہوں کو مسجد خلّاق بنا کر چھوڑا اور انہیں سجدہ تعظیمی کا مستحق قرار دیا۔ تاریخ سے صرف ایک مثال پیش ہے:

”بعض صوفیہ نے تو بادشاہوں کو سجدہ تعظیمی کا مستحق بنا دیا ہے۔ شہنشاہ اکبر کو دین سے بیزار کرنے میں صوفیہ نے جو کردار ادا کیا ہے، عبدالقادر بدایونی نے تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے۔ چنانچہ بدایونی تاج الدین والد زکریا اجدھنی جو کئی کتابوں کے مصنف تھے، ممتاز صوفی تھے اور تاج العارفین کہلاتے تھے، کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے خلیفۃ الزماں کو انسان کامل کہا اور اکبر کو اس لقب کا مستحق قرار دیا اور اس کے لیے سجدہ تجویز کیا، جس کا نام ’زمین بوسی‘ رکھا۔ اس کی تائید میں بعض روایات اور ان ہندوستانی صوفیانہ طریقوں کی مثالیں دیں جن میں مرید اپنے مرشدوں کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں۔“ ۷۷ کے

شیخ صادق عرجون فرماتے ہیں:

”صورت حال یہ تھی کہ خلفائے وقت نے مبتدع فرقوں کے زعماء کو اپنا مقرب بنا رکھا تھا اور ان کے درجات بلند کرتے رہتے، یہاں تک کہ بہت سے علماء کو ان سے مناظرے کرنے اور ان کے خلاف زبان کھولنے میں ہیبت لاحق ہوتی تھی۔“ ۷۸ کے

اور آج بھی وہ طبقہ جس کے کے پوشیدہ ہاتھوں میں سارا اقتدار و اختیار مرکوز ہے، اس کی آبیاری میں انتہائی درجہ کوشاں ہے اور اس کے لیے باطنی طور پر ہر ممکن وسائل و تعاون کا خزانہ وا کر رکھا ہے اور ظاہری طور پر اس کی حمایت و وکالت کا بازار بھی گرم کیا ہوا ہے۔

باب ۱۳

تصوف کی حقیقت اور اس کا ارتقاء

اشتقاق

تمام مورخین اور محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۵۰ ہجری سے قبل لفظ 'صوفی' کا مسلمانوں کے اندر نہ تو کوئی سراغ ملتا ہے اور نہ 'تصوف' کی اصطلاح کا وجود نظر آتا ہے۔ صوفی اور تصوف کے الفاظ نہ تو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اور نہ ہی احادیث میں، بلکہ عربوں کے دور جاہلیت کی شاعری میں بھی ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اوائل اسلام میں نہ تو کسی شخص کے لیے صوفی کا لقب استعمال ہوا اور نہ ہی صوفیانہ اصطلاحوں کے استعمال کی کوئی روایت نظر آتی ہے۔ اڈاکٹر عبدالرحمن بدوی بھی اقرار کرتے ہیں کہ لفظ صوفی اصلاً غیر عربی ہے۔ علامہ محمد اقبال بھی تصوف کو غیر اسلامی بتاتے ہوئے بطور دلیل فرماتے ہیں کہ جہاں تک تصوف کا تعلق ہے، قرآن و حدیث اس لفظ سے نا آشنا ہیں۔ یہ لفظ دوسری صدی ہجری میں عربی زبان میں داخل ہوا۔ ایسی صورت میں اس کا اسلام ہونا کیوں کر قبول کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے سبب اختراع کا ذکر کرتے ہوئے شہاب الدین الحفاجی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”لفظ تصوف — لم یرو فی کلام العرب و انما استعملہ المولدون“

(لفظ تصوف کلام عرب میں نہیں آیا، بلکہ اس کو مولدون یعنی الفاظ گھڑنے والوں

نے استعمال کیا) ۳

صوفی اور تصوف یونانی الفاظ ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان ان الفاظ کا ورود یونانی کتابوں اور ان کتابوں کے ساتھ نام نہاد یونانی علوم کے ورود کے ساتھ ہوا جن کا سلسلہ

خیر القرون کے گزر جانے کے بعد ڈیڑھ سو ہجری سے کچھ قبل ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ البتہ ڈیڑھ سو ہجری کے معاً بعد یہ سلسلہ اچانک انتہائی تیز ہو گیا اور یونانی علوم کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی اور غیر مذہبی یعنی عبرانی، زرتشتی، بودھک اور ویدانتی وغیرہ مروجہ اور ساختہ علوم کے نام پر ہر طرح کی خرافات کا ایک زبردست سیلاب اُمڈ پڑا۔ ان میں سے یونانی علوم کو بطور خاص متبرک سمجھتے ہوئے بڑے اہتمام اور احترام کے ساتھ مسلمانوں میں پھیلا دیا گیا، ان کی سرپرستی کی گئی اور ان کی ترویج و اشاعت کے لیے مال و اسباب پانی کی طرح بہائے گئے۔ ان علوم میں سرفہرست فلسفہ (Philosophy) تھا۔ بنیادی طور پر اسی کے لیے حکومت کی سرپرستی میں 'بیت الحکمت' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید جیسے عباسی خلفاء نے تو ان علوم سے اپنے والہانہ عشق اور گرویدگی کے ایسے ایسے ثبوت فراہم کیے جو دینا کی تاریخ میں نادر نمونہ ہیں۔ مثلاً مترجمین اور مصنفین کی کتابیں سونے میں تولی جاتی تھیں۔ یہ انعامات معمول کی عنایات و اکرام کے علاوہ ہوتے تھے۔ تاریخ کے اوراق سے چند حقائق کا تذکرہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ مشہور مؤرخ اکبر شاہ نجیب آبادی کی 'تاریخ اسلام' سے چند اقتباسات پیش ہیں:

”خلیفہ ابو جعفر منصور (خلافت ۱۳۷-۱۵۸ھ) ہی کے زمانے سے تصنیف و

تالیف کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ابو جعفر ہارون الرشید (خلافت ۱۷۰-۱۹۳ھ)

کے زمانے میں یہودی اور عیسائی علماء کی بڑی قدردانی دربار بغداد میں ہوتی

تھی۔ عیسائیوں کو ہارون نے فوجی سرداریاں بھی عطا کیں اور اپنی مصاحبت میں

بھی جگہ دی۔ اس کے زمانے میں ہندوستان کے علماء بھی گورنر سندھ کی معرفت

اور براہ راست خود بھی بغداد پہنچے اور وہاں ان کی قدر و منزلت بڑھائی گئی۔

عبرانی زبان کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ مختلف علوم و فنون کی تدوین کا سلسلہ

جاری ہوا۔ بغداد میں راحت و آسائش اور دولت و اطمینان لوگوں کو خوب حاصل

تھا۔ اس لیے شاعری اور موسیقی کے چرچے بھی بغداد میں پائے جاتے تھے۔

قصہ گوئیوں نے ہارون کے متعلق فرضی کہانیاں تصنیف کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

اس خلیفہ کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ ... صرف زندیقوں یعنی

لامذہبوں کا وہ ضرور دشمن تھا، باقی غیر مذہب والوں کے ساتھ اس کا برتاؤ مدارات و مروت کا تھا۔“ ۵

”ہارون الرشید نے بغداد میں ’بیت الحکمت‘ کے نام سے ایک دارالترجمہ اور دارالتصنیف قائم کیا تھا جس میں مختلف ملکوں کے رہنے والے، مختلف مذاہب کے پیرو اور مختلف زبانوں کے جاننے والے علماء مصروف کار رہتے تھے۔“ ۶

”عبداللہ مامون الرشید (خلافت ۱۹۸ھ-۲۱۸ھ) کو ارسطو کی کتابوں کے ترجمے کرانے کا شوق ہوا تو اس نے قیصر روم کو لکھا کہ ارسطو کی تمام تصانیف جہاں تک دستیاب ہو سکیں فراہم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ قیصر کو اس حکم کی تعمیل میں کچھ تامل ہوا اور اس نے اپنے عیسائی علماء سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ فلسفہ کی کتابیں ہمارے ملک میں مقفل اور محفوظ ہیں اور ان کو پڑھنے پڑھانے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ کیوں کہ اس سے مذہبی احترام لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں رہ سکتا۔ ان کتابوں کو آپ ضرور خلیفہ اسلام کے پاس بھجوادیں تاکہ وہاں فلسفے کی اشاعت ہو اور مسلمانوں کا مذہبی جوش سرد پڑ جائے۔ قیصر نے پانچ اونٹ ان کتابوں سے لاد کر مامون الرشید کے پاس بھجوادے۔ مامون الرشید نے یعقوب بن اسحاق کندی کو ان کے ترجمے پر مامور کیا۔ پھر مامون نے خود اپنی طرف سے عیسائی علماء کو جو اس کے یہاں نوکر تھے بلاد روم و یونان کی طرف روانہ کیا کہ وہاں سے علوم و فنون کی کتابیں تلاش کر کے لائیں۔ قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر خود اپنے شوق سے روم ملک میں گیا اور وہاں سے کتابیں تلاش کر کے لایا۔ مامون الرشید نے اس کو دارالترجمہ میں نوکر رکھ لیا۔“ ۷

”اسی طرح اس نے مجوسی علماء کو بڑی بڑی بیش قرار تنخواہوں پر نوکر رکھ کر مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمے کی خدمت سپرد کی۔ ہندوستان کے راجاؤں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مامون الرشید کی خدمت میں سنسکرت کے عالموں اور بڑے بڑے پندتوں کو بطور تحفہ بھیج کر خلیفہ کی خوشنودی حاصل کی۔ بیت الحکمت

کے مترجموں کی تنخواہیں ڈھائی ڈھائی ہزار تک تھیں اور ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی، جن میں یعقوب کندی، جنین بن اسحاق، قسطا بن لوقا بعلبکی، ابو جعفر یحییٰ بن عدی، جبرئیل بن خلیشوع وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ علاوہ تنخواہوں کے مترجموں کو ہر ایک کتاب کے ترجمے کے برابر سونا یا چاندی تول کردی جاتی تھی۔ فلسطین، مصر، اسکندریہ، سسی، روم، ایران، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے علوم و فنون کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمہ کرائی جاتی تھیں اور بہت سے مترجمین ترجموں کی اصلاح اور نظر ثانی پر مامور تھے۔“ ۸

”غرض کہ مامون الرشید کی توجہ اور سرپرستی علوم کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے یونانیوں، ایرانیوں، مصریوں اور ہندیوں کے علوم و فنون سب یکجا بے نقاب ہو گئے۔“ ۹

”بغداد میں ہارون الرشید کے زمانے میں بیت الحکمت جاری تھا۔ عہد مامونی میں یونانی و سریانی و عبرانی و سنسکرت و فارسی وغیرہ زبانوں کی کتابیں ترجمہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑا محکمہ جاری ہوا۔“ ۱۰

لفظ ’صوفی‘ تو من و عن اپنے یونانی تلفظ ہی میں مستعمل ہے۔ اس لیے کہ اس لفظ کا تلفظ عربی داں کے لیے ادا کرنا کوئی مشکل امر نہ تھا۔ البتہ ’تصوف‘ یونانی لفظ ’تھیوسوفی‘ (Theosophy) کی معرب شکل ہے۔ ظاہر ہے کہ تھیوسوفی عرب بول نہیں سکتے تھے۔ وہ اسے تصوف ہی کہہ سکتے تھے۔

صوفی کے نام سے ایسے افراد موسوم کیے جاتے تھے جو خدا بندہ یا کائنات سے متعلق اپنے خود ساختہ افکار و نظریات کے مباحث پیش کرتے ہوئے غلط توجیہ اور استدلال سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ صوفی ازم (Sophism) کی تعریف اس طرح پیش کی جاتی ہے:

”The false reasoning intended to deceive“ ۱۱

کاہن اور نجومی بھی صوفی کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے۔

اس صوفی ازم (Sophism) نے آگے چل کر باضابطہ علم فلسفہ (Philosophy) کا روپ دھار لیا اور یہ متصوف باضابطہ فلسفی یعنی فلاسفر (Philosopher) کہلائے جانے

لگے۔ فلاسفی (Philosophy) کی تعریف اس طرح پیش کی جاتی ہے:

"The search for knowledge, esp. the nature and meaning of existence."^{۱۲}

(علم کی تحقیق بالخصوص فطرت اور وجود کی معنویت کے علم کی تحقیق)

اس فلاسفی (Philosophy) نے اپنی کئی شاخیں پیدا کیں۔ ان میں سے ایک اہم اور نمائندہ شاخ ’تھیوسوفی‘ (Theosophy) ہے۔ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری کے مطابق تھیوسوفی کی تعریف اس طرح ہے:

"Any of several systems of philosophy which aim at a direct knowledge of God by means of spiritual ecstasy and contemplation."^{۱۳}

(فلسفے کے بہت سارے نظامات میں سے وہ علم جس کا مقصد روحانی وجدان اور تصورات کے ذریعہ خدا کے علم کا حصول ہے۔)

فلسفے کے دیگر تمام نظامات اور شعبہ جات کے حامل افراد کے لیے تو فلسفی یا فلاسفر (Philosopher) کا لفظ ہی مستعمل رہا۔ البتہ تصوف (Theosophy) کے حاملین کے لیے لفظ صوفی مختص ہو کر رہ گیا۔

ابوریحان البیرونی (م ۴۲۴ھ/ ۱۰۲۸ء) لکھتے ہیں:

”السوفیة هم الحكماء فان سوف باليونانية الحكمة و بها یسمی الفیلسوف، فیلاسوفاً ای محب الحكمة و لها ذهاب فی الاسلام قوم الی قریب من رایهم سَمَوَ باسمهم.“^{۱۴}

(صوفیہ یعنی حکماء کیوں کہ یونانی میں سوف کے معنی حکمت (فلسفہ) کے ہیں۔ اسی لیے یونانی میں فیلسوف کو فیلاسوف کہا جاتا ہے۔ یعنی فلسفہ سے محبت کرنے والا۔ چونکہ اسلام میں ایک جماعت باعتبار مسلک ان کے قریب تھی، اس بنا پر اس جماعت کا نام ان کے نام سے موسوم ہو گیا۔)

تصوف اور صوفیہ کے تعلق سے موجودہ محقق محمد لطفی جمعہ لکھتے ہیں:

’ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ یونانی کلمہ ’تھیوسوفیا‘ سے مشتق ہے، جس کے معنی حکمتِ الہی

کے ہیں۔ صوفی وہ حکیم ہے جو حکمتِ الہی کا طالب ہوتا ہے اور اس کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ صوفی یا متصوف کی غایت حقیقتِ الہی تک پہنچنا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء جو کچھ بھی حقیقتِ اعلیٰ کے متعلق کہتے یا لکھتے ہیں اس پر وہ فلسفیانہ بحث کرتے ہیں۔“^{۱۵}

یہ ہیں صاف اور واضح حقائق۔ لیکن صوفیہ اور ان کے اعدا و انصار نے ان حقائق کی پردہ پوشی کی بھی انتہا کر دی۔ انہوں نے بہر صورت یہ کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح لفظ صوفی کو عربی زبان کے کسی نہ کسی لفظ سے مشتق قرار دیا جائے اور اسے ثابت کر دکھایا جائے۔ اس کے لیے انہیں مختلف مصادر اور ان کے جواز کی فراہمی کے دھکے کھانے پڑے لیکن پھر بھی اپنے مشن سے باز نہ آئے۔ مثلاً کسی نے اسے صوفہ سے مشتق بتایا، کسی نے صف سے، کسی نے صفا سے، کسی نے صفہ سے، کسی نے صوفانہ سے، کسی نے صوفیۃ القضاء سے، کسی نے صفوة سے اور کسی نے صوف سے۔ ان میں سے ہر ایک کی حقیقت ان ہی ہم نواؤں کی زبان میں پیش ہے:

”حافظ محمد بن طاہر المقدسی (۵۰۷ھ/ ۱۱۱۳ء) کے بیان کے مطابق صوفی کی نسبت قوم ’صوفہ‘ سے بتایا جاتا ہے۔ لیکن مستشرقین اور بعض مشرقی علماء نے صوفہ سے صوفی کا اشتقاق غلط ٹھہرایا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عربی زبان کے اصول و قواعد کی رو سے صوفہ سے صوفانی بنے گا نہ کہ صوفی۔“^{۱۶}

”صوفی کو ’صف‘ سے بھی ماخوذ بتایا گیا ہے۔۔۔ اس رائے کی بنیاد شیخ ابوالحسن نوری (م ۲۹۵ھ/ ۹۰۷ء) کا یہ قول ہے — الصوفیۃ هم الذی صفت ارواحهم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق (صوفیہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی روحوں کو صاف کیا۔ پس وہ لوگ اللہ کے حضور صف اول کے ہو گئے) لیکن اس رائے کو اس لیے مسترد کر دیا گیا کہ عربی زبان کے قواعد اس کی توثیق نہیں کرتے۔“^{۱۷}

”ایک طبقے کی رائے ہے کہ صوفی ’صفا‘ سے مشتق ہے۔ صوفیہ کی بڑی تعداد اس رائے کی قائل ہے۔۔۔ لیکن معروف اصولوں کی روشنی میں صفا سے صفائی یا

صفویہ بنے گا (نہ کہ صوفی)۔“ ۱۸

”بعض صوفیہ صفہ کو صوفی کا ماخذ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ اشتقاق معیار صوفی پر پورا نہیں اترتا۔ اس لیے اس کو رد کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح قاعدہ اشتقاق کی رو سے ان اقوال کو بھی مسترد کر دیا گیا ہے، جن میں صوفی کو ’صوفائے‘ (ایک ترکاری کا نام) یا صوفیہ القضاء (گدی کے بال) سے مشتق قرار دینے کی کوششیں کی گئی ہیں۔“ ۱۹

”ابوالقاسم (عبدالکریم بن ہوازن) قشیری (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) کا خیال ہے کہ (کہا جاتا ہے کہ) صوفی ’صفوۃ‘ سے لیا گیا ہے۔... امام قشیری کا کہنا ہے کہ عربی زبان کے قیاس اور قاعدہ اشتقاق سے اس اسم کی تائید نہیں ہوتی۔“ ۲۰

امام قشیری قدرے تفصیل سے اشتقاق کی بحث کرتے ہوئے واضح انداز میں مذکورہ تمام مصادر سے اشتقاق کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ حقائق کی پردہ پوشی کو بھی بہر حال قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے۔ واضح امر یہ ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ ’صوف‘ سے نکلا ہے کیوں کہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لیے تصوف کا لفظ بولتے ہیں جس طرح قمیص پہننے کے لیے قمیص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ صوفی لفظ مسجد رسول ﷺ کے صفہ کی طرف منسوب ہے (تو یہ بھی درست نہیں ہے) کیوں کہ صفہ کا اسم نسبت (صفی آتا ہے) صوفی نہیں آتا۔ ان لوگوں کا قول جو اسے صفاء سے مشتق بتاتے ہیں، یہ لغت کے لحاظ سے بعید از قیاس ہے۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ صف سے مشتق ہے بایں معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صف اول میں ہیں تو یہ معنی تو درست ہیں مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت (صفی آتا ہے) صوفی نہیں آتا۔ مزید برآں یہ لوگ

(اس نام سے) اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ ان کے تعین کرنے میں نہ قیاس کی

ضرورت پڑتی ہے اور نہ اشتقاق کی۔“ ۲۱

مذکورہ الفاظ سے اشتقاق ثابت نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ ان پر فوراً اعتراضات وارد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان حقائق کو تسلیم کر لیا گیا اور جہاں سے اشتقاق ثابت ہے، ادھر سے توجہ پھیر دینے کے لیے ہدایت فرمادی گئی کہ ان کے لیے نہ تو قیاس کی ضرورت ہے اور نہ ہی اشتقاق کی تحقیق کی۔ اور یہی کوشش ہنوز چلی آرہی ہے۔ وہ تو وقتاً فوقتاً کوئی سر پھرا ایسا منظر عام پر آ جاتا ہے جو حقیقت کا اظہار کر بیٹھتا ہے۔ لیکن انہیں چنداں اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔ کیوں کہ اس طرح یہ بیرونی علم ثابت ہو جانے کی صورت میں خود ہی زمین بوس ہو کر رہ جائے گا۔

لطف کی بات یہ بھی ہے کہ لفظ ’صوفی‘ کے اشتقاق کی گفتگو سے تو تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہوتی ہیں۔ لیکن لفظ ’تصوف‘ کے اشتقاق کی گفتگو تو نہیں کے برابر ہی ہوتی ہے اور صوفی اور تصوف کے درمیان اشتقاق کی صورت تو زیر بحث لائی ہی نہیں جاتی ہے اس لیے کہ اس صورت میں وہ حقائق پر پردہ ڈالے رکھنے میں کامیاب نہیں رہ سکتے۔ بس یہ مفروضہ چلا آرہا ہے کہ تصوف کے حامل صوفی ہوتے ہیں۔

شروع میں صوفی کہے جانے والے کون لوگ تھے؟

مسلمانوں کے درمیان تصوف پر ایمان و عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا نفوذ کب سے اور کس طرح شروع ہوا یہ بتانا مشکل ہے۔ البتہ تاریخ میں دو اشخاص کا ذکر کیا جاتا ہے جو سب سے پہلے صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے ہیں۔ وہ دو اشخاص ہیں — جابر ابن حیان الصوفی (م ۱۶۰ھ/۷۷۷ء) اور ابو ہاشم کونی الصوفی (م ۱۳۰ھ/۷۴۷ء)۔ ماسینون (Massignon) کے مطابق:

”الصوفی کو لقب کے طور پر تاریخ میں پہلے پہل آٹھویں صدی کے نصف آخر میں

کوفہ کے ایک شیعہ کیمیا گر جابر ابن حیان کے نام کے ساتھ جو زہد میں ایک مسلک

خاص رکھتا تھا، استعمال کیا گیا، نیز ایک نامور صوفی ابوبہشم کوفی کے ساتھ۔“ ۲۲
ابوبکر سراج الدین کے مطابق:

”سب سے پہلے اس کا اطلاق ابوبہشم بن شریک (حدود ۱۳۰ھ) اور جابر بن حیان ماہر کیمیا (حدود ۱۶۰ھ) پر کیا گیا، جو دونوں کوفی تھے، ممکن ہے یہ لفظ اس سے پہلے بھی استعمال کیا گیا ہو۔“ ۲۳

جابر بن حیان الصوفی کے متعلق اس کے سوانح نگار ڈاکٹر زکی نجیب لکھتے ہیں:

”سیاسی طور پر شیعہ عملاً فلسفی اور علمی طور پر وہ کیمیا گروں میں سے تھا، اس کے علاوہ وہ صوفی تھا، یہاں تک کہ صوفی کی صفت اس کے نام کا جزو بن گئی۔ اس لیے جہاں کہیں اس کا ذکر ہوتا جابر بن حیان الصوفی کہا جاتا۔“ ۲۴

صیغہ جمع ’صوفیہ‘ کا استعمال

نکلسن (Nicholson) کے مطابق جاحظ بصری (م ۲۵۵ھ/۸۶۹ء) ۲۵ پہلا عرب مصنف ہے جس نے صوفی کا صیغہ جمع ’صوفیہ‘ استعمال کیا ہے۔ ۲۶

”ماسینون (Massignon) کے بقول اس کا صیغہ جمع ’صوفیہ‘ پہلی دفعہ ۱۹۹ھ/۸۱۴ء میں اسکندریہ کی ایک معمولی سی شورش کے سلسلے میں نظر آتا ہے۔ محاسبی اور جاحظ کے مطابق تقریباً اسی زمانے میں اس کا استعمال نیم شیعہ مسلمانوں کی ایک جماعت صوفیہ کے لیے ہوا تھا، جو کوفہ میں پیدا ہوئی اور جس کا آخری امام عبدک الصوفی (م ۲۱۰ھ/۸۲۵ء) تھا۔ یہ شخص نبات خور، تارک اللحم اور حق ارتح کا قائل تھا۔“ ۲۷

واضح رہے کہ صوفیہ کی شیعیت سے مناسبت کو ہلکا کرنے کے لیے نیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ورنہ شیعہ تو شیعہ تھے۔ نیم شیعہ کوئی گروہ نہ تھا۔

شیخ الصوفیہ

بصرہ کے عبدالواحد بن زید (م ۱۷۷ھ/۷۹۳ء) کو شیخ الصوفیہ کہا جاتا ہے۔ ۲۸

تصوف کا آغاز

”تصوف کا آغاز عالم اسلام کے دوشہروں کوفہ اور بصرہ سے ہوا جو شیعوں کے شہر سے منسوب تھے اور ان کے مراکز کہلاتے تھے۔ کوفہ پر مائی کی فکر کا اثر تھا اور بصرہ پر ہندوستانی علم و فکر کا۔ مائی کے مذہب میں عشق خداوندی کے عناصر پائے جاتے ہیں، جب کہ ہندوستانی فلسفہ میں سارا زور ترک و تیاگ پر ہے۔“ ۲۹ ڈاکٹر ابوالعلاء عصفی کے مطابق:

”تصوف مذاہب شیعہ سے قریب ہے اور یہ کوفہ میں جو شیعوں کا مرکز تھا وجود

پذیر ہوا۔ عبدک صوفی متوفی ۲۱۰ھ اس کے آخری امام تھے۔“ ۳۰

تصوف کی اساس

یوں تو تصوف پر کئی قسم کے فلسفے کے اثرات ہیں، لیکن اس کی اساس میں فیثا غورث (م ۵۳۲ ق م)، زینوفینیز (م ۴۷۵ ق م)، پریمینائیز (م ۴۵۰ ق م)، افلاطون (م ۳۴۷ ق م) اور فلاطینوس (م ۲۰۴ء) کے فلسفوں کے اثرات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

’فیثا غورث (Pythagoras) کے نظام فلسفہ کی روح، اصول اور اعمال کی بنیاد اصلاً تناسخ ارواح (آواگون) عقیدے پر مبنی ہے۔ ان کا نصب العین پیدائش کے چکر سے آزاد ہونا اور بالآخر خدائی برکتوں کے عالم میں داخل ہونا ہے۔ ان کے حصول کے لیے سخت ریاضت اور ذہنی مشقت کی وکالت کی جاتی ہے۔“ ۳۱

”زینوفینیز کے فلسفے کا بنیادی خیال یہ ہے کہ ہر شے میں اتحاد و وحدت ہے یعنی سب ایک ہے۔ یہ ایک ہر اعتبار سے خدا ہے۔ اس کی ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔ اپنی ذات میں

کیساں ہے۔ اس لیے غیر متغیر ہے۔ یہ کائنات سے علیحدہ بھی نہیں ہے۔“ ۳۲
 پر مینائیڈز کا نقطہ نظر تھا کہ حقیقت غیر متغیر ہے۔ اس نے کہا ہے کہ احساسات فریب دہ ہیں۔ اس نے محسوس اشیاء کی کثرت اور تنوع کو رد کر دیا کیوں کہ کثرت اور تنوع التباس محض ہے۔ حقیقی وجود صرف ایک ہے جو لامتناہی اور ناقابل تقسیم ہے۔ ۳۳

الفریڈ ویبر (Alfred Webber) کے مطابق افلاطون کا نقطہ نظر ہے:

”حقیقت اشیاء محسوسات یا مظاہرہ کا حصہ نہیں ہے بلکہ تصورات اور ان کی مثل کا حصہ ہے جن کی نقل ان اشیاء میں پائی جاتی ہے، ان تصورات و مثل کا ادراک صرف عقل سے ہو سکتا ہے جو محض اعراض اور خود ذات ہے۔ مظاہر یا حادثات میں صرف اتنی ہی حقیقت ہے جتنی ان کو اس تصوری مثال سے ملی ہے جس کے وہ مٹی ہیں۔“ ۳۴

اور اصلاً تصوف کے عقائد اور افکار کے ساتھ ساتھ اس کے اعمال کی بنیاد بھی براہ راست فلوپینی (Platinus) عقائد و نظریات سے مستعار ہیں۔ فلوپینی نظریات کے مطابق:

”نجات یا آخری منزل کا حصول اس بات پر موقوف ہے کہ روح کو صفا حاصل ہونا چاہیے۔ جسمانی بندھنوں سے آزاد ہونا چاہیے اور نظریاتی تصورات میں گم ہونا چاہیے۔ نظریاتی زندگی عملی زندگی سے بلند ہے۔“ ۳۵

یونس خاں ایڈووکیٹ تصوف پر نو فلاطونیت کے اثرات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”نو فلاطونیت (Neo-Platonism) کا سنگ بنیاد تجلی (Emanation) کا تصور ہے۔ ذات احد سے بتدریج عقل، روح اور روح انسانی اور مادے کا نزول (Descend) ہوتا ہے۔ تعمق و فکر کی بدولت روح انسانی مادے کے تصرف سے آزاد ہو کر دوبارہ اپنے مبداء حقیقی سے جا ملتی ہے، اسے صعود (Ascent) کہتے ہیں۔ تصوف میں اسی نظریے کو فصل و جذب یعنی ذات احد سے جدا ہو کر دوبارہ اس میں جذب ہونا کہتے ہیں۔... انسانی روح مادے کے تصرف سے نجات حاصل کرنے کے لیے مسلسل کش مکش کرتی ہے اور اپنے مبداء حقیقی کی طرف پرواز کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ اس بے قراری کو فلوپین نے

عشق کا نام دیا ہے جو بعد ازاں صوفیہ کے یہاں عشق حقیقی کی صورت میں نمودار ہوا۔ انسانی روح جب کل میں جذب ہو جائے تو اسے نشاطِ جاودا مل جاتی ہے۔... فلوپین کا دعویٰ تھا کہ مراقبہ کی حالت میں کئی بار اسے روح کل میں جذب ہونے کا تجربہ ہوا۔“ ۳۶

صوفیہ کس طرح فلوپینی عقائد و افکار کے حامل ہیں اور ان کی ترویج و اشاعت میں کوشاں، اس تعلق سے یونس خاں ایڈووکیٹ لکھتے ہیں:

”مسلمان صوفیہ پر نو فلاطونی تصوف کے گہرے اثرات مرتسم ہوئے ہیں۔ جنید بغدادی، شہاب الدین سہروردی اشراقی مقتول، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وغیرہ کے افکار تصوف فلوپین سے متاثر ہیں۔ بایزید بسطامی جو پہلے صاحب حال صوفی ہیں فنا فی اللہ کے مبلغ ہیں۔ جنید بغدادی نے فلوپین کی پیروی میں ذات احد کو حسن ازلی کہہ کر پکارا اور عشق حقیقی کو تصوف و سلوک کا لازمہ قرار دیا۔ حلاج کا یہ خیال کہ انسانی روح میں روح کل جلوہ گر ہے، فلوپین سے ماخوذ ہے۔ ابن عربی کا اللہ افلاطون کے خیر محض اور فلوپین کی ذات احد ایک ہی شے ہے۔... مثنوی مولانا روم میں فصل و جذب کا نظریہ فلوپین کے تصوف ہی کی صدائے بازگشت ہے۔ صوفی شعراء کی پرسوز شاعری نے نو فلاطونی افکار کو اسلامی دنیا میں دور دور تک پھیلا دیا۔ اس طرح فلوپین کا تصوف مسلمانوں کے فکر و احساس کا محور بنا۔“ ۳۷

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ —

”مسیحی علم کلام بھی نو فلاطونیت سے متاثر ہے۔ آگسٹائن ولی اور کلیمنٹ ولی پر پلٹینس کی تعلیمات کا گہرا اثر ہے۔ ازمنہ وسطی کے عیسائی متکلم عیسائیت کے پردے میں پلٹینس کے افکار ہی کی تبلیغ کرتے رہے اور کلیسائے روم کے علم کلام میں اس کی تعلیمات موجود ہیں۔ مسلم الہیات پر بھی پلٹینس کے افکار کے اثرات ہیں۔ نو فلاطونیت کو ابن سینا اور ابن رشد نے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔“ ۳۸

وہ نو فلاطونیت کے اساسی عقیدے کے ذیل میں کہتے ہیں:

”نوفلاطونیت (Neo-Platonism) کا اساسی عقیدہ ہے کہ انسان وجد و کیف میں ذات باری تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ عقل و خرد کا عجز، نوفلاطونیت کا نقطہ آغاز ہے۔ جہاں عقلی استدلال اپنی بے چارگی کا اعتراف کرتا ہے وہاں نوفلاطونیت وجد و حال کی مدد سے راستے کی رکاوٹیں دور کرتی ہے۔ یونانی فہم جس مقام تک عقل کے وسیلے سے پہنچ سکا، نوفلاطونیت وجدان کے ذریعہ وہاں تک پہنچ جانا چاہتی ہے۔ جہاں عقل کی کوشش ناکام رہی، وہاں والہانہ بے خودی کامیاب ہوگئی۔“ ۳۹

یعنی یہی فکر متصوفین بھی پیش کرتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشا لے لب بام ابھی

مذکورہ بالا حقائق اس بات کے بین ثبوت ہیں کہ یہ تصوف من و عن یونانی اور فلوپینی تصوف ہے اور اس کے اساسی عقائد و افکار میں کوئی تبدیلی بھی نہیں ہے۔

فکری ارتقا

دیگر مذاہب اور ان کے طریقوں کی آمیزش

فلوپینی اساس پر استوار ہونے والے تصوف نے محض اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر طرح کی گندی نالیوں اور جوہڑوں سے اپنے دامن کو آلودہ کیا ہے۔ اس نے عیسائیوں کی رہبانیت اور مرتاضیت، زرتشتیوں کی آتش پرستی، ایرانیوں کی زندگییت، بدھ بھکشوؤں کے نروان، ہندوؤں کے آواگون، ان کے جوگیوں کی ریاضت وغیرہ عناصر کو اپنے اندر پوری طرح جذب کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان سے ابھرنے والے مختلف گمراہ مذاہب — شیعہ، اسماعیلیہ، امامیہ، باطنیہ، مرجئہ وغیرہ سے بھی بیش از بیش اپنے دامن کو وسعت دی

ہے۔ اس طرح مذہب تصوف کی شکل یوں ہوگئی کہ ایک اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب باطلہ اور طریقہ ہائے سیدہ کی جھلک اس میں نظر آنے لگی۔ ظاہر ہے کہ جب اسلام نہیں ہوگا تو تمام مذاہب کے لیے اس کے اندر نفوذ کرنے کی گنجائش ہوگی ہی۔ یہی وجہ ہے کہ تجزیہ کاران حقائق کو دیکھ کر تصوف کو وحدت ادیان کا نادر نمونہ قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ابوالعلاء عصفی لکھتے ہیں کہ تصوف کی پیدائش چوں کہ بصرہ اور کوفہ میں ہوئی اس لیے اس میں آرامی ثقافت مانوی کوفہ کی وساطت سے اور ہندی ثقافت بصرہ کے توسط سے داخل ہوگئی۔ ۴۰ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی اقرار کرتے ہیں کہ تصوف کی پیدائش اور ارتقائی عوامل پر ایرانی، زردشتی، مسیحی، عبرانی، ہندی اور یونانی اثرات ہیں اور اس نے آریائی اور سامی افکار و عقائد سے استفادہ کیا ہے۔ ۴۱ صوفیہ رہبانوں اور احباروں کی ریاضات و روحانیت سے استفادہ کرنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ عیسائی راہبوں کے اقوال پیش کرنے اور ان کے اعمال و مجاہدات کی تعریف کرنے اور ان کے طریقے اور اعمال کو نمونہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ ۴۲ وحدت الوجود کے عقیدہ و فکر پر مذہب ویدانت کے اثرات ہیں۔ چنانچہ جلال الدین رومی اور حافظ شیرازی کے قصائد اور گیتا گووند میں مماثلت اس کی زندہ دلیل ہے اور ابوریحان البیرونی کے مطابق قارنات و کشف میں ہندوؤں کے صوفیہ اور مسلمانوں کے صوفیہ کے مابین مشابہت پائی جاتی ہے۔ ۴۳ تصوف یونانی میٹافزکس (مابعد الطبیعات) اور جینیسیس (Genesis) ۴۴ افلاطونی معقولات و منقولات کے اثرات و ماخوذات سے مملو ہے۔ یونانی اثرات و نظائر کا بڑا سبب دوسری صدی ہجری میں یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہے۔“ ۴۵

ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی فلسفہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے تشکیلی عناصر میں ہندو فلسفہ کے آتما اور پرماٹما کی دلیل لاتے ہیں:

”یہ تخیل نہایت قدیم ہے کہ اس کائنات کی حقیقت اعلیٰ یعنی خدا کا سب سے کامل ظہور انسان کے اندر ہوا ہے۔ اس لیے خدا کی جستجو خارج (عالم موجودات) میں کرنے کے بجائے انسان کو خود اپنے باطنی وجود میں کرنا چاہیے۔... ہندو فلسفہ نے روح انسانی کو اس دنیا میں ایک مشاہدہ قرار دیا ہے

اور اس کا مقام عمل سے کہیں زیادہ تصور میں ہے۔ وہ خود خدا کی تبدیل شدہ صورت نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے۔ خدا سے اس کا تعلق غلام اور آقا جیسا نہیں بلکہ اس کے تعلق کی نوعیت کل اور جز کی سی ہے۔ ... روح (آتما) کے مختلف مدارج ہیں لیکن آخر الامر وہ خداوند اعلیٰ میں واپس چلی جاتی ہے جہاں سے آئی تھی ... مخلوقیت کا اطلاق صرف موجودات کے ظواہر پر ہوتا ہے جن کی کوئی اصل حقیقت نہیں، باعتبار باطنی وجود، خالق اور اس کی مخلوقات میں کوئی حد فاصل باقی نہیں رہتی۔ یہاں آتما اور پرما تما (برہما) ایک ہو جاتے ہیں۔“ ۳۶

علامہ محمد اقبال عجمی قوموں کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کے درمیان عجمی قوموں کے میلان طبائع نے آخر کار اپنے لیے تصوف کی صورت میں ایک رہبانیت پیدا کر لی جو تیرہویں صدی (عیسوی) میں خلافت اسلامیہ کی تباہی کے وقت اسلامی جماعت میں زوروں پر تھی۔“ ۳۷

پہلے صوفی ابو ہاشم الکوفی کی پہلی خانقاہ ایک زرتشتی آتش پرست نے تعمیر کی تھی:

”مولانا (عبدالرحمن) جامی ”نفحات الانس“ میں لکھتے ہیں کہ پہلا شخص جو صوفی کہلایا ابو ہاشم تھا، جن کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا اور انہیں کے رفقاء کے لیے فلسطین کے مقام رملہ میں ایک پہاڑی پر صوفیہ کی پہلی خانقاہ تعمیر ہوئی جو ایک زرتشتی آتش پرست امیر کی فیاضی کا نتیجہ تھی۔“ ۳۸

ڈاکٹر سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں:

”بلخ و بخارا اور خراسان میں بدھ مت ایک طاقت ور مذہب کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں اس کے بڑے بڑے مراکز موجود تھے اور بدھ کے پیرو بڑی تعداد میں اپنے نظام کے استحکام میں مشغول تھے۔ جب وہاں تصوف اور صوفیاء کرام پہنچے تو بدھ مت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور بودھ طریقہ حیات نے نظام تصوف کو نئی جہت عطا کی۔ چنانچہ تصوف کے بہت سے طریقے اور نظریے اسی بدھ مت کی پیداوار ہیں۔ مثلاً حبس دم، صلح کل، تصویر شیخ، مریدوں کا سرمند وانا وغیرہ۔“ ۳۹

الطاف احمد اعظمی لکھتے ہیں:

”سہاک کی پہلی منزل فنا فی اللہ اور آخری منزل بقا باللہ ہے جسے سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ بھی کہتے ہیں۔ یہ تمام تصور، اصطلاحات سے قطع نظر، ویدانت کے تصور فنا (مکتی) اور بدھ ازم کے تصور نروان (Nirvana) سے ماخوذ ہے۔ ۵۰

”گیتا“ کے چھٹے باب میں نصیحت کی گئی ہے کہ ’یوگی برہم چاری تجر د کی سخت زندگی بسر کرے۔ اپنے دل کو دنیاوی مقاصد سے ہٹالے اور صرف خدا کا دھیان کرے۔ اپنے تمام افعال اس کی جانب منسوب کرے اور اس سے اتحاد میں رہنے کی کوشش کرے۔ اس سے اس کی روح کو سکون ملے گا جس سے وہ اپنی انفرادیت کو خدا میں گم کر دے گا اور فنا پذیری ذات کے آئندہ میں خدا سے قائم ہو جائے گا۔‘ گیتا کی اس نصیحت میں فنا اور بقا دونوں کا تصور موجود ہے۔“ ۵۱

”جہاں تک بدھ ازم کے نروان کا تعلق ہے، وہ بھی تصوف کی فنا کا ایک اہم ماخذ ہے۔ ... انفرادیت کو فنا کر دینا ہی حقیقی نروان ہے اور ایسا کر کے آدمی کل کائنات سے متحد ہو جاتا ہے۔“ ۵۲

چنانچہ ابوالفتح ابراہیم بن ادہم کا ایک واقعہ ٹھیک ٹھیک گوتم بدھ کے مماثل بیان کیا جاتا ہے۔ علی بن عثمان ہجویری لکھتے ہیں:

”ابتدائی زندگی میں آپ (ابراہیم بن ادہم) بلخ کے امیر تھے۔ ایک دن آپ شکار کے لیے گئے۔ ایک ہرن کے پیچھے آپ اپنے لشکر سے بہت دور چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہرن کو زبان دی۔ اس نے ابراہیم بن ادہم سے فصیح زبان میں گفتگو کی۔ ہرن نے کہا: الہذا خلقت أو لہذا أمرت (کیا تیرے خالق نے تجھے اسی کام کے لیے پیدا کیا ہے یا اس نے تجھے اسی کا حکم دیا ہے)۔ ہرن کی یہ گفتگو آپ کے لیے توبہ کا سبب بنی اور ہر قسم کی دنیا داری سے آپ نے کنارہ کشی اختیار کی اور ورع اور زہد کے طریقے کو آپ نے اپنا معمول بنالیا۔“ ۵۳

ابراہیم بن ادہم کا یہ واقعہ تصوف کی بکثرت کتابوں میں درج ہے۔

اسی طرح ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ (آواگون) کی تفہیم اور تبلیغ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اس طرح پیش فرماتے ہیں:

”آج صبح دیکھا کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے اور تلقینی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔“ ۵۴

شاہ ولی اللہ کہاں پیچھے رہ سکتے تھے۔ انہوں نے بھی عقیدہ تناسخ کی مٹی میں خوب پانی ملایا۔ وہ فرماتے ہیں:

”میں نے نبی ﷺ سے آپ ﷺ کے اس قول کے کہ — ابھی آدم کا خمیر پانی اور مٹی میں تیار ہو رہا تھا کہ میں نبی تھا — کے معنی دریافت کیے۔ لیکن یہ سوال زبانِ مقال سے نہ تھا اور نہ یہ سوال خیال کی صورت میں میرے دماغ میں آیا تھا، بلکہ ہوا یہ کہ میری روح اس راز کو جاننے کے شوق اور اس کی محبت میں سرشار ہو گئی۔ اس حالت میں میں نے اپنی روح کو زیادہ سے زیادہ جتنا بھی مجھ سے ممکن تھا، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے قریب کر دیا، اس کی وجہ سے میری روح آپ کی ذات اقدس کی جو مثالی صورت ہے، اس سے بھر گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھے اپنی وہ مثالی صورت دکھائی جو اس عالم اجسام میں تشریف فرما ہونے سے پہلے عالم مثال میں آپ کی تھی۔ پھر آپ نے مجھے عالم مثال سے اس عالم اجسام میں اپنے منتقل ہونے کی کیفیت بتائی اور اس طرح مجھے دوسرے انبیاء کی بھی مثالی صورتیں دکھائی گئیں اور خداوند کا رساز کی جانب سے ان انبیاء پر جیسے نبوت کا فیضان ہوا اور نیز جس طرح آپ پر عالم مثال میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس نعمت کا فیضان ہوا تھا، اس کی کیفیت دیکھنے میں آئی۔ بعد ازاں مجھے اولیاء کی مثالی صورتیں اور ان پر جس طرح علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے، یہ چیزیں دکھائی گئیں اور اس طرح میرے لیے یہ حقائق خوب واضح ہو گئے۔ الغرض جو کچھ اس مثالی صورت سے مجھ پر فیضان ہوا میں نے

اسے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا اور اس فیضان سے جو مقصود و مطلوب تھا وہ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔“ ۵۵

اس طرح صوفیہ کے لیے سوائے اسلام کے ہر طرح کے مذاہب باطلہ کے عقائد و نظریات نہ صرف قابل قبول ہیں بلکہ ان کے نزدیک حق و باطل سبھی یکساں قرار پاتے ہیں۔ کفر و ایمان اور نیک و بد میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی ہے۔ ان میں کسی بھی قسم کی تفریق تصوف کے منافی متصور ہے۔ مثلاً عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۸ء) اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”ایں چہ شور و ایں چہ غوغا کشادہ، کسے مومن، کسے کافر، کسے مطیع کسے عاصی، کسے در راہ کسے بے راہ، کسے مسلم کسے پارسا، کسے ملحد کسے ترسا، ہمہ در یک سلک است۔“ ۵۶

(یہ کیا شور و غوغا پھیلا دیا گیا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی مطیع ہے کوئی گنہگار، کوئی صحیح راہ پر ہے کوئی بد راہ، کوئی مسلم ہے کوئی پارسا، کوئی ملحد ہے کوئی ترسا، (سچ تو یہ ہے کہ) سب ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں)

صوفیہ اور ان کے اعوان و انصار نے جس طرح بھرپور کوششیں کیں کہ تصوف کسی بھی طرح یونانی فلسفہ ظاہر نہ ہو سکے، اسی طرح دنیا کی ان تمام مذاہب باطلہ اور طریقہ ہائے سیئہ سے اس کے مملو ہونے کو چھپانے کی بھی بھرپور کوششیں کی ہیں۔ البتہ کبھی کبھی عیسائی راہبوں اور خال خال بدھ بھکشوؤں سے رہنمائی و ہدایت حاصل کرنے کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً —

”ابو اسحق ابراہیم بن خواص نے فرمایا کہ ایک مرتبہ لوگوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ ایک راہب روم کے کلیسا میں ستر سال سے گوشہ نشین ہے اور جب میں اس سے کسب فیض کے لیے روم میں اس کلیسا کے قریب پہنچا تو اس راہب نے درتپے سے سر نکال کر کہا کہ اے ابراہیم تم یہاں کیا لینے آئے ہو... مردوں کی جستجو میں تم کب تک پھرتے رہو گے، جا کر خود کو تلاش کرو اور جب تم اپنے آپ کو پالو تو اپنے نفس کی نگرانی کرو، کیوں کہ خواہشات نفسانی دن میں تین سو ساٹھ قسم کا لباس الوہیت تبدیل کر کے بندے کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے۔“ ۵۷

”فتح موصلی نے فرمایا کہ میں نے ایک پادری سے پوچھا کہ خدا کا راستہ کون سا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جس طرف تم تلاش کرو وہی وہ ہے۔“ ۵۸

صوفیہ نے دوسرے مذاہب کے عقائد و افکار اور طریقت و ریاضت کو اخذ و جذب کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان سے پیدا ہونے والے ان مختلف مذاہب سے بھی خوب خوب کسب فیض کیا ہے جن کے عقائد و نظریات اور عبادات و معاملات، اسلامی عقائد و نظریات اور ارکان و شعائر کے مخالف سمت میں وضع کیے گئے تھے۔ مثلاً رافضیہ، شیعہ، امامیہ، اسماعیلیہ، باطنیہ، مرجہ وغیرہ۔

غرض کہ صوفیہ کے یہاں یہ مشہور مقولہ چلا آ رہا ہے کہ — الصوفی لا مذہب له (صوفی وہ ہے جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا) — یعنی کسی بھی خاص مذہب سے ان کا ربط نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک اسلام کے سوا دنیا کے تمام مذاہب سے تصوف مربوط و منضبط ہے۔ مسلمانوں کے درمیان وجود میں آنے والے یہ مختلف مذاہب دراصل ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں۔ ان میں بیش تر مذاہب کے عقائد و افکار کی جڑیں عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی مرتب و منظم کردہ مختلف ٹولیوں سے غذا اخذ کرتی ہیں۔ تصوف نے بھی ان ساختہ مذاہب سے کسب فیض کرنے کے علاوہ خود بھی براہ راست عبداللہ بن سبا کے وضع کردہ عقائد و افکار سے خوشہ چینی کی ہے۔ چنانچہ الوہیت، وصایت، امامت، ولایت، قطبیت، غوثیت وغیرہ تمام عقائد اسی شخص سے مستعار ہیں۔

یہود کی منافقت

شروع سے ہی اسلامی عقائد و نظریات اور علوم و شریعت کو مسخ بلکہ منہدم کرنے کے لیے اسلام دشمن عناصر نے مسلمانوں میں جذب ہو کر ہر چہار جانب سے حملے شروع کر دیے۔ اس لیے کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور جوق در جوق خلق خدا کو نور اسلام سے منور ہوتے ہوئے دیکھنا انہیں مطلق گوارا نہ تھا اور بالخصوص یہود مغضوب جنہیں شرم ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہونا پڑا تھا، کب مطمئن بیٹھے رہ سکتے تھے۔ وہ یہود جنہوں نے اپنی ہی قوم

میں مبعوث ہونے والے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ دشمنی دکھانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی، وہ اپنے سامنے اسلام کو اس تیزی سے پھلتے پھولتے کیوں کر دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حسد و کینہ اور بغض و عناد کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکی ہوئی تھی۔ نتیجتاً، ان تمام دشمنان اسلام نے اسلام کے خلاف صف آرائی شروع کر دی اور مشترکہ طور پر ہر چہار اطراف سے حملے شروع کر دیے۔ چنانچہ خیر القرون کے اختتام کے معاً بعد ہی یک بارگی بھانت بھانت کی بولیاں، عجیب و غریب عقائد و نظریات کی شکل میں مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونا شروع ہو گئیں جس کے نتیجہ میں مختلف فرقے وجود میں آنے لگے اور اسلام کی مختلف النوع شکل و ہیئت منظر عام پر آنے لگیں۔ اخوان الصفا، باطنیہ، اسماعیلیہ، زندقہ، قرامطہ، شیعہ، خوارجیہ، مرجہ وغیرہ کفر و الحاد کے فرقے وجود میں آتے گئے اور اسلام کی راہ اعتدال سے مسلمانوں کو نکال نکال ان میں ضم کرتے چلے گئے۔ جو لوگ ان میں سے کسی میں ضم نہ ہو سکے انہیں ان تمام گمراہ اور بے دین فرقوں کے عقائد و اعمال کے ملغوبہ ”تصوف“ میں ایسا جھونک دیا گیا کہ آج تک اس شیطانی دام تزویر سے باہر آنا تو دور کی بات ہے، اسی میں غوطہ زنی کے ایک سے ایک جوہر کمالات دکھانے میں لگے ہوئے ہیں۔

یہود اور ان کے اعوان و انصار نے دیکھا کہ اسلام کو کمزور کرنے کا صرف ایک ہی کارگر طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ اسلام کا چولا پہن کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار و افتراق پیدا کیا جائے، ان کے عقائد کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے اور انہیں خلاف اسلام علوم و افکار میں غرق کر دیا جائے تاکہ اسلام اپنی جڑ بنیاد سے ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ اس خطرناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بہت سارے یہودیوں نے اپنے کو مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ کسی یہودی کے لیے منافقانہ طور پر اسلام قبول کرنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ خود آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں عبداللہ بن ابی کا منافقانہ طور پر اسلام قبول کرنا ایک روشن مثال موجود تھی۔

عبداللہ بن سبا

عبداللہ بن سبا ان یہودیوں میں ایک بہت معروف نام ہے۔ عبداللہ بن سبا نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلامی عقائد پر ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ اس کے ان سیاہ کارناموں کی انجام دہی میں ایک پورا گروپ شریک تھا، جن لوگوں کا کام احادیث وضع کرنا اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں اسلامی عقائد پر شک و شبہ کا اظہار کرنا تھا۔

معتبر تاریخی شواہد اور دلائل کے مطابق عبداللہ بن سبا یمن کے شہر صنعاء کا رہنے والا تھا۔ اس کا تعلق ایک تعلیم یافتہ یہودی خاندان سے تھا۔ یہودی مذہب کے عقائد اس کو ازبر تھے۔ وہ یہودیوں کے روایتی مکر و فریب، بہتان طرازی اور کذب بیانی کی جیتی جاگتی تصویر تھا، اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر وہی کردار ادا کیا جو ”پولیوس“ نے عیسائیت میں ادا کیا تھا۔

ابن سبا نے سب سے پہلے تو حضرت علیؑ کے گن گانے شروع کیے پھر ان کو تمام انبیاء پر فوقیت دینے لگا اور آخر میں اس نے حضرت علیؑ کی الوہیت کا دعویٰ کر دیا۔

یہ عقیدہ توحید پر ابن سبا کا ایک زبردست وار تھا جس کے اثرات آج بھی روزمرہ کی زندگی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً مصیبت اور تکلیف کے وقت ”یا علی! المدد“ کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں، ”یا علی! مشکل کشا“ کہہ کر صبر آزما کاموں کی ابتدا کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ ابن سبا ہی کی دین ہے، جس نے حضرت علیؑ کو الوہیت کا درجہ دیا تھا اور بہت ساری خدائی صفات ان کے حق میں منسوب کی گئی تھیں۔ یہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو ان کے روبرو کہا کہ —

”تو، تو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا ہے۔ عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جو

امامت علیؑ کی فریضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اسی مخدول شخص کی

تعلیمات سے پیدا ہوئے۔ اس کی رائے میں: (۱) حضرت علیؑ مقتول نہیں

ہوئے، (۲) اور ان میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جزو موجود تھا۔“ ۵۹

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مطابق ”عبداللہ بن سبا نے ایک تیر سے دوشکار کیے:

(۱) اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیے۔ (۲) مسلمانوں

کی وحدت ملی اور یک جہتی و یک رنگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔“ ۶۰

پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

”اس شخص کی منافقانہ روش اور فتنہ انگیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اس کو قتل کروایا۔ لیکن جو خفیہ جماعت اس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقائد اس جماعت میں راسخ کر دیے گئے تھے، ان دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی جماعت کو ایران میں قبول عام کی سند حاصل ہو گئی۔ کیوں کہ یہودیوں کی طرح ایرانی بھی عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے اور جن عقائد کی ابن سبا نے تبلیغ کی تھی وہ ان کے لیے قابل قبول تھے، خصوصاً حلول کا عقیدہ جو ان میں پہلے ہی سے موجود تھا۔“ ۶۱

ڈاکٹر محمد یوسف نگرانی لکھتے ہیں:

”عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا جو اسلام لانے کے بعد حضرت علیؑ کا گرویدہ ہو گیا۔ وہ اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون کو حضرت موسیٰ کا وصی قرار دیتا تھا اور اسلام لانے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ حضرت علیؑ نفع اسلام کے وصی ہیں۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے ان پر سخت لعن طعن کی اور کہا کہ حضرت علیؑ نے اسے اس بات کا حکم دیا ہے۔ عبداللہ بن سبا ہی نے حضرت علیؑ کی الوہیت کا دعویٰ کا تھا۔“ ۶۲

”عبداللہ بن سبا نے نبوت کا دعویٰ کر کے امیر المؤمنین (حضرت علیؑ) کو خدا قرار دے دیا اور جب امیر المؤمنین کو اس بات کا علم ہوا تو آپؑ نے بلا کروضاحت طلب کی تو اس نے بلا جھجک کہا کہ جی ہاں آپ ہی تو خدا ہیں۔ تو اس پر امیر المؤمنین نے کہا کہ تجھ پر شیطان سوار ہے۔ تو اپنی ان حرکتوں سے باز آ کر توبہ کر۔ لیکن اس نے امیر المؤمنین کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو امیر المؤمنین نے اسے تین دن تک قید میں رکھنے کے بعد زندہ جلا دیا۔“ ۶۳

وہ مسند امام الاعظم ابوحنیفہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”امام ابوحنیفہ اپنی کتاب ”مسند“ میں ابن سبا کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ دراصل ایک متعصب یہودی تھا، جس نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلام لانے کا ڈھونگ رچایا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے اہل مصر کو حضرت عثمانؓ کے قتل پر آمادہ کیا۔ یہ شخص بڑا ہی خبیث اور بدطینت تھا اور حضرت علیؓ کی تائید کا دعویٰ کرتا تھا۔“ ۶۴

وہ امام شہرستانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”ابن سبا ایک یہودی تھا اور وہ اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون کو حضرت موسیٰ کا وصی مانتا تھا اور پھر اسی نے حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ کا وصی کہنا شروع کر دیا اور اسی ابن سبا نے خلیفہ چہارم کے لیے ”امام“ کی اصطلاح وضع کی۔ نیز اس کا اور اس کے گروہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ شہید نہیں ہوئے ہیں، وہ تو نور الہی کا ایک حصہ ہیں اور وہ بادلوں میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ بادلوں کی گرج ان کی آواز ہے اور بجلی کی چمک ان کا کوڑا ہے۔ وہ جب زمین پر آئیں گے تو دنیا کے مظالم کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف کا بول بالا کریں گے۔“ ۶۵

عبداللہ بن سبا اور شیعیت

لفظ ”شیعہ“ کے لغوی معنی ہیں گروہ، فرقہ، حامی، پیروکار وغیرہ۔ البتہ اصطلاح کے طور پر اس سے مراد مسلمانوں کے درمیان سے پیدا ہونے والا وہ گروہ ہے جو حضرت علیؓ کے بارے میں ایک مخصوص عقیدہ رکھتا ہے اور جس کے پانچ اساسی اصول ہیں: توحید، عدل، نبوت، امامت اور معاد۔

شیعہ کا استعمال شروع میں خالصتاً سیاسی گروہ کے لیے ہوتا تھا۔ یہ دراصل شیعان علی تھے۔ یعنی حضرت علیؓ کی خلافت کے حمایتی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد عبداللہ بن سبا اور اس کے اعوان و انصار نے اپنی اسلام دشمنی کی سازشوں کی تکمیل کے لیے ان کے اندر

نفوذ کر کے انتہائی عیارانہ اور شاطرانہ طور پر خلاف اسلام عقائد و افکار کا پرچار کرنا شروع کر دیا اور بالآخر بہت جلد انہیں اپنے دام فریب میں پوری طرح پھانس لیا۔ ڈاکٹر محمد زکی شیعہ مذہب کے اولین خاکہ سے واقفیت بہم پہنچاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ کام عبداللہ بن سبا نے انجام دیا۔ اس کے بارے میں مشہور مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ یہ دراصل یمن کا ایک یہودی تھا جو (بظاہر) حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانا اور انہیں گمراہ کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے اسلامی مملکت میں خفیہ تنظیمیں قائم کیں۔ یہ شخص اپنے گمراہ کن عقائد کی اشاعت کچھ اس طرح کرتا تھا کہ اس کی پکڑ نہ ہو سکے۔ مثلاً مسلمانوں سے خطاب کر کے کہتا تھا کہ یہ عجیب بات ہے، لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ واپس آئیں گے اور اگر کوئی کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ واپس آئیں گے تو لوگ اس بات کو جھوٹ سمجھتے ہیں۔ ... حالانکہ حضرت محمد ﷺ حضرت عیسیٰؑ کی بہ نسبت لوٹنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی بات مان لی اور لوگ اس موضوع پر مباحثہ کرنے لگے۔

ایک اور بات وہ لوگوں سے یہ کہتا تھا کہ گزشتہ زمانے میں ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا تھا اور حضرت محمد ﷺ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ جس طرح حضرت محمد خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے کہتا کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل نہیں کیا اور آپؐ کے وصی کا حق غصب کر کے امت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح وہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکا کر کے بغاوت پر آمادہ کرتا تھا۔ اس نے حضرت علیؓ کی حمایت میں اتنا غلو کیا کہ انہیں خدا کہنے لگا۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کے بعض متبعین کو جلوا دیا تھا۔“ ۶۶

اس طرح شیعہ کے یہاں جو عقائد مرتب ہوئے۔ ان کے مطابق ”امامت“ اصل ہے۔ شیعہ عقیدے کے مطابق امامت اس منصب کا نام ہے جو رسولؐ کی نیابت میں دینی اور دنیوی تنظیم کا واحد مرکز ہے۔ ان کے مطابق رسولؐ نے بحکم الہی حضرت علیؓ کو اپنا جانشین

یعنی امام اول مقرر فرمایا اور پھر منصب امامت حضرت علیؑ ہی کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ بارہویں امام تک جاری رہا، بارہویں امام کے بارے میں شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ وہ غائب ہو گئے ہیں اور آئندہ وقت مقررہ پر امام مہدی کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک امام معصوم اور تمام ظاہری اور باطنی علوم کا سرچشمہ ہے۔

تصوف اور شیعیت

تصوف کے اساسی عقائد جو یونانی فلسفے سے براہ راست مستعار ہیں، اپنی جگہ مسلم ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر عقائد و افکار جو عبداللہ بن سبا کے وضع کردہ ہیں اور جنہیں اس نے اور اس کے اعوان و انصار نے مسلمانوں کے درمیان سے ابھرنے والے مختلف سیاسی اور مذہبی گروہوں، بالخصوص شیعوں اور اس سے پھوٹ کر نکلنے والے دوسرے گروہوں کے درمیان جاری کر دیا تھا، وہ سب کے سب عقائد باطلہ بعینہ ان ہی صورتوں میں تصوف میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ تصوف اور شیعیت دونوں کے بہت سارے عقائد میں کامل یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً—

(۱) تصوف کے حاملین کے یہاں بھی شیعوں کی طرح تمام سلسلہ طریقت کا سرا حضرت علیؑ سے ملایا جاتا ہے۔ اور بزعم خود حضرت علیؑ کو علوم باطن کا سرچشمہ، مخزن اور علم بردار سمجھتے ہیں۔ انہیں اپنا پیشوا اور امام مانتے ہیں۔ شیعوں ہی کی طرح یہ صوفیہ بھی ان ہی بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔

(۲) شیعہ اور صوفیہ دونوں کے یہاں رسول کے دو مناصب ہوتے ہیں۔ ایک بہ حیثیت رسول دین کے ظاہری پہلو سے متعلق ہدایات اور احکامات بندوں تک پہنچانا اور دوسرا دین کے باطنی پہلو اور اسرار دین کے علوم سے صرف مخصوص اور نام زد شخص تک منتقل کرنا۔ چنانچہ ان کے مطابق آنحضورؐ نے دین کے ظاہری پہلو اور احکامات تو عام بندوں تک پہنچا دیے لیکن وہ مخصوص باطنی علوم جن کا تعلق اسرار دین سے ہے، صرف حضرت علیؑ کو منتقل کیے اور پھر یہ منتقلی کا سلسلہ حضرت علیؑ کی وساطت سے ان ہی کی نسل میں یکے

بعد دیگر دوسرے اماموں تک جاری رہا۔

(۳) شیعہ اور صوفیہ دونوں کے یہاں یہ عقیدہ مشترک ہے کہ قرآن و حدیث کے علاوہ بھی کچھ مخصوص علوم اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام اپنے ان اماموں کو بخشا کیا ہے۔ بلکہ صوفیہ تو ایک قدم اور بھی آگے بڑھاتے ہوئے یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ ان اماموں کے علاوہ دوسرے مشائخ اور اکابرین صوفیہ بھی ان مخصوص علوم سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی براہ راست جب چاہیں اللہ تعالیٰ سے کسب فیض کرتے رہتے ہیں۔

(۴) شیعہ اور صوفیہ دونوں کے یہاں یہ مشترک عقیدہ ہے کہ یہ ائمہ معصوم عن الخطا ہیں۔ وہ جو بھی ہدایات دیتے ہیں وہ دراصل من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی دی ہوئی ہدایات صحیح ہوتی ہیں اور ان کے اقوال و افعال کے لیے کسی سند کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ وہ خود ہی سند ہوتے ہیں۔ لہذا ان ہدایات و احکامات کو بے چوں و چرا تسلیم کرنا اور انہیں بجالانا متبعین کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

ان اماموں سے متعلق صوفیہ کی عقیدت کی چند مثالیں پیش ہیں: شیخ علی ہجویری حضرت علیؑ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

”حضرت علیؑ مصیبت کے دریا کے غریق اور محبت کی آگ کے حریق اور تمام

اولیاء اور اصفیاء کے مقتداء (ہیں)۔ آپ کی اس راستے میں بہت بڑی شان ہے اور بہت ہی بڑا درجہ ہے اور حقیقت کے اصول کی عبارتوں کی توضیح کرنے میں بے نظیر ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی شان میں حضرت جنید بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ اصول اور مصیبتوں میں علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ یعنی ہمارے امام معاملات اور طریقت کے علم میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں..... پس اہل طریقت کے لیے لازمی ہے کہ عبارات کی حقیقتوں اور اشارات کی باریکیوں اور دنیا اور آخرت کی تجرید اور خدا کی تقدیر سے نظارہ میں اس کی اقتدا کریں۔“ ۱۷۱

دوسرے امام حضرت حسنؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”آپ کی اس طریقہ میں نظر کامل تھی اور معنی کی عبارتوں کے دقائق میں آپ کو

حظ وافر ملا ہوا تھا۔“ ۱۷۲

”آپ کا علم اللہ عز وجل کی تعلیم سے ہے اور آپ کا محافظ اللہ عز وجل ہے اور آپ اللہ عز وجل کے حکم سے مخلوقات کے محافظ ہیں۔“ ۶۷

تیسرے امام حضرت حسینؑ کو خراج عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں:

”آپ شاندار اولیاء سے ہیں اور اہل کربلا کے قبلہ ہیں اور کربلا کے قاتل ہیں اور اہل طریقت ان کے حال کی درستی پر اتفاق رکھتے ہیں۔“ ۶۸

چوتھے امام حضرت زین العابدینؑ کی شان میں کہا گیا ہے:

”نبوت کے وارث اور امت کے چراغ اور سردار مظلوم اور امام مرحوم اور بندوں کی زینت اور اوتادوں کی شمع ہیں اور نیز تمام زمانہ کے لوگوں سے زیادہ عبادت کرنے والے ہیں۔ آپ حقائق کے کشف اور باریکیوں کے بیان کرنے میں مشہور ہیں۔“ ۶۹

پانچویں امام حضرت باقرؑ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

”آپ معاملات کی حجت اور ارباب مشاہدہ کے برہان اور نبیؐ کی اولاد کے امام اور علیؑ کی نسل سے برگزیدہ ہیں۔ آپ علوم کی باریکیوں اور خدا تعالیٰ کی کتاب کے لطیف اشاروں کے بیان کرنے میں مخصوص تھے۔ آپ کی کرامات مشہور ہیں۔“ ۷۰

چھٹے امام جعفر صادقؑ کو خراج عقیدت اس طرح پیش کیا گیا ہے:

”اور ان اہل بیت سے سنت کا یوسف اور طریقت کا جمال اور معرفت کا معتبر اور تصوف کا آراستہ کرنے والا... آپ بلند حال اور نیک سیرت ہوئے ہیں، نیز طریقت کے بیان میں آپ کی کتابیں مشہور ہیں۔“ ۷۱

خواجہ فرید الدین عطار نے تو اپنی کتاب کی ابتدا ہی امام جعفر صادق کے ذکر سے کی ہے اور بارہ اماموں سے اپنی دلی عقیدت کا اظہار جن الفاظ میں کیا ہے، وہ قابل دید ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”آپ کے مناقب اور کرامتوں کے متعلق جو کچھ بھی تحریر کیا جائے بہت کم ہے... آپ کا درجہ صحابہ کرام کے بعد ہی آتا ہے۔ لیکن اہل بیت میں شامل ہونے کی وجہ سے نہ صرف باب طریقت ہی میں آپ سے ارشادات منقول ہیں بلکہ

بہت ساری روایات بھی مروی ہیں۔... جو لوگ آپ کے طریقہ پر عمل پیرا ہیں، وہ بارہ اماموں کی طریقت کا قائم مقام ہے اور اگر صرف تنہا آپ ہی کے حالات و مناقب بیان کر دیے جائیں تو بارہ اماموں کے مناقب کا ذکر تصور کیا جائے گا۔ آپ نہ صرف مجموعہ کمالات اور پیشوائے طریقت کے مشائخ ہیں بلکہ ارباب ذوق اور عاشقان طریقت اور زاہدانِ عالی مقام کے مقتدا بھی ہیں۔ نیز آپ نے اپنی بہت سی تصانیف میں رازہائے طریقت کو بڑے اچھے پیرائے میں واضح فرمایا ہے۔“ ۷۸

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رقم طراز ہیں:

”حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت علیؑ وصال سے قبل اس مقام ولایت کے ملجا و ماویٰ تھے اور جس کسی کو اس طریقے سے فیض پہنچتا تھا، ان ہی کے توسط اور توسل سے پہنچتا تھا۔ جب علیؑ کا انتقال ہو گیا تو یہ بلند مرتبہ حضرات حسنینؑ کو بالترتیب حاصل ہوا۔ ان کے بعد بالترتیب بارہ اماموں کو پہنچتا رہا اور اس طرح ان بزرگوں کے وصال کے بعد جس کسی کو فیض پہنچتا ہے، ان ہی کے توسط سے پہنچتا ہے اور بعد ازاں جتنے بھی اقطاب اور نجباء وقت ہوئے ہیں، ان کے ملجا و ماویٰ بھی وہی ہوئے ہیں کیوں کہ اطراف کو لامحالہ مرکز سے ملنا ہی پڑتا ہے۔ تا آن کہ نوبت سید عبدالقادر جیلانی تک پہنچی اور یہ مرتبہ آپ کو مل گیا۔ بارہ اماموں اور حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی) کے درمیان کوئی شخص اس مرتبہ پر نہیں ہے۔ اب اس راستے سے فیوض و برکات جتنے اقطاب، نجباء اور ولیوں کو پہنچتی ہیں ان کے ذریعہ پہنچتی ہیں، کیوں کہ فیض کا یہ مرکز ان کے بغیر کسی کو نہیں ملا۔ اسی وجہ سے غوث پاک (عبدالقادر جیلانی) نے فرمایا کہ:

أفلت شمسوس الأولین وشمسنا أبداً على أفق العلى لا تغرب

(پہلے ولیوں کے سورج ڈوب گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ افق بلند پر رہے گا، جو کبھی نہ ڈوبے گا) ۷۹

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

”تمام صوفیہ کا نسلًا بعد نسل اس بات پر اتفاق چلا آرہا ہے کہ طریقت کے سارے سلسلے حضرت علیؑ کی طرف راجع ہیں۔“ ۰۷

شیخ احمد سرہندی وضاحت فرماتے ہیں:

”چوں کہ حضرت امیر (علیؑ) ولایت محمدیؐ کا بوجھ اٹھانے والے ہیں اس لیے اقطاب و ابدال و اوتاد کے مقام کی تربیت حضرت امیرؑ کی امداد و استعانت کے سپرد ہے۔“ ۱۷

مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء) فرماتے ہیں:

”صوفیہ اہل سنت بر قطبیت دوازہ امام متفق اند۔“ ۲۷

(اہل سنت صوفیہ بارہ اماموں کی قطبیت کے معاملے میں متفق ہیں)

اسی طرح شیعہ عقیدے سے مستعار قطبیت، مجددیت اور وصایت کا عقیدہ اور اس کی کارفرمائی آج بھی جاری و ساری ہے۔ بطور مثال صرف ایک اقتباس ”فیوض الحرمین“ سے پیش ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ ”عظمت“ کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور ”جبروت“ سے مشابہ ہیں اور آپؐ کی ذات اقدس حامل ہے بہت سی لافنتوں کی۔ اور یہ لافنتیں ایک تو خود آپ ﷺ کے ذاتی کمالات میں سے ہیں اور دوسرے جو مختلف استعدادوں کے لوگ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو ان کی ان استعدادوں کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ میں یہ لافنتیں موجود ہیں۔ چنانچہ اس مجلس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنی اجمالی مدد سے سرفراز فرمایا اور یہ اجمالی مد عبارت تھی مقام مجددیت، وصایت اور قطب ارشاد یہ سے یعنی آپ نے مجھے ان مناصب سے نوازا اور نیز مجھے شرف قبولیت عطا فرمایا اور امامت بخشی اور تصوف میں جو میرا مسلک ہے اور فقہ میں جو میرا مذہب ہے، ہر دو کو اصل اور فرع دونوں اعتبار سے راہ راست پر بتایا۔ لیکن سب کے لیے نہیں بلکہ صرف مخصوص لوگوں کے لیے جن کی فطرت میں تحقیق کا مادہ ہے۔“ ۳۷

اسی طرح شیعہوں ہی کی طرح شاہ ولی اللہ بھی حضرت علیؑ کو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ پر فوقیت دینے

کی کوشش میں دشمن اسلام عبداللہ بن سبا کا شیطانی فلسفہ اس طرح پیش کرتے ہیں:

”حضرت علیؑ اس امت کے پہلے صوفی، پہلے مجذوب اور پہلے عارف ہیں۔ اور یہ کمالات سوائے آپ کی ذات میں اور کسی میں نہیں اور اگر تھوڑے سے کسی میں ہیں بھی تو وہ محض نبیؐ کے طفیلی کی حیثیت سے۔“ ۴۷

غرض کہ شیعہوں ہی کی طرح صوفیہ ان ہی بارہ اماموں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حضرت علیؑ کو منصب امامت، وصایت اور ولایت پر فائز قرار دیتے ہیں۔ ان کو اول و آخر اور ظاہر و باطن جیسے الوہی صفات سے متصف کرتے ہیں۔ ان کو حامل علم لدنی باور کراتے ہیں۔ قطب، غوث، امامین، اوتاد، وغیرہ سے موسوم رجال الغیب کا عقیدہ شیعہوں ہی سے اخذ کردہ ہے۔ یہ سبھی اور اسی قسم کے تمام عقیدے دراصل عبداللہ بن سبا کے تراشیدہ اور وضع کردہ ہیں۔

کم و بیش یہی حال مسلمانوں کے درمیان سے ابھرنے والے دوسرے فرقوں کا بھی ہے جو یا تو شیعیت سے ٹوٹ کر وجود میں آئے یا پھر کسی اور وجہ سے۔ ان تمام گروہوں میں سے بیش تر کے یہاں بھی عبداللہ بن سبا اور اس کے متبعین اور پرچارک کی ڈالی ہوئی اسی طرح کی نجاستوں کی آلودگی پائی جاتی ہے بلکہ کسی معاملے میں کوئی دو ہاتھ آگے بھی نکل گیا ہے۔ مثلاً قرامطہ، امامیہ، اسماعیلیہ، باطنیہ، زیدیہ، مرجئہ وغیرہ۔ دراصل یہ سبھی فرقہ سبائیہ اور اس کے متبعین سے متاثر ہیں۔

صوفیہ کے عقائد میں ان فرقوں کے عقائد کی جھلک بھی صاف نظر آتی ہے۔

تصوف کو شیعیت سے قربت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ صوفیہ شیعہ ہی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں نیم شیعہ کہا گیا۔ چنانچہ جیسا کہ پچھلے صفحات میں تحریر کیا جا چاہے کہ سب سے پہلا شخص جسے ’الصوفی‘ کا لقب دیا گیا تھا، ایک شیعہ کیمیاگر جابر بن حیان تھا۔ ایک اور نامور صوفی ابو ہاشم بھی کوئی شیعہ تھا۔ صوفیہ کے ایک امام جس کا نام تاریخ میں عبدک الصوفی مشہور ہے، شیعہ امام تھا۔ مزید برآں ڈاکٹر محمد زکی لکھتے ہیں:

”چوں کہ صوفیہ اور ان کے اصولوں کا شیعیت سے بڑا گہرا تعلق ہے، اسی بنا پر

بعض شیعہ علماء کے نزدیک وہ تمام اکابر صوفیہ جنہیں عام طور پر سنی سمجھا جاتا

ہے، دراصل شیعہ تھے۔ مثلاً حضرت شقیق بلخی، ابراہیم بن ادہم، معروف کرخی، سری سقطی، بشر بن الحارث، ابو یزید بسطامی، شیخ جنید بغدادی، (ابوبکر) شبلی، حسین بن منصور حلاج، (محمی الدین) ابن عربی، شہاب الدین سہروردی، غزالی، نجم الدین کبریٰ، فرید الدین عطار، (جلال الدین محمد) رومی، حافظ شیرازی، علاء الدین سمنانی، میر سید علی ہمدانی، سید محمد نور بخش وغیرہم۔

یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ان میں سے اکثر مصلحتاً تقیہ کرتے تھے اور خود کو سنی ظاہر کرتے تھے اس لیے پہلے تین خلفاء کی تعریف بھی کر دیا کرتے تھے۔ لیکن بعض حضرات تو اس طرح تعریف کرتے تھے کہ سنی تو یہ سمجھتے کہ تعریف کی جارہی ہے

لیکن حقیقتاً ان خلفاء کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔“ ۷۵

”لیکن صوفیہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اگر تصوف کے حامی یہ بات مان لیں اور اس کا اظہار بھی کر دیں کہ سب سے پہلا صوفی ایک غالی شیعہ تھا اور تصوف دراصل ایک شیعہ تحریک تھی تو سنی حلقوں میں اس کا اعتبار ختم ہو جائے گا۔“ ۷۶ جبکہ صوفیہ کا اصل مقصد ہی یہ تھا اور اب بھی ہے کہ جو لوگ براہ راست شیعہ یا اسی قبیل کے دوسرے گروہوں میں جذب نہ ہو سکیں انہیں سابقہ حالت میں رہتے ہوئے ہی ان کے عقائد و افکار کو پراگندہ کر دیں۔

دیگر تمام مذاہب اور تصوف میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ خوارجیہ، شیعہ، امامیہ، اسماعیلیہ، زیدیہ، باطنیہ، قرامطہ، مرجہ وغیرہ فرقے وجود میں آنے کے بعد اور ان میں اسلام کے خلاف عقائد و افکار در آنے کی بنا پر اور ان کے علاحدہ تشخصات قائم ہو جانے کے بعد ان کے متبعین عام مسلمانوں سے خود بخود علاحدہ ہوتے چلے گئے یا عام مسلمانوں نے انہیں خود سے الگ کر دیا۔ اس طرح امت مسلمہ کی تطہیر کا کام ہوتا رہا۔ اسلام کے خلاف صف آرا سازشی ٹولے اسی پر اکتفا کب کر سکتے تھے۔ ان کے نشانے پر تو پوری امت مسلمہ تھی۔ وہ تو پوری امت مسلمہ ہی کو خلاف اسلام عقائد و افکار کی پراگندگی میں مبتلا کر دینا چاہتے تھے اور اس طرح الگ ہونے والے گروہوں کی شکل میں کچھ ٹھوڑے لوگ ہی انہیں مل پاتے تھے۔ لہذا گروہ صوفیہ کے ذریعہ عام مسلمانوں کے درمیان ان تمام خلاف اسلام عقائد و نظریات کی

ترویج و اشاعت کا کام لیا گیا۔ صوفیہ ایک طرف تو عام مسلمانوں ہی کے درمیان رہ کر اپنے آپ کو مسلمان باور کرانے کی کوششیں کرتے رہے، دوسری طرف مسلمانوں کے اندر ان تمام خلاف اسلام عقائد و افکار کی تعلیم و تشہیر کو اپنے اوپر لازم کر لیا جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یہاں تک کہ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا رہا ہے کہ یہ صوفیہ بظاہر شیعہ اور اسی قبیل کے دوسرے گروہوں کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور ان سے اپنی برأت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن اپنے وعظ و نصیحت اور ملفوظات و تصنیفات کے ذریعہ ان ہی کے وضع کردہ عقائد و نظریات کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ بڑی آسانی سے لوگ ان کے دام فریب کے اسیر ہوتے رہے ہیں۔

تمدنی ارتقا

ابراہیم بن ادہم

مسلمانوں کے درمیان تصوف کی تاریخ میں جس شخص کا نام سب سے پہلے آتا ہے وہ ہے ابراہیم بن ادہم (م ۱۶۱ھ/ ۷۷۸ء)۔ اس کی زندگی بدھ دھرم کے مؤسس گوتم بدھ کی زندگی کا چربہ اتار کر پیش کیا جاتا ہے۔ تصوف کی تاریخ میں اس شخص کے متعلق بکثرت قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً وہ اہل بلخ تھے، خراساں کے شاہوں میں سے تھے۔ لکڑیاں کاٹ کر لایا کرتے تھے۔ گوشہ نشینی انہیں محبوب تھی۔ ایک مرتبہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ان کا کتا ان کے ساتھ تھا۔ شکار کے دوران کسی لومڑی کے تعاقب میں جماعت سے دور جا پڑے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی: ”تمہیں اس لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔“ پھر میں نے توقف کیا، دائیں بائیں دیکھا، لیکن کوئی نظر نہ آیا تو میں نے کہا! ابلیس پر اللہ کی لعنت ہو! پھر میرے گھوڑے نے حرکت کی۔ پھر میں نے اسی کو تیز آواز میں سنی: ”یا ابراہیم! میں نے تم کو اس لیے پیدا نہیں

کیا ہے اور نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے۔“ پھر میں نے دائیں بائیں دیکھا، لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا۔ چنانچہ میں نے پھر کہا: اے ایلیس پر اللہ کی لعنت ہو۔ لیکن پھر گھوڑے نے حرکت کی اور پھر میں نے اپنے گھوڑے کے زین سے آواز سنی: ”یا ابراہیم! میں نے تم کو اس لیے پیدا نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کا حکم دیا ہے۔“ چنانچہ میں نے توقف کیا اور کہا: ”میں سمجھ گیا، میں سمجھ گیا۔“ اے اور پھر انہوں نے اپنی بادشاہات چھوڑ دی، جنگلوں کی راہ لی، دنیا اور علاقہ دنیا سے مطلق منقطع ہو گئے۔

ان کے متعلق ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی کہتے ہیں کہ ابراہیم کے والد ادہم اور اسی طرح ان کے ملوک خراساں ہونے کی بات کی کوئی بنیاد تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ اسی طرح سے ان کے بلخ سے عراق اور پھر شام کو جانے اور شام میں سکونت پذیر ہونے کی تاریخی شہادتیں نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ یہ سبھی باتیں زاہدوں یعنی صوفیوں کے بیانات سے منسوب ہیں۔ ۸۷۱ء اسی طرح ان کے متعلق یہ روایات بھی غلط ہیں کہ انہوں نے جنگل کی راہ لی اور دنیا سے منقطع ہو گئے بلکہ اس کے برخلاف ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی کے مطابق وہ تو جہاد تک میں شریک رہا کرتے تھے اور غزوے میں بکثرت شرکت کی بنا پر غازی ابراہیم کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک غزوے ہی میں ان کی موت واقع ہوئی۔ ۹۷۱ء

فضیل بن عیاض

اسی طرح دوسری بڑی شخصیت خراسان کے کبار اور اوائل مشائخ میں سے ابوعلی الفضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر اسمی پھر الیربوعی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی کے مطابق ان کے مقام تولد کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے مطابق ان کی جائے پیدائش قریہ مرو الشا جہاں ہے۔ مرو الشا جہاں خراسان میں ہے، جو خراسان اور نیشاپور کے درمیان ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ سمرقند میں پیدا ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بخارا میں پیدا ہوئے اور بخاری الاصل ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی نے ان باتوں کی دلیل کے لیے بہت ساری کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ مثلاً طبقات الصوفیہ از سلمیٰ، حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم،

صفوة الصفوة از ابن جوزی، تاریخ دمشق از ابن عساکر، تہذیب التہذیب از ابن حجر عسقلانی، وفیات الاعیان از ابن خلکان، شذرات الذہب از ابن المعاد، طبقات از شعرائی وغیرہ۔ ۸۰۷ء اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہے کہ فضیل بن عیاض کا میلان تشیع کی جانب تھا۔ ۸۱۷ء یہ تو تھا مسلمانوں کے درمیان صوفیہ کا اولین عہد جس کی اصلیت کافی حد تک پردہ خفا میں ہے۔ لیکن ڈھائی سو ہجری تک آتے آتے تصوف نے کافی وسعت اختیار کر لی اور اپنے اثر و رسوخ کو بھی خوب پھیلایا، یہاں تک کہ مسجدوں کے منبر تک پہنچا دیا گیا۔ اور پھر اس کے بعد وعظ و نصیحت اور تصنیف کے ذریعہ تصوف نے ہر چہار اطراف اپنے کمرشے اور کرامات دکھانے شروع کر دیے۔

دوسرے دور کے تصوف کے اساطین میں سے مشہور نام ذو النون مصری (م ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء)، جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/ ۹۱۰ء)، ابوبکر شبلی (م ۳۳۴ھ/ ۹۴۶ء)، حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ/ ۹۲۲ء) وغیرہ ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی کے الفاظ میں:

”ذو النون مصری تو امام وقت اور یگانہ روزگار تھے اور گروہ صوفیہ کے پیشوا تھے۔ تمام مشائخ کو ان کی طرف نسبت ہے۔ ہر چند کہ آپ سے قبل بھی بہت سے مشائخ گزرے ہیں لیکن یہ شرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ نے اشارات (تصوف و معرفت) کو عبارت کا لباس پہنایا اور تصوف کے رموز کی تشریح کی۔ حضرت ذو النون مصری سے پہلے ایسا کوئی نہیں کر سکا تھا۔ آپ کے بعد طبقہ دوم کے مشہور شیخ جنید بغدادی نے اس علم کو پھیلایا اور اس کو ترتیب دیا اور اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں۔ شیخ (ابوبکر) شبلی نے اس علم کو منبر پر لے جا کر ظاہر کر دیا۔“ ۸۲

یونس خاں ایڈووکیٹ کے مطابق:

”تصوف کی تدوین سب سے پہلے شیخ جنید بغدادی نے کی اور سب سے پہلے ابوبکر شبلی نے منبر پر بیان کیا۔ فنا اور وحدت الوجود کا اظہار سب سے پہلے بایزید بسطامی کی زبان سے ہوا۔ تصوف کی پہلی کتاب حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ/ ۸۵۷ء) نے بعنوان ”المرعایۃ فی الاخلاق والزہد“ کے نام سے لکھی۔۔۔

صوفیانہ تفسیر (سب سے پہلے) شیخ سہل بن عبداللہ تستری (۲۸۳ھ/۸۹۶ء) نے لکھی جس کا عنوان ”تفسیر القرآن العظیم“ ہے۔ ختم ولایت کا نظریہ سب سے پہلے شیخ محمد بن علی حکیم ترمذی (۳۲۰ھ/۹۳۲ء) نے پیش کیا۔“ ۸۳

صوفیہ نے جیسے جیسے پر پرزے نکالنے شروع کیے ویسے ویسے امت مسلمہ کی جانب سے ان کی مخالفتیں بھی تیز ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ان کی خبر لینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی۔ چنانچہ ذوالنون مصری کے تعلق سے مترجم ”نجات الانس“ شمس بریلوی لکھتے ہیں: ”شیخ سلمیٰ نیشاپوری اپنی کتاب ”کتاب المحن“ میں رقم طراز ہیں کہ جب حضرت ذوالنون مصری نے احوال معرفت و مقامات تصوف کو ظاہر کرنا شروع کیا تو رئیس اعظم مصر عبداللہ بن عبدالحکیم و شاگرد حضرت امام مالک نے ان کے اقوال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ انہوں نے ایک انوکھا اور عجیب علم ایجاد کیا ہے جو سلف الصالحین میں مروج نہ تھا۔“ ۸۴

منصور حلاج تک آتے آتے تصوف کے علم برداران تین طرح کے تھے۔ کچھ صوفیہ نے جن میں حسین بن منصور حلاج کا نام سرفہرست ہے، بڑی جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے کفر کا باضابطہ اعلان کر دیا، کچھ صوفیہ اپنے نظریات و عقائد کو دل میں چھپائے رکھتے اور صرف اپنے خاص رازداروں اور شاگردوں ہی سے ایسے نکات بیان کیا کرتے۔ ان میں زیادہ بڑا طبقہ ایسے صوفیوں پر مشتمل رہا جو زبان سے یہی کہتے رہے کہ خدا کے عاجز بندے اور رسول کے ادنیٰ خادم ہیں۔ لیکن ان کی عملی زندگی اس شہادت کے بالکل مخالف سمت میں بلکہ من مانی کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی اور اپنی اس من مانی کا رروائیوں کی دلیل ان کے پاس صرف یہ ہوتی کہ انہیں زندہ جاوید خدا نے ہر بات سے آگاہی فرمادی ہے۔

امت مسلمہ میں سے ہر کسی نے تصوف کو برا کہا۔ بہت سارے لوگ تصوف کے منکر رہے۔ علماء نے تصوف کی حقیقت سے کلی طور پر انکار کر دیا۔ تصوف کو ضلال مبین قرار دیا گیا اور صوفیہ کو کافر، مشرک، ملحد، زندیق، فسادی، ضال اور فریب خوردہ قرار دیا گیا۔ مثلاً حسین بن منصور حلاج کو قتل کر کے اسے جلاؤ الا گیا اور اس کی راکھ دریا میں پھینک دی گئی۔ ذوالنون مصری کو تاحیات اہل مصر زندیق کہتے رہے۔ ابوسلیمان دارانی دمشق سے نکالے گئے۔ احمد

بن الحواری سے متعلق لوگوں کو علم ہو گیا تو وہ ڈر کے مارے دمشق سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ حارث محاسبی کو جب احمد بن حنبل نے تنہا کر دیا تو وہ مرتے دم تک مارے ڈر کے غائب اور پوشیدہ رہے اور وفات کے بعد ان کے جنازے میں صرف چار اشخاص شریک تھے۔ بایزید بسطامی کو بسطام سے نکالا گیا۔ ابو حمزہ کو لوگوں نے زندیق کہا۔ ابوسعید خدری کو کافر قرار دیا گیا۔ سہل بن عبداللہ تستری کے اقوال کو عوام نے قبائح سے منسوب کیا اور اس پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ ابوالقاسم نصر آبادی کو لوگوں نے نیشاپور سے نکال دیا۔ عمرو بن عثمان مکی کو لوگوں نے مکہ سے باہر کر دیا۔ ابوبکر واسطی ستر شہروں سے شہر بدر کیے گئے۔ شیخ محمد بن علی حکیم ترمذی کو ترمذ سے نکالا گیا اور زندیق قرار دیا گیا۔ ابوحنفہ حداد زندیق مشہور تھے۔ شیخ اکبر مکی الدین ابن عربی کو جب معلوم ہو گیا کہ علماء ان کے خلاف ہو گئے ہیں تو انھوں نے چپکے سے راہ فرار اختیار کر لیا۔ شہاب الدین سہروردی کو صوفیانہ عقائد کی بنا پر قتل کر دیا گیا وغیرہ۔ ان حقائق کی تفصیلات گزشتہ باب ۱۱ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

صوفیہ چوں کہ ایک خاص مشن کے تحت مصروف کار تھے۔ وہ مشن تھا اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا۔ اس لیے اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے انہوں نے نہ صرف ہر طرح کی ذلتیں، سختیاں اور سزائیں برداشت کیں بلکہ ان سخت مرحلوں سے گزرتے ہوئے بھی ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ہر ممکنہ طریقوں کو استعمال کیا۔ انہوں نے سخت جاں فشانی کرتے ہوئے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور بالآخر تصوف کو اس کی منزل مقصود تک پہنچا کر دم لیا۔ صوفیہ نے تصوف کا دفاع اقدامی کوششوں کے ذریعہ کیا۔ چنانچہ ایک طرف انہیں کافر، مشرک، ملحد، زندیق وغیرہ کہا جاتا رہا تو دوسری طرف وہ تصوف کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوششیں کرتے رہے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی صفوں میں گردانتے ہی نہیں رہے بلکہ مسلمانوں میں بھی آگے بڑھ کر اپنے آپ کو اعلیٰ درجے کے متقی برگزیدہ اور خدا رسیدہ مسلمان ثابت کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ تصوف کو اسلام کا جزو، اسلام کا تکمیلی عنصر، حتیٰ کہ اصل اسلام باور کرانے کی حتی المقدور کوششیں بھی کرتے رہے۔

ان کی ان کوششوں کے باوجود اب تک تصوف کو اسلام میں جذب کرنے میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی تھی۔ گو کہ حارث محاسبی، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی وغیرہ جیسے اکابر

صوفیہ اس سلسلے میں انتہائی کوشاں رہے لیکن عام مسلمانوں پر مطلق اثرات نہ تھے، بلکہ عام مسلمان بدستور تصوف کو مردود اور ملعون ہی سمجھتے رہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے باضابطہ تصانیف کا ایک سلسلہ شروع کیا اور ان تصانیف کے ذریعہ حتی الامکان یہ کوششیں کی گئیں کہ کسی نہ کسی طرح تصوف کو عین اسلام بلکہ اصل اسلام ثابت کر دکھایا جائے۔ ابونصر سراج کی کتاب ”اللمع فی التصوف“ اور ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری کی کتاب ”رسالہ قشیریہ“ اس کی روشن مثالیں ہیں۔ لیکن ان حضرات کی کوششیں بھی خاطر خواہ بار آور ثابت نہیں ہوئیں۔

ان ہی حالات میں امام محمد غزالی کی پرفتن شخصیت منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ امام محمد غزالی نے تصوف اور اسلام کو شیر و شکر کرنے کا کارنامہ انتہائی چابک دستی اور عالمانہ اور فقیہانہ زور اور طنطنے کے ساتھ انجام دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف کو پہلی مرتبہ اسلام میں داخل ہونے کا موقع مل گیا جس کا سلسلہ هنوز جاری اور قائم ہی نہیں ہے بلکہ ان کی کتاب ”احیاء علوم الدین“ کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر دنیا کی ساری کتابیں بھی ختم ہو جائیں اور صرف ان کی یہ ایک کتاب باقی رہے تو صرف اسی ایک کتاب سے ان علوم کو از سر نو اٹھا کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

حالانکہ ”احیاء علوم الدین“ باطل اور وضعی احادیث اور واقعات و حکایات کا ایک کامل نمونہ ہے۔ البتہ آیات و احادیث کے پہلو بہ پہلو ان وضعی احادیث اور واقعات و حکایات کا جوڑ عام لوگوں کے لیے دھوکہ کا باعث ضرور بنتا ہے۔ بہر حال اس کتاب نے تصوف کو اسلام میں کس قدر ضم کیا اور کتنا نہیں، اس سے قطع نظر یہ حقیقت ہے کہ اس کی مخالفت بھی امت مسلمہ میں خوب ہوئی۔ اسے ہر زاویہ نگاہ سے پرکھا گیا اور اس کے برے اثرات اور برے نتائج سے علماء نے عام لوگوں کو ضرور آگاہ کیا۔

لیکن جو بیچ امام غزالی نے بویا تھا، اسے مفید گردانا گیا۔ چنانچہ صوفیہ نے اس طریقہ پیش کش کو اپنے لیے مشعل راہ بنا لیا۔ یہاں تک کہ امام ربانی مجدد الف ثانی اور عالم ربانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی اس نسخہ تیر بہدف کو استعمال میں لانا مفید سمجھتے ہوئے اسی طرح کی کوششوں میں مصروف رہے اور نوبت یہاں تک پہنچادی گئی کہ بالآخر تصوف پر

تقویٰ و احسان کا لیلیل لگا کر اور قرآن و حدیث سے دلائل فراہم کر کے اسلام میں ضم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اب تصوف کے بغیر اسلام ہی نامکمل تصور کیا جانے لگا اور امام ربانی اور عالم ربانی جیسی عبقری شخصیتوں کی سرپرستی میں تصوف کا جادو مسلمانوں کے سر چڑھ کر بولنے لگا۔ وہ اپنی مجددیت، وصایت، قطبیت اور امامت کے دعوے کے ساتھ امت مسلمہ کے پیشوا اور سرخیل بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری امت اب ان کی مٹھی میں آگئی اور آج امت مسلمہ میں ان صوفیہ کی مجددیت، وصایت، قطبیت وغیرہ سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

کسی بھی عقیدہ و نظریہ اور طریقہ و عمل کو حلال ٹھہرانے کا ایک مجرب اور کارگر نسخہ لفظ ”اسلامی“ بھی ہے۔ اس کیمیا اثر نسخہ ”اسلامی“ کو تو موجودہ دور میں خوب خوب اسلام کیا گیا ہے۔ مثلاً اس وقت جمہوریت کو ”اسلامی جمہوریت“ کی صورت میں تمام مسلمانوں کے لیے صرف قابل قبول ہی نہیں بنادیا گیا ہے بلکہ اسے ان کے ایمان کا ایک لازمی جزو بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ لفظ اسلامی کے تقدس سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اس طرح کسی بھی چیز کے ساتھ لفظ ”اسلامی“ کا سابقہ اسے تقدس عطا کر دیتا ہے۔ چنانچہ آج مسلمانوں میں اسلامی جمہوریت سے ایسا والہانہ عشق پیدا کر دیا گیا ہے کہ اسلام کو پس پشت ڈال کر اس اسلامی نامی جمہوریت کی ہر کوئی دہائی دیتا نظر آتا ہے اور لوگ اس کی ترویج و اشاعت اور تنصیب و وسعت کو دینی فریضہ سمجھ کر اس کے قیام و استحکام کی بھرپور کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔

صوفیہ اور ان کے ہوا خواہوں نے بھی اس نسخہ کیمیا اثر کو خوب خوب استعمال کیا، یہاں تک کہ اب تو کوئی بھی دانش ور اسلامی تصوف ہی کی بات کرتا ہے اور غیر اسلامی تصوف ان کے نزدیک مطلق قابل قبول نہیں ہے۔ اس طرح تصوف کے وہ تمام عقائد و افکار اور طریقہ و عمل ان کے مطابق درست، حلال اور عین اسلامی قرار پا جاتے ہیں جو صدیوں سے چلے آرہے ہیں، جبکہ اس میں اسلامی کا سابقہ بھی نہیں لگا تھا اور تصوف میں اسلامی کے سابقے کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلم معاشرے میں کفر، شرک، زندقیت وغیرہ کی علامت تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ صوفیہ اور ان کے ہوا خواہوں نے تصوف کے کسی عقیدہ و فکر یا طریقہ و عمل کو اسلامی نہ بنا کر محض تصوف کے آگے لفظ ”اسلامی“ کا اضافہ کافی سمجھا۔ اس لیے کہ

عوام تو عوام خواص نے بھی جہاں لفظ ”اسلامی“ دیکھا اور سرگنوں ہو جاتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ بھلا اسلامی تصوف سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح ذوالنون مصری اور جنید بغدادی جیسے تصوف کے اولین اساطین سے لے کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے تبعین کے تمام سلسلوں کے مرتب کردہ عقائد و افکار اور طریقہ عمل نہ صرف حلال ہو کر رہ گئے بلکہ عین عبادت متصور ہیں اور کامیابی کا واحد ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے بالکل درست فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”تصوف کے ان چاروں دوروں میں جو بھی اہل کمال بزرگ گزرے ہیں وہ اپنے ظاہری اعمال و احوال میں الگ نظر آتے ہیں، لیکن جہاں تک ان کی اصل کا تعلق ہے میرے نزدیک وہ سب ایک ہیں۔“ ۸۵ اور آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہیں:

”تصوف کے سب طریقوں کے بزرگوں اور ارباب ارشاد کی غالب اکثریت یقیناً اس امر پر پورا اتفاق رکھتی ہے کہ طریقت کی اصل ایک ہے۔ گواہ طریق کے سلوک کی راہیں الگ الگ ہو گئی ہیں۔ طریقت کی یہ اصل جس سے آگے چل کر جملہ طرق تصوف نکلے، سید الطائفہ جنید بغدادی کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے کہ حضرت جنید ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے تصوف کے اکثر قواعد و قوانین کو مدون کیا۔ چنانچہ موصوف کے زمانے میں جو بھی اہل تصوف تھے ان سب نے اپنے سلوک کی نسبت حضرت جنید سے ٹھیک کی تھی۔ سچ پوچھئے تو طریقہ کا جو بھی سلسلہ اس وقت موجود ہے، اس کا اصل سرچشمہ حضرت جنید ہی کی ذات گرامی ہے۔“ ۸۶

چنانچہ اب وہی تصوف جو جنید بغدادی سے لے کر اب تک چلا آ رہا ہے، اسلامی کے سابقہ کے ساتھ ”اسلامی تصوف“ کی صورت میں ناقابل انکار مذہب تصور کیا جانے لگا اور اس ”اسلامی تصوف“ یا اس کے کسی جزو کا انکار دراصل اسلام کے انکار کے مترادف سمجھا جانے لگا ہے۔

صوفیہ اور ان کے ہوا خواہوں نے امت مسلمہ کو یہ ہمیشہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے

کہ تصوف عین اسلام ہے بلکہ اس کا تکمیلی شعبہ ہے۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اسے اسلامی جزو مان لینے کے بعد اس کو دیکھنے اور اسے جاننے کا جو انداز نظر رہا ہے، وہ انداز نظر وہ نہیں ہے جو غیر اسلامی مذاہب سے متعلق ہوا کرتا ہے۔ لہذا، بعض لوگوں نے تصوف کے بہت سارے اجزاء اور معاملات پر تنقیدیں بھی کی ہیں اور ان کی قباحت، شاعت اور نجاست کا اقرار و اظہار بھی کیا ہے، اس کے کافرانہ اور مشرکانہ عقائد و افکار کو عیاں بھی کیا ہے اور اس کے اعمال اور طریقوں کو خلاف اسلام بھی بتایا ہے، اس کے باوجود نہ تو نفس تصوف سے انہیں انکار ہے اور نہ ہی اس کے کسی جزو سے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ خرابیاں اس کے اندر باہر سے در آنے کے سبب پیدا ہو گئی ہیں، جن کی اصلاح کی ضرورت ہے تاکہ اس کی صحیح اسلامی شکل و ہیئت نکھر کر سامنے آ سکے۔

تصوف کو عین اسلام یا اسلام کا تکمیل جزو یا شعبہ قرار دینے کی کئی وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ صوفیہ اور ان کے اعموان و انصار کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ تصوف کی اصل حقیقت پردہ خفا میں رہے، مسلمانوں کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ غیروں سے درآمد شدہ کوئی چیز ہے تاکہ اس طرح ان کے لیے مسلمانوں کے درمیان رہ کر اور ان کے خیر خواہ بن کر انہیں مذہب تصوف کو مسلمانوں کے درمیان وسعت دینے میں مددگار ثابت ہو۔ دوسری وجہ یہ کہ اس سے خود صوفیہ اور ان کے ہوا خواہوں کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اس طرح ان پر کوئی حرف نہ آ سکے اور کوئی انہیں یہ نہ کہہ سکے کہ یہ غیر ہیں جو مسلمانوں کے درمیان گھس آئے ہیں۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ صوفیہ نے بتدریج اسے اسلام میں داخل کرنے کی ایک طویل المدتی منصوبہ بندی کو عمل میں لایا ہے۔ پہلے تو مخالفت شدید ہوا کرتی تھی، چنانچہ ان مخالفتوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے انہوں نے قرآن و احادیث کا بے جا سہارا لیا۔ قرآن کی آیات کی غلط تعبیر و توجیہ پیش کر کے، بے بنیاد تاویلات کا سہارا لے کر حتیٰ کہ الفاظ و اصطلاحات کے غلط معنی و مطالب پیش کر کے معنوی تحریفات و تصرفات کی مدد سے اور جھوٹی اور وضعی احادیث کا پرچار کر کے اسے بہر صورت درست قرار دینے کی کوششیں ان کے اس طویل المدتی منصوبے کا حصہ رہی ہیں۔ یہاں تک کہ آیات و احادیث کی باطنی معنویت کی گنجائش نے

انہیں کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ کسی بھی لفظ، اصطلاح، حکم اور ہدایت کے تعلق سے جو چاہیں اور جیسا کچھ چاہیں بیان فرمادیں۔

تصوف کے حامیوں اور صوفیہ کے ہوا خواہوں نے کئی طرح سے تصوف کو حق بجانب قرار دینے اور صوفیہ کو اسلام کے نمائندے کی حیثیت دینے کی کوششیں کی ہیں۔ مثلاً ان کے خیال میں صوفیوں کا کوئی عقیدہ یا عمل ان کی نظر میں حد سے تجاوز کرتا نظر آتا ہے یا کسی عقیدہ و عمل پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے سے وہ قاصر نظر آتے ہیں تو فوراً یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تصوف کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے اچھی قسم کو چھانٹ کر الگ کیا جاسکتا ہے اور باقی کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ حالاں کہ مذکورہ مباحث اس بات کے بین ثبوت ہیں کہ از اول تا آخر تمام صوفیہ کے یہاں اسلام مخالف عقائد و نظریات اور افکار و خیالات اور ان کے اظہار اور انطباق میں ایک ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ ان کے اوراد و وظائف، اشغال و ریاضات کے برتنے میں کچھ فرق ضرور ہے۔ لیکن اس طرح کی چیزیں فروع کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان سے تصوف کی اساس اور اس کی ہیئت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ پھر یہ کہ مذہب تصوف کے نمائندے کی حیثیت سے ان ہی تمام اکابرین صوفیہ کو صحیح تصوف کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور ان ہی سے صحیح تصوف اخذ کرتے ہیں جن کے مذموم اور مردود، ملفوظات، تصنیفات، ہدایات، معاملات، واقعات اور کیفیات کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ط فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ۝ (البقرة: ۷۹)

(ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ہوا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت۔)

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝ (ال عمران: ۸۵)

(اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔)

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ (النساء: ۱۴)

(اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا، اسے اللہ تعالیٰ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہے۔)



خلاصہ بحث

صوفیہ نے تصوف کی شکل میں اسلام مخالف تحریک کی بنا ڈالی ہے۔ ان کا مقصد اسلام کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اسلام کو مکمل طور پر منہدم کر دینا اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا رہا ہے۔ چنانچہ صوفیہ کی ہر ممکن یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کے تمام عقائد و نظریات، اصول و بنیاد اور ارکان و اعمال کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی پیش کردہ عبادات و معاملات اور شریعت مطہرہ کے متعین کردہ خاندان، معاشرہ، معیشت، سیاست اور تمدن کے اصول و قوانین کے سمت مخالف عقائد و نظریات، اصول و بنیاد اور نظام عمل و عبادات و معاملات وضع کر کے اسلام کے متبادل کے طور پر پیش کر دیا جائے۔

چنانچہ صوفیہ نے سب سے زیادہ عقیدہ توحید پر ضرب لگائی ہے۔ اس لیے کہ اسی کے منہدم ہو جانے سے سارا اسلام خود بخود زمین بوس ہو سکتا ہے۔ صوفیہ نے یہ عقیدہ وضع کیا کہ اللہ صرف ایک نہیں ہے بلکہ ایک وسیع و عریض کائنات میں پھیلے ہوئے جتنے بھی موجودات ہیں، سب کے سب خدا ہیں۔ خدا کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ان کا کلمہ لا الہ الا اللہ (نہیں کوئی الا سوا اللہ کے) نہیں ہے بلکہ اس کلمے کو انہوں نے الٹ کر لا موجود الا اللہ (اللہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے) قرار دے لیا، ان کے خیال کے مطابق خدا اور بندہ، خالق اور مخلوق اور رب اور مرہوب دونوں کو جدا جدا تسلیم کرنا دوئی یعنی ثنویت کا اقرار کرنا ہے اور یہ ان کے عقیدے کے مطابق شرک ہے۔ اور سمجھوں کہ خدا تسلیم کرنا ان کے نزدیک توحید ہے۔ اس طرح صوفیہ نے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کو الٹ کر رکھ دیا اور شرک کو توحید اور توحید کو شرک بنا کر پیش کر دیا، کلمہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود اسی عقیدہ قبیحہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

صوفیہ کے عقیدہ کے مطابق چوں کہ تمام ہی مخلوقات خدا ہیں اور انسان بھی چوں کہ ان

ہی میں سے ایک مخلوق ہے، لہذا، انسان کو بھی خدا قرار دے دیا گیا۔ یہاں تک کہ اکابرین صوفیہ نے اپنے آپ کو بلا جھجک خدا کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ صوفیہ نے کفر کو درست ہی نہیں بلکہ واجب تک قرار دے دیا اور فرعون کے دعویٰ خدائی کو برحق ٹھہرانے سے بھی نہ چو کے۔ اس کے ساتھ ہی حلول و اتحاد کا عقیدہ بھی پیش کر ڈالا یعنی یا تو خدا ان کے اندر حلول کر جاتا ہے یا پھر یہ خود صعود کر کے خدا کی ذات میں ضم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ منصور حلاج کے عقیدہ حلول کی حمایت اور وکالت کرنا تمام صوفیہ اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں جو ان عقائد کا بباگ دہل اعلان کرتا تھا اور اپنے آپ کو کافر کہتا تھا بلکہ اپنے لیے کفر کو واجب قرار دیتا تھا۔ صوفیہ یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں شرک کے عقیدے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام صفات میں بھی مشرکانہ عقائد کی ترویج و اشاعت کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم و اقتدار، تخلیق و ابداع، مارنے اور جلانے، حاضر و ناظر ہونے، اس کے علم غیب اور رزاقیت و ربوبیت وغیرہ بہت ساری صفات میں دوسروں کو بھی شریک گردانتے ہیں۔

صوفیہ نے رجال الغیب کا عقیدہ بھی وضع کیا ہے۔ ان کے مطابق یہ رجال الغیب مختلف شعبہ ہائے عوالم کے نظم و انصرام پر مامور اور متصرف ہوتے ہیں۔ یہ رجال الغیب بہتیرے خدائی صفات سے متصف قرار دیے جاتے ہیں۔

صوفیہ کے عقیدے کے مطابق کامل صوفیہ مکرر نابود نہیں ہوتے ہیں بلکہ کامل جوہر ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد اپنی قبروں ہی میں اپنی دنیاوی زندگی سے زیادہ کائنات اور عوالم پر مقتدر اور متصرف ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے وضع کردہ ان ہی عقائد کے مطابق مزارات مرجع خلائق ہیں اور لوگ مزارات کی قدم بوسی اور سجدہ ریزی کے ذریعہ اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا متصور کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال باطل جن مزارات سے لوگوں کی ساری امیدیں برآتی ہوں اور ان کی بگڑی بن سکتی ہو، ان کی اہمیت اور برکت کے پیش نظر مزاروں کو پختہ بنانا، انہیں سجانا، ان پر چراغاں کرنا اور ان پر چادریں چڑھانا بھی ان مزاروں کے اندر رہنے والوں کے لیے ضروری قرار دینا فطری امر سمجھا گیا اور انہیں جگانے، اپنی طرف ملتفت کرنے اور اپنی فریاد پیش کرنے کے لیے دل سوز نغمے اور رقص و سرود کو بھی اہم قرار دیا گیا۔

کلمہ طیبہ کے اول جز ولا الہ الا اللہ کی تخریب کے ساتھ ہی ساتھ صوفیہ نے کلمہ کے دوسرے جز و محمد رسول اللہ کے عقیدہ و نظریہ کو بھی منہدم کر دینے کی اپنی سی بھرپور کوششیں کر ڈالی ہیں۔ آنحضور ﷺ کی عبدیت اور رسالت کے عقائد میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں۔ صوفیہ کبھی تو حقیقت محمدی اور مظہر محمدی کی حیثیت میں آنحضور ﷺ کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ انہیں الوہیت کے مقام پر فائز کر دیتے ہیں اور خدا سے ملا دیتے ہیں اور کبھی تو ان کو اس قدر نیچے لے آتے ہیں کہ عام انسانوں سے بھی ان کا مرتبہ فروتر ہو جاتا ہے اور رسالت کو ہنسی کھیل اور تفریح طبع کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ان کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں اور ان پر طعن و تضحیک سے بھی نہیں چوکتے۔

صوفیہ، رسول ﷺ کی رسالت سے اپنے آپ کو مستغنی قرار دیتے ہیں۔ خود اپنی ذات سے یا اکابر صوفیہ کے کشف والہام سے حاصل ہونے والی معرفت کو اصل اور حقیقت قرار دیتے ہوئے قرآن و سنت سے برأت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ قرآن و سنت کے علم کو اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو اندھوں کی شریعت قرار دے کر اس کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں۔

قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کرتے ہیں اور معنوی تحریفات اور تصرفات سے کام لیتے ہوئے اپنے عقائد و افکار اور اعمال و اشغال وضع کرنے میں ید طولی رکھتے ہیں۔ وضعی احادیث کو اپنے عقائد و افکار اور اعمال و اشغال کے لیے بطور سند و جواز پیش کرتے ہیں۔ جب وہ حدیثیں وضع کرنے میں اپنی مشاقی کا ثبوت دیتے ہیں تو دوسرے واقعات و حکایات اور احوال و کرامات کے معاملے میں کیا کیا گل کھلا سکتے ہیں اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ ان کے عقیدے کے مطابق علم کی دو قسمیں ہیں — ظاہری اور باطنی۔ ظاہری علم تو قرآن و سنت کا علم ہے اور باطنی علم صوفیہ ہی کا حصہ ہے۔ اس باطنی علم کے ذریعہ صوفیہ اصل علم کو جیسا چاہیں توڑ مروڑ سکتے ہیں اور حسب مرضی تاویل و تمہین کر سکتے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ عورتیں ہے یا عورتوں کی صورت میں عیاں ہوتے ہیں۔ ملائکہ نہ صرف اکابر صوفیہ سے علم حاصل کرتے ہیں بلکہ وہ ان کے احکامات اور ان کی مرضیات کے تابع بھی ہوتے ہیں۔

آخرت سے متعلق ان کے عقائد یہ ہیں کہ جنت اور دوزخ دونوں ہی عیش کی جگہ ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صوفیہ کو ان دونوں سے غرض نہیں ہوتا ہے۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ نہ وہ جنت کی تمنا کرے اور نہ ہی اس کے حصول کی کوشش۔ ٹھیک اسی طرح وہ نہ تو دوزخ سے خوف زدہ ہو اور نہ ہی اس سے بچنے کی سوچے۔ اس لیے کہ جنت اور اس کی نعمتوں میں ان کے لیے کوئی دلچسپی اور راحت نہیں ہے۔ اسی طرح جہنم کی آگ بھی ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ اس سے بھی تیز عشق کی آگ میں جلتے ہیں اور جلنا پسند کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ جہنم کی کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے کہ اس کی پروا کی جائے کیوں کہ صوفیہ بالخصوص ان کے اکابرین تو بس ایک پھونک میں ہی جہنم کو سرد کر کے رکھ دیں گے۔ بعض صوفیہ کو تو جنت سے وحشت ہوتی ہے اور دوزخ کی آرزو کرتے ہیں۔ غرض کہ وہ فکر آخرت سے مستغنی ہوتے ہیں اس لیے کہ ان کا مقصد فنا فی اللہ ہونا ہوتا ہے، وصل خداوندی ان کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں انہیں جنت اور جہنم سے کیا لینا دینا ہو سکتا ہے۔

صوفیہ ایک طرف تو ارکان اسلام کو اہمیت ہی نہیں دیتے ہیں۔ صبح کی تسبیحات کو فرض نمازوں کے مقابلے میں زیادہ مفید بتاتے ہیں تو دوسری طرف کم سے کم چار سو رکعات نفل نمازیں ضرور پوری کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے طرح طرح کی نمازیں ایجاد کر رکھی ہیں اور ان مختلف قسم کی نمازوں کے ساتھ ساتھ انواع و اقسام کے اوراد و وظائف کا نظام بھی قائم کر رکھا ہے، جن میں سے کئی ورد تو ایسے بھی ہیں جنہیں محض زبان سے ادا نہیں کرتے بلکہ ان اوراد کے ضرب لگائے جاتے ہیں۔ یہ ضربیں بھی مختلف ہاؤ ہو کے انداز میں ہوا کرتی ہیں۔ روزوں کی انہیں ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو مسلسل کئی کئی دنوں، کئی کئی مہینوں اور سالوں بغیر کھائے پئے رہنے کی مشق کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے یہاں عبادت نہیں بلکہ ریاضتیں ہیں۔ حج کرنے کی صوفیہ کو ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود خانہ کعبہ ان صوفیہ کے پاس آکر ان کا حج اور زیارت کر جاتا ہے اور اگر کسی نے حج کی ضرورت محسوس بھی کی گو کہ ایسا کم ہی ہوتا ہے تو اپنے پیر کے مزار کا طواف کر لینا ان کے لیے کفایت کر جاتا ہے۔ صوفیہ کے یہاں یہ اصول کارفرما ہے کہ — ”حج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو۔“

صوفیہ کے یہاں عبادتوں کی جگہ ریاضتیں ہیں — یہ ریاضتیں چار طرح کی ہوتی ہیں — ترک طعام، ترک منام، ترک کلام اور ترک مع الانام۔ ان چاروں چیزوں کو تصوف کے ارکان اور اس کی اصل قرار دیا جاتا ہے۔

تصوف عبارت ہے ترک دنیا اور آخرت سے بلکہ دنیا اور آخرت ہردو میں سے کسی کا خیال تک آنا بھی تصوف کے لیے سم قاتل ہے۔ صوفیہ کے یہاں سخت ریاضات کی شکل میں حقوق انفس ہی کو دبا کر رکھا نہیں جاتا ہے اور حقوق اللہ کی ادائیگی ہی سے دامن بچایا نہیں جاتا ہے بلکہ حقوق العباد کی ادائیگی سے بھی برأت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تاہل کی جگہ تجرد کی زندگی ان کے لیے قابل ترجیح ہی نہیں ہے بلکہ بیوی بچے کو عشق خداوندی کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ تصور کیا جاتا ہے۔ رزق حلال کی تگ و دو ان کے یہاں ناجائز قرار پاتی ہے۔ البتہ حرام سے انہیں انکار نہیں ہے، اگر وہ انہیں بغیر محنت اور بغیر کسی کوشش کے حاصل ہوں۔

علم بھی تصوف کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ ہے۔ علم سے مراد قرآن و سنت کا علم ہے۔ ورنہ صوفیہ کے اپنے وضع کردہ علوم جو بذریعہ کشف والہام انہیں حاصل ہوتے ہیں نہ صرف یہ کہ تصوف کی راہ میں ضروری ہیں بلکہ انہیں دیگر علوم کے مقابلے میں اصل اور حقیقی علوم قرار دیتے ہیں۔ قرآن و سنت کے علوم کو مردوں کا علم قرار دے کر ان کی تحقیق و تذلیل کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ وہ براہ راست خدا سے جب چاہتے ہیں اور جب ضرورت محسوس کرتے ہیں کسب فیض کر لیتے ہیں۔ قرآن و سنت کے علم کو حجاب قرار دیتے ہیں اور وصل خداوندی کی راہ میں رکاوٹ۔

صوفیہ اپنے ان کشفی اور الہامی علوم کی بدولت بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کے دعوے دار ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ آسمان میں اڑنا اور پانی کی سطح پر چلنا تو معمولی کرامات ہیں، وہ تو ہوا کے دوش پر اور سطح آب پر مصلیٰ بچھا کر نماز تک ادا کر لیتے ہیں، شیر جیسے خون خوار جانور بھی ان کے لیے رام ہوتے ہیں اور ان کے سامنے ذرا گستاخی نہیں کر سکتے ورنہ ان کے کان تک مسئلے جاسکتے ہیں۔ صوفیہ کے مطابق یہ ان کے علوم ہی کا فیض ہے کہ وہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پنچشم سر آسانی سے دیکھ لیتے ہیں، ملائعہ اعلیٰ کی سیر کر لیتے ہیں، وہاں کی خبروں سے مطلع ہو جاتے ہیں، جب چاہتے ہیں انبیاء، اولیاء اور

دیگر لوگوں کی روحوں سے ملاقات کر لیتے ہیں، ان سے ہم کلام ہو لیتے ہیں، ان سے ہدایات اخذ کر لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ سلسلہ صرف دنیاوی زندگی تک ہی جاری نہیں رہتا ہے بلکہ ان علوم کی برکتوں کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے بلکہ اور بھی دوا آتش ہو جاتا ہے جس سے یہ طرح طرح کے فوائد حاصل کرتے رہتے ہیں۔

صوفیہ کا نصب العین وصل خداوندی ہے۔ خدا سے واصل ہونے، اس کی ذات میں ضم ہونے اور اس کی ذات میں فنا ہونے ہی میں ان کے خیال میں ان کی کامیابی ہے۔ خدا کی ذات میں فنا ہو کر ہی وہ باقی باللہ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کی زندگی کا مقصد عبادت خداوندی اور رضائے الہی نہیں ہوتا بلکہ وہ خدا سے عشق کرتے ہیں اور اپنے عشق و سرمستی کے اظہار کے لیے وجد و سماع اور رقص و نغمہ کو ذریعہ بناتے ہیں۔

اس عشق کی راہ میں اصل شیخ کی شخصیت ہوتی ہے۔ صوفیہ کے یہاں شیخ کا مقام خدا سے بھی بلند تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے شیخ کے وہ ایسے والہ و شیدا ہوتے ہیں کہ اس کے تصور میں وہ ہمہ وقت کھوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے خدا کو بھی وہ اس وقت تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے جب تک خدا بھی ان کے شیخ ہی کی صورت میں نمودار نہ ہو۔ حتیٰ کہ خدا کو دیکھنا تک انہیں گوارا بھی نہیں ہے، کیوں کہ شیخ کا دیدار خدا کے دیدار سے ستر گنا زیادہ بہتر قرار دیا جاتا ہے۔

صوفی اور تصوف یونانی الفاظ ہیں۔ یونانی علوم کے نام پر براہ راست حکومت کی سرپرستی میں ”بیت الحکمت“ جیسے اداروں نے بہت ساری خرافات کو مسلمانوں کے درمیان رائج کر دیے۔ ان میں سے ایک بڑا کارنامہ تصوف کی بنیاد ڈالنا اور اس کی ترویج و اشاعت کی سعی پلید ہے۔ ڈیرھ سو ہجری سے قبل یعنی جب تک یونانی علوم مسلمانوں کے درمیان در نہیں آئے تھے اس وقت تک پوری ملت اسلامیہ ان دونوں ہی الفاظ سے قطعاً ناواقف تھی۔ لفظ ”صوفی“ من وعن اپنے یونانی تلفظ میں مستعمل ہے۔ اس لیے کہ اس کا تلفظ عربی داں کے لیے کسی دشواری کا باعث نہ تھا۔ البتہ لفظ ”تصوف“ یونانی لفظ ”تھیوسوفی“ (Theosophy) کا معرب ہے۔

علم ”تصوف“ نے آگے چل کر باضابطہ فلسفہ یعنی فلاسفی (Philosophy) کا روپ

دھار لیا اور متصوف فلسفی یعنی فلاسفر (Philosopher) کہلائے۔ اس فلسفہ (Philosophy) نے اپنی کئی شاخیں پیدا کیں ان میں سب سے اہم اور نمائندہ شاخ تھیوسوفی (Theosophy) ہے۔

تصوف یعنی Theosophy روحانی وجدان اور تصورات کے ذریعہ خدا کے علم کے حصول سے عبارت ہے۔

تصوف کے حاملین کے لیے لفظ صوفی (Sophy) مختص ہو کر رہ گیا۔ عربوں نے صوفی کے متبادل کے طور پر لفظ حکیم بھی بکثرت استعمال کیا ہے۔

صوفیہ اور ان کے ہواخواہوں نے اس صاف اور واضح حقائق کو ہر ممکن چھپانے کی کوششیں کی ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ وہ ہر ممکن یہ کوششیں کرتے رہے ہیں کہ لفظ ”صوفی“ کو کسی نہ کسی طرح کسی بھی عربی لفظ یا مادہ سے مشتق ثابت کر دکھایا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے صفوۃ، صفا، صفہ، صوفہ، صوفانہ اور صوف وغیرہ مصادر کو تحتہ مشق بنایا گیا۔ گوکہ اس معاملے میں ہنوز انہیں ناکامی ہی رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے حقیقت کا اعتراف نہ کیا ہے اور نہ کرتے نظر آتے ہیں اور خال خال لوگوں کی اس تعلق سے حقیقت بیانی کو خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ اس لیے کہ حقائق کا اعتراف اور اظہار کرنے کے معنی ہیں کہ تصوف کو مسلمانوں کا پیدا کردہ سلوک و طریقت کے جھوٹے دعوے کی پردہ دری ہو جائے گی اور نتیجے کے طور پر عمارت تصوف یک لخت زمین بوس ہو جائے گی۔

لفظ صوفی کے اشتقاق کی بحث سے تو تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ لفظ تصوف کے اشتقاق کی بات نہیں کے برابر ہے۔ بس یہ مفروضہ چلا آ رہا ہے کہ تصوف کے حامل صوفی ہوتے ہیں۔

گوکہ تصوف مسلمانوں میں یونانی علوم کی منتقلی کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ لیکن بہت جلد اس نے اپنے اندر دنیا کے بیش تر مذاہب سے بھی عقائد و افکار لے کر اپنے دامن کو وسعت دی۔ چنانچہ عیسائیوں، زرتشتیوں، ایرانیوں، بدھوں، ہندوؤں، جوگیوں وغیرہ کے عقائد و افکار کو ہو بہو قبول کیا اور اپنے اندر ضم کر لیا ہے۔

مسلمانوں کے درمیان صوفی کے لقب سے اول مشہور ہونے والے لوگ شیعہ تھے۔ وہ

کوفے کے رہنے والے تھے جو شیعوں کا گڑھ تھا۔ پھر اس کا زور شیعوں کی آبادی بصرہ میں شروع ہوا۔ اس طرح یہ ایک شیعہ تحریک تھی جو بعد میں عام مسلمانوں کے درمیان گردش کرائی جاتی رہی۔ البتہ مصلحتاً وہ شیعیت سے اپنی برأت کا اظہار کرتے رہے۔ لیکن شیعہ اور اس کے زائیدہ فرقوں کے عقائد و افکار کی تبلیغ و ترویج کرتے رہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

شیعہ، اس کے زائیدہ فرقوں اور کچھ دوسرے گروہوں کے بنیادی عقائد و افکار اسلام دشمن عناصر عبد اللہ بن سبا اور اس کی ٹولیوں کے شاخسانے کا نتیجہ ہیں۔ صوفیہ نے بھی عبد اللہ بن سبا کے عقائد و افکار سے براہ راست یا شیعہ اور دیگر فرقوں کی معرفت خوب استفادہ کیا ہے۔ اس طرح صوفیہ کے یہاں مسئلہ امامت، وصایت، ولایت، قطبیت ارشادیت، رجال الغیب، اوتاد و ابدال، نقباء و نجباء وغیرہ کے عقائد و افکار اس کی واضح دلیل ہیں۔

صوفیہ نے مسلمانوں کے اندر شیر و شکر ہو کر قلیل المدتی اور طویل المدتی منصوبوں کو زیر عمل لاتے ہوئے اپنے قبیح مذہب کی ترویج و اشاعت میں اول روز سے مشغول رہے ہیں۔ اس کام کے لیے وہ تصنیف و تالیف کا بھی سہارا لیتے رہے ہیں۔ وہ تصوف کو عین اسلام اور اسلام کا جزو لاینفک قرار دینے کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اس کے لیے اپنے ملفوظات اور منقولات کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کے علاوہ ان آیات سے باطنی علوم کشید کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اپنے افکار و عقائد کی سند کے لیے حدیثیں وضع کیں یا وضعی حدیثوں کا خوب سے خوب تر استعمال کرتے رہے ہیں۔ قرآن و احادیث کے احکامات اور ہدایات کو ظاہری علوم قرار دے کر لوگوں میں ان کی وقعت کم کر دینے کی کوششیں بھی ان کے منصوبے کا حصہ رہی ہیں۔

گوکہ شروع کے ادوار میں صوفیہ مسلمانوں کے درمیان ضال، مطعون، مبغوض اور قابل مواخذہ تھے لیکن رفتہ رفتہ بہر حال وہ مسلمانوں میں جذب ہوئی گئے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اپنی مجددیت، وصایت، قطبیت اور امامت کے دعوے کے ساتھ امت مسلمہ کے سرخیل بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری امت ان کی مٹھی میں آگئی اور آج مسلمانوں کے درمیان تصوف کا قابل ملامت اور قابل مواخذہ ہونا تو دور کی بات ہے، ان صوفیہ کی مجددیت، امامت، وصایت اور قطب ارشادیت وغیرہ سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے۔

امت مسلمہ میں اب بھی کوئی معترض اگر تصوف پر اعتراض وارد کرتا ہو تو اس کے لیے صوفیہ اور ان کے ہواخواہوں نے تصوف پر لفظ ”اسلامی“ کا اضافہ کر کے اسے اسلام میں داخل کر دینے کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دلیل یہ ہوتی ہے کہ — ”بے شک ہم غیر اسلامی تصوف کے مخالف ہیں البتہ اسلامی تصوف سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔“ گویا کہ اسلامی تصوف کا انکار دراصل اسلام کے انکار کا مترادف باور کرایا جاتا ہے۔

مذکورہ مباحث کے نتیجے میں حسب ذیل حقائق کا اعتراف کرنا پڑتا ہے:

- (۱) تصوف ایک غیر اسلامی اور باطل مذہب ہی نہیں ہے بلکہ اسلام مخالف مذہب ہونا اس کا امتیاز ہے۔ چنانچہ اسے کلی یا جزوی طور پر درست سمجھنا، اسے اسلام کا جزو ماننا، اسے طریقہ نجات، طریقہ تربیت اور طریقہ تزکیہ وغیرہ ماننا کفر، شرک اور زندقیت ہے۔
- (۲) تصوف کے وضع کردہ عقائد و نظریات، افکار و خیالات، کفر، شرک اور زندقیت ہے۔
- (۳) تصوف کے وضع کردہ زندگی کے اصول و ضوابط، طریقہ ہائے عبادات، ریاضات اور معاملات بے دینی ہی نہیں بلکہ دین سے بغاوت، فسق اور کفر ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں محفوظ ہے، لہذا اسلام محفوظ ہے۔ اسلام کو نہ تو کسی بھی صورت مکرر کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی بھی چیز کا اس میں نفوذ ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (الحجر: ۹)

(بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں)

یہ اور بات ہے کہ کوئی خود ہی اپنی دنیا اور آخرت کو برباد کرنا چاہے تو اسے کیا کیا جاسکتا ہے:

فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّٰ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

(یونس: ۱۰۸)

(اب جو سیدھی راہ اختیار کرے، اس کی راست روی اسی کے لیے مفید ہے اور

جو گم راہ رہے، اس کی گم راہی اسی کے لیے تباہ کن ہے۔)

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا.

حواشی و مراجع

باب ۱: مقدمہ

- ۱۶ سید احمد عروج قادری، تصوف اور اہل تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۴۹
- ۱۷ شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، بینتالیسواں مشاہدہ، ص: ۳۲۷
- ۱۸ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلیل، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۵۲
- ۱۹ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۵۲
- ۲۰ ان لا الہ الا لا معبوداً و لا مقصوداً و لا موجوداً فی نظر ارباب الشہود الا اللہ.
- ۲۱ شاہ عبدالعزیز دہلوی، فتاویٰ عزیزیہ، ص: ۵۸، بحوالہ الطاف احمد اعظمی، وحت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۹۳ء، ص: ۴۹
- ۲۲ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۸۰
- ۲۳ ایضاً ص: ۲۰۷
- ۲۴ ایضاً ص: ۵۶
- ۲۵ ایضاً ص: ۱۰۷
- ۲۶ ایضاً ص: ۱۱۷
- ۲۷ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بمبئی، ۱۳۳۵ھ، ص: ۲۴۰
- ۲۸ ایضاً ص: ۲۴۰
- ۲۹ امام غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۱۶
- ۳۰ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، دسواں مشاہدہ، ص: ۱۲۰
- ۳۱ عبدالکریم جیلی، انسان کامل، ترجمہ: فضل میراں، نفس اکیڈمی، کراچی، ص: ۴۶۵
- ۳۲ ایضاً ص: ۴۲۵
- ۳۳ علی بن عثمان جویری، المعروف بہ داتا گنج بخش، کشف الحجب، ترجمہ محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، طبع دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۳۶
- ۳۴ ایضاً ص: ۲۴۴
- ۳۵ امام غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۴۱۵
- ۳۶ ایضاً ص: ۲۱۶
- ۳۷ ملفوظات مولانا جلال الدین رومی، فیہ وافیہ، ترجمہ: بخش بریلوی، مکتبہ رضویہ، دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۳۱
- ۳۸ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: بخش بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۷۹
- ۳۹ ایضاً ص: ۳۷۹
- ۴۰ ”معنی کلمہ طیبہ نفی عبارت است از راجع گردانیدن کثرت و صور اشیاء باقی عین واحد کہ مقصود و مطلوب ہمہ سالکان است و اثبات عبارت است ہے از مشاہدہ کردن آل عین واحد در ہمہ صور و ایں ہا را عین آل واحد دین“۔ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: بخش بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن، ۲۰۰۲ء، ص: ۶۳۹
- ۴۱ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۱۲، ص: ۱۰۱
- ۴۲ ایضاً باب ۴۳، ص: ۱۹۳

- ۱ پروفیسر خورشید احمد، اشارات، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، جون ۲۰۰۴ء
- ۲ اسپین، نئی دہلی، مئی-جون ۲۰۰۵ء، ص: ۶۱
- ۳ اسپین، نئی دہلی مئی-جون ۲۰۰۵ء، ص: ۱۰
- ۴ روزنامہ دی ٹائمز آف انڈیا، نئی دہلی، مورخہ ۸/فروری ۲۰۰۶ء

باب ۲: عقیدہ توحید ۱ — شرك في الذات

- ۱ شیخ محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ترجمہ محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۳۷۷
- ۲ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء، جلد سوم، دفتر سوم، حصہ ہشتم، مکتوب ۷۷، ص: ۱۴۴۴
- ۳ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ترجمہ محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۵۶
- ۴ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، الفتوحات المکیہ، دار الکتب العربیہ الکبریٰ، مصر، ج: ۱، ص: ۳
- ۵ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ج: ۱، ص: ۱۴، بحوالہ شریعت و طریقت، مولانا عبدالرحمن کیلانی، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۸۴
- ۶ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ترجمہ محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۲۰۳
- ۷ مکتوبات امام ربانی، شیخ احمد سرہندی، ترجمہ محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ پنجم، مکتوب ۲۸۷، ج: ۲، ص: ۷۹۳-۷۹۴
- ۸ امام غزالی، مشکوٰۃ الانوار، ص: ۳۱، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۹۱
- ۹ ملفوظات مولانا روم، فیہ وافیہ، ترجمہ بخش بریلوی، مکتبہ رضویہ، دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۳۱
- ۱۰ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۶۶-۶۷
- ۱۱ شاہ اسماعیل شہید، صراط مستقیم اردو، مکتبہ تھانوی، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۵
- ۱۲ شاہ ولی اللہ دہلوی، انقیہات الالہیہ، ترجمہ محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۵ء، مکتوب مدنی، ص: ۱۷
- ۱۳ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، دسواں مشاہدہ، ص: ۱۲۰
- ۱۴ ایضاً بینتالیسواں مشاہدہ، ص: ۳۲۵
- ۱۵ ایضاً بینتالیسواں مشاہدہ، ص: ۳۲۷

- ۴۳ ایضاً باب ۴۳، ص: ۲۰۱
- ۴۴ ایضاً باب ۵۰، ص: ۲۲۰
- ۴۵ ایضاً باب ۷۷، ص: ۲۹۰
- ۴۶ ایضاً باب ۷۸، ص: ۳۱۷
- ۴۷ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد سوم، دفتر دوم، حصہ دوم، مکتوب ۹۱، ص: ۱۲۰۸
- ۴۸ ایضاً جلد سوم، دفتر سوم، حصہ اول، مکتوب ۳، ص: ۱۲۷۷
- ۴۹ ایضاً جلد اول، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب ۱۵۴، ص: ۳۷۲
- ۵۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: سبحان محمود و محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، طبع اول، ۱۴۱۴ھ، ص: ۵۹۷
- ۵۱ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سطحات، ترجمہ: محمد متین ہاشمی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، بار دوم، ۱۹۸۶ء، سطح ۱، ص: ۵۷
- ۵۲ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد دوم، دفتر دوم، حصہ اول، مکتوب ۴۴، ص: ۱۰۷۳
- ۵۳ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دار الکتاب، دیوبند، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۸
- ۵۴ شیخ اکبر محی الدین، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۴۱۵
- ۵۵ کتاب الطواصین، خلاصہ باب ششم، بحوالہ تاریخ تصوف، علامہ محمد اقبال، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، بار دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۸۹
- ۵۶ شیخ اکبر محی الدین، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۶۳
- ۵۷ مولانا عبدالرحمن جامی، کلیات جامی، کانپور، ۱۹۳۰ء، ص: ۲۵۶
- ۵۸ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۵۲
- ۵۹ سید احمد عروج قادری، تصوف اور اہل تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۹۹
- ۶۰ ایضاً ص: ۲۰۰-۲۰۱
- ۶۱ ابونصر سراج طوسی، اللمع فی التصوف، بحوالہ ڈاکٹر عبدالرحمن الخالق، صوفیاء اور ان کے افکار، ترجمہ: صادق خلیل، مکتبہ ترجمان، دہلی، اشاعت سوم، ۱۹۹۵ء، ص: ۸۰
- ۶۲ ایضاً ص: ۸۰
- ۶۳ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دار الکتاب، دیوبند، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۳
- ۶۴ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بحوالہ ڈاکٹر قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۱۸
- ۶۵ مصطفیٰ حلیمی پاشا، تاریخ تصوف در اسلام، ترجمہ: رئیس احمد جعفری، لاہور، ۱۹۵۰ء، ص: ۲۱۲
- ۶۶ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بمبئی، ۱۳۲۵ھ، ص: ۸۱
- ۶۷ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر کلروی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۵۶
- ۶۸ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بمبئی، ۱۳۲۵ھ، ص: ۱۰۲
- ۶۹ ایضاً ص: ۱۰۲

- ۷۰ ایضاً ص: ۶۸
- ۷۱ ایضاً ص: ۱۰۲
- ۷۲ النور من کلمات طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ، ج ۱، ص: ۳۹، ۱۰۰، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۱۴
- ۷۳ ایضاً ص: ۴۱۵
- ۷۴ ایضاً ص: ۴۱۵
- ۷۵ ایضاً ص: ۴۱۶
- ۷۶ شیخ محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۱۱۴
- ۷۷ النور من کلمات طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ، ج ۱، ص: ۱۴۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی، پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۱۶
- ۷۸ ایضاً ص: ۴۱۷
- ۷۹ مصطفیٰ حلیمی پاشا، تاریخ تصوف در اسلام، ترجمہ: رئیس احمد جعفری، لاہور، ۱۹۵۰ء، ص: ۲۴۲
- ۸۰ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر کلروی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۵۶
- ۸۱ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دار الکتاب، دیوبند، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۴-۲۳۵
- ۸۲ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، لکھنؤ، ۱۹۱۵ء، ص: ۲۳۸
- ۸۳ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۲۲-۴۲۳
- ۸۴ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص: ۶۳
- ۸۵ شیخ ابوبکر محمد الکلاباذی، التعرف لمذہب التصوف، ص: ۱۴۵
- ۸۶ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بمبئی، ۱۳۲۵ھ، ص: ۳۸۶
- ۸۷ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، بار دوم، ۱۹۸۷ء، حاشیہ از مرتب صابر کلروی، ص: ۸۵
- ۸۸ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بمبئی، ۱۳۲۵ھ، ص: ۳۹۰
- ۸۹ امام غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۱۵
- ۹۰ شیخ اکبر محی الدین، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۳۷۷
- ۹۱ ایضاً ص: ۲۸۹
- ۹۲ ایضاً ص: ۱۷۷
- ۹۳ ایضاً ص: ۱۸۰
- ۹۴ ایضاً ص: ۱۰۵
- ۹۵ ایضاً ص: ۱۰۵
- ۹۶ ایضاً ص: ۵۴
- ۹۷ ایضاً ص: ۱۶۷

تصوف ایک باطل مذہب

۳۵۳

حواشی

- ۹۸ ایضاً ص: ۹۳
- ۹۹ شاہ ولی اللہ، انجیبات الالہیہ، ترجمہ: محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء، مکتوب مدنی، ص: ۱۶
- ۱۰۰ ایضاً ص: ۱۹-۲۰
- ۱۰۱ شاہ ولی اللہ دہلوی، سطعات، ترجمہ: سید محمد متین ہاشمی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء، سطحہ نمبر ۸
- ۱۰۲ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفس العارفين، دہلی، ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء، ص: ۹۵، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، باردوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۵
- ۱۰۳ شیخ اکبر محمدی الدین، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۹۴
- ۱۰۴ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد اول، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب ۱۶۰، ص: ۳۸۳-۳۸۴
- ۱۰۵ ایضاً ص: ۳۸۴
- ۱۰۶ ایضاً ص: ۲۸۳
- ۱۰۷ شاہ ولی اللہ دہلوی، مکتوب مدنی، ترجمہ: محمد حنیف، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۶۵ء، ص: ۵-۷
- ۱۰۸ شاہ ولی اللہ دہلوی ”سطعات“ ترجمہ: محمد متین ہاشمی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، باردوم، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۷
- ۱۰۹ شاہ ولی اللہ دہلوی، مکتوب مدنی، ترجمہ: محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص: ۳۰
- ۱۱۰ شاہ اسماعیل شہید، عبقات، ترجمہ: سید مناظر احسن گیلانی، الجذیہ العلمیہ، حیدرآباد، ص: ۹۱
- ۱۱۱ مولانا اشرف علی تھانوی، الكشف عن مہمات التصوف، مطبع قاسمی، دیوبند، ۱۳۲۷ھ، ص: ۶۰
- ۱۱۲ مولانا اشرف علی تھانوی، تعلیم الدین، بحوالہ ابیس احمد نگرانی، تصوف کیا ہے؟ مرتبہ: محمد منظور نعمانی، الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ، چوتھا ایڈیشن ۲۰۰۲ء، ص: ۱۰۲-۱۰۳
- ۱۱۳ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ج ۱، م ۴۳، ص: ۱۴۸، بحوالہ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع دوم، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۳۴
- ۱۱۴ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۴۴
- ۱۱۵ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد دوم، دفتر اول، حصہ پنجم، مکتوب ۲۷۲، ص: ۷۱۶-۷۱۷
- ۱۱۶ ایضاً جلد سوم، دفتر دوم، مکتوب ۸۹، ص: ۱۵۱۰-۱۵۱۱
- ۱۱۷ کلمہ وحدت الوجود کو فارسی زبان میں ’ہمد اوست‘ کہتے ہیں۔
- ۱۱۸ کلمہ وحدت الشہود کو فارسی زبان میں ’ہمد ازوست‘ کہتے ہیں۔
- ۱۱۹ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد سوم، دفتر دوم، مکتوب ۸۹، ص: ۱۵۱۳-۱۵۱۴
- ۱۲۰ ایضاً جلد اول، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب ۳۱، ص: ۱۱۴
- ۱۲۱ مکتوبات شیخ احمد سرہندی ۲۹۰، دفتر اول، بحوالہ شیخ بدر الدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۲۲-۲۳

تصوف ایک باطل مذہب

۳۵۴

حواشی

- ۱۲۲ ایضاً ص: ۲۳
- ۱۲۳ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد سوم، دفتر سوم، حصہ ہشتم، مکتوب ۷۱، ص: ۱۴۴۴
- ۱۲۴ ایضاً جلد دوم، دفتر دوم، حصہ اول، مکتوب ۴۴، ص: ۱۰۷۳-۱۰۷۴
- ۱۲۵ ایضاً جلد اول، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب ۴۳، ص: ۱۶۷
- ۱۲۶ ایضاً ص: ۱۶۷-۱۶۸
- ۱۲۷ سید احمد عروج قادری، تصوف کی تین اہم کتابیں، ہندوستان پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۲ء، ص: ۸۸-۸۹
- ۱۲۸ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد سوم، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مکتوب ۹۵، ص: ۱۲۴۰
- ۱۲۹ مولانا شبلی نعمانی، سوانح مولانا روم، بحوالہ الطاف احمد اعظمی، وحدۃ الوجود — ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، دہلی، ۱۹۹۳ء، ص: ۶۲
- ۱۳۰ علی بن عثمان ہجویری، کشف الحجب، ترجمہ محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۳۰۰
- ۱۳۱ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۲۵۳-۲۵۴
- ۱۳۲ ایضاً ص: ۲۵۴
- ۱۳۳ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر کلوری، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، باردوم، ۱۹۸۷ء، حاشیہ، ص: ۸۵
- ۱۳۴ امام محمد غزالی، مکاشفۃ القلوب، ترجمہ: تقدس علی خاں، رضوی کتاب گھر، دہلی، سال دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۸۵
- ۱۳۵ امام محمد غزالی، مشکوٰۃ الانوار، مصر، ۱۳۲۲ھ، ص: ۱۹
- ۱۳۶ ایضاً ص: ۲۰
- ۱۳۷ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، باردوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۲۵
- ۱۳۸ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، باردوم، ۱۹۸۷ء، حاشیہ از مرتب صابر کلوری، ص: ۶۳
- ۱۳۹ علی بن عثمان ہجویری، کشف الحجب، ص: ۲۱۹-۲۲۰
- ۱۴۰ ملفوظات مولانا جلال الدین رومی، فیہ وافیہ، ترجمہ: بخش بریلوی، مکتبہ رضویہ، دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۱ء، ص: ۳۵۱-۳۵۲
- ۱۴۱ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: بخش بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۳۴۰
- ۱۴۲ ایضاً ص: ۳۴۰-۳۴۱
- ۱۴۳ سید اسماعیل شہید، صراط مستقیم اردو، باہتمام وقار علی ابن مختار علی، مکتبہ تھانوی، دیوبند، طباعت ۱۹۹۸ء، ص: ۲۵
- ۱۴۴ ایضاً ص: ۲۶
- ۱۴۵ خواجہ امیر حسن علاء بخاری دہلوی، فوائد الفوائد، ترجمہ: حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، اشاعت ۲۰۰۱ء، ج ۵، ص: ۱۰۴۷
- ۱۴۶ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، حاشیہ از مرتب، ص: ۸۵
- ۱۴۷ علی بن عثمان ہجویری، المعروف بہ داتا گنج بخش، کشف الحجب، ترجمہ: محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۳۰۰

- ۱۴۸ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۳۴۰
- ۱۴۹ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد سوم، دفتر سوم، حصہ اول، مکتوب ۳۳، ص: ۱۳۵۵-۱۳۵۶
- ۱۵۰ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ صابر کلروی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۶۲۴-۶۸
- ۱۵۱ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۱۸
- ۱۵۲ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، حاشیہ از مرتب صابر کلروی، خلاصہ کتاب الطواستین مصنفہ منصور حلاج، باب ششم، ص: ۸۹-۹۰
- ۱۵۳ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص: ۶۸-۶۹
- ۱۵۴ ایضاً ص: ۷۰
- ۱۵۵ ایضاً ص: ۷۷-۷۸
- ۱۵۶ ایضاً ص: ۷۹-۸۰
- ۱۵۷ ایضاً ص: ۳۸۸
- ۱۵۸ ڈاکٹر ابو العلاء عقیفی، التصوف الثوریۃ الروحیۃ فی الاسلام، دارالشعب، بیروت، ص: ۱۵۰-۱۵۱ و دیگر کتب تصوف
- ۱۵۹ شیخ ابونصر سراج، کتاب الملع، ترجمہ سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص: ۶۶
- ۱۶۰ ایضاً ص: ۶۴
- ۱۶۱ ایضاً ص: ۶۸
- ۱۶۲ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۲۰۱
- ۱۶۳ ایضاً ص: ۲۰۷
- ۱۶۴ ایضاً ص: ۲۶۴

باب ۳: عقیدہ توحید ۲ — شرک فی الصفات

- ۱ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۱۷۳
- ۲ شیخ عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب مع شرح فارسی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مطبع نامی مثنوی نول کشور، مقالہ ۴۶، ص: ۲۷۲
- ۳ شیخ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص: ۱۵۷، بحوالہ سید احمد عروج قادری، تصوف اور اہل تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۱۳
- ۴ علی بن عثمان ہجویری، داتا گنج بخش، کشف المحجوب، ترجمہ: الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت ۱۹۹۲ء، ص: ۴۴۴
- ۵ ایضاً ص: ۳۷۴
- ۶ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، بارسوم، ۱۹۹۸ء، ص: ۸۸-۸۹
- ۷ ایضاً ص: ۱۷۳
- ۸ امیر خورشید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر الاولیاء، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، باب اول، ص: ۱۱۳

- ۹ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۵۸۱
- ۱۰ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۱۴، ص: ۹۸
- ۱۱ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۳۴۷
- ۱۲ ایضاً ص: ۵۸۱
- ۱۳ ایضاً ص: ۷۰۰
- ۱۴ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۴۶، ص: ۲۱۱
- ۱۵ ایضاً باب ۶۰، ص: ۲۳۷
- ۱۶ اسرار الاولیاء، ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر، مرتبہ خواجہ بدرالحق، ترجمہ: غلام بریاں، مطبع مجتہائی، دہلی ۱۹۱۶ء، ص: ۱۱۰-۱۱۱
- ۱۷ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین، ترجمہ: سید محمد فاروق القادری، المعارف، لاہور، ص: ۱۴۱
- ۱۸ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۵۱
- ۱۹ شیخ ابونصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۶۵۵
- ۲۰ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۷۸۸
- ۲۱ ایضاً ص: ۸۱۷
- ۲۲ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۱۴۸-۱۴۹
- ۲۳ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۰۵
- ۲۴ ایضاً ص: ۱۰۵
- ۲۵ ابی عبدالرحمن محمد بن الحسین السلی، طبقات الصوفیہ، ترجمہ امداد اللہ انور، دارالمعارف، ملتان ۲۰۰۴ء، ص: ۱۶۸
- ۲۶ شیخ اکبر مکی الدین، فصوص الحکم، ترجمہ محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ص: ۳۰
- ۲۷ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۱۴، ص: ۱۰۳
- ۲۸ ایضاً ص: ۱۶۵
- ۲۹ ایضاً ص: ۳۶۱
- ۳۰ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۸۸
- ۳۱ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: سبحان محمد اور محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، طبع اول، ۱۴۱۲ھ، ص: ۴۲
- ۳۲ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۱۵۸-۱۵۹
- ۳۳ ایضاً ص: ۲۳۶
- ۳۴ شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، اکتالیسواں مشاہدہ، ص: ۲۷۷
- ۳۵ شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین، ترجمہ سید محمد فاروق القادری، المعارف، لاہور، ص: ۹۳
- ۳۶ شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، چہینتالیسواں مشاہدہ، ص: ۳۲۸-۳۲۹
- ۳۷ امیر خورشید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر الاولیاء، ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، باب اول، ص: ۲۳۶

- ۳۸ فوائد الفوائد، ملفوظات نظام الدین اولیاء، جمع کردہ خواجہ میر حسن علاء بخاری دہلوی، ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۵۶-۱۰۵۷
- ۳۹ ایضاً ص: ۱۰۰۹
- ۴۰ ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ص: ۴۷۶
- ۴۱ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ، محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، طبع اول، ۱۴۱۳ھ، ص: ۴۵
- ۴۲ ایضاً ص: ۵۰
- ۴۳ شیخ احمد سرہندی، مبداء و معاد، بحوالہ حضرات القدس، شیخ بدرالدین سرہندی، ترجمہ: غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۵۸
- ۴۴ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، طبع اول، ۱۴۱۳ھ، ص: ۴۲
- ۴۵ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، مکتوبات صدی، لکھنؤ، ۱۲۸۷ھ، مکتوب ۸۷، ص: ۵۲۶، بحوالہ سید احمد عروج قادری، تصوف اور اہل تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۱۳
- ۴۶ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۱۳
- ۴۷ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۲۰-۱۲۱
- ۴۸ شیخ اکبر محمدی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ص: ۲۰۳
- ۴۹ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتب، دیوبند، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۹۰
- ۵۰ امیر خورشید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر الاولیاء، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن ۲۰۰۴ء، باب دوم، ص: ۳۰۸
- ۵۱ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۱۴، ص: ۱۰۰
- ۵۲ امیر خورشید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر الاولیاء، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، باب ششم، ص: ۵۳۰
- ۵۳ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۷۷، ص: ۲۸۴
- ۵۴ فوائد الفوائد، بحوالہ سید احمد عروج قادری، تصوف کی تین اہم کتابیں، ہندوستان پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۲ء، ص: ۵۷-۵۸
- ۵۵ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۲۹۰
- ۵۶ غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۵۱
- ۵۷ فوائد الفوائد، ملفوظات نظام الدین اولیاء جمع کردہ خواجہ امیر حسن علاء بخاری دہلوی، ترجمہ: خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۴
- ۵۸ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، بحوالہ سید احمد عروج قادری، تصوف کی تین اہم کتابیں، ہندوستان پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۲
- ۵۹ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۱۶۴
- ۶۰ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۸
- ۶۱ شاہ اسماعیل شہید، صراط مستقیم اردو، مکتبہ تھانوی، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۶۶

- ۶۲ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۷۰-۴۷۱
- ۶۳ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، دسواں مشاہدہ، ص: ۱۲۷-۱۲۸
- ۶۴ ایضاً چوالیسواں مشاہدہ، ص: ۲۹۷
- ۶۵ ایضاً چونتیسواں مشاہدہ، ص: ۲۲۹
- ۶۶ امیر خورشید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر الاولیاء، ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، باب اول، ص: ۱۲۷
- ۶۷ ایضاً ص: ۲۰۵
- ۶۸ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۳۶
- ۶۹ امام محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۴، ص: ۵۷۵
- ۷۰ پروفیسر ثار احمد فاروقی، مقدمہ فوائد الفوائد، مرتبہ خواجہ حسن علا بخاری دہلوی، ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۸-۱۰۹
- ۷۱ فوائد الفوائد، ملفوظات نظام الدین اولیاء، مرتبہ: خواجہ میر حسن علا بخاری دہلوی، ترجمہ: خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۱ء، ص: ۷۱
- ۷۲ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، ج ۱، ص: ۱۳۱
- ۷۳ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، گیارہواں مشاہدہ، ص: ۱۴۴-۱۴۵
- ۷۴ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۹۲
- ۷۵ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۹۴
- ۷۶ فوائد الفوائد، ملفوظات نظام الدین اولیاء، مرتبہ خواجہ میر حسن علا بخاری دہلوی، ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۱ء، ص: ۷۱
- ۷۷ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۳۱۳
- ۷۸ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۲۹، ص: ۱۶۰
- ۷۹ ایضاً باب ۷۷، ص: ۲۹۱
- ۸۰ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۸۶۷
- ۸۱ ایضاً ص: ۳۳۰
- ۸۲ ایضاً ص: ۵۱۵، شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۷۹، ص: ۳۲۲
- ۸۳ سید محمد مبارک علوی کرمانی، المعروف بہ امیر خورشید، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن ۲۰۰۴ء، باب اول، ص: ۱۲۶
- ۸۴ ایضاً ص: ۱۲۶
- ۸۵ ہشت بہشت، نظام الدین اولیاء، راحت القلوب، ترجمہ عنصر صابری، پروگریسو بکس، لاہور، بار اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۲۰۶
- ۸۶ ایضاً ص: ۲۰۶
- ۸۷ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول،

حصہ پنجم، مکتوب ۲۹۱، جلد دوم، ص: ۸۳۶-۸۳۷

۸۸. شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۹۳

۸۹. شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلیل، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۳۵

۹۰. شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، ۱۹۹۸ء، ص: ۹۳-۹۴

۹۱. ایضاً ص: ۷۵-۷۶

۹۲. مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب ۱۹۰، جلد اول، ص: ۲۲۸

۹۳. ایضاً جلد اول، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب ۲۲۰، ص: ۲۸۹

۹۴. فوائد الفوائد، ملفوظات نظام الدین اولیاء، مرتبہ امیر حسن علائحی دہلوی، ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی،

۲۰۰۱ء، ص: ۵۰۵

۹۵. علی بن عثمان بجوری، داتا گنج بخش، کشف الحجب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۶۱

۹۶. ایضاً ص: ۳۷۴

۹۷. مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، جلد دوم، دفتر سوم، حصہ اول، مکتوب ۲۸، ص: ۱۰۰۹

باب ۴: عقیدہ رسالت

۱. شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، پینتالیسواں مشاہدہ، ص: ۳۱۹-۳۲۰

۲. مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۲۰۹، ص: ۲۵۸-۲۵۷

۳. امداد المثنیٰ، ملفوظات حاجی امداد اللہ مہاجرکی، مؤلفہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی، ص: ۹۳

۴. شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، پینتالیسواں مشاہدہ، ص: ۳۱۹-۳۲۰

۵. ایضاً ص: ۳۲۲

۶. مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۱۹۲، ص: ۲۳۱-۲۳۲

۷. شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۸۶

۸. شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۳۱۴ھ، ص: ۲۸

۹. شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء،

ص: ۱۸۵-۱۸۶

۱۰. علی بن عثمان بجوری، کشف الحجب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۶۳

۱۱. شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۳۲۴

۱۲. ایضاً ص: ۱۰۹

۱۳. ایضاً ص: ۱۶۴

۱۴. محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ترجمہ: محمد عبدالقدیر صدیقی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بار اول، ص: ۲۳۶

۱۵. شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۳۱۴ھ، ص: ۳۹

۱۶. ایضاً ص: ۴۰

۱۷. مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ دوم، جلد اول، مکتوب ۷۷، ص: ۲۴۰

۱۸. امام ابن تیمیہ، الفرقان، ترجمہ ابوالمکرم عبدالجلیل، مکتبہ ترجمان، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۷۲

۱۹. احیاء علوم الدین، جلد ۴، ص: ۲۸۸

۲۰. تلمیس البلیس، ص: ۳۴۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء،

ص: ۱۶۰۔ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۱

ایضاً ص: ۳۲۴

۲۲. شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۱۴۲

۲۳. لطائف اشرفی، ۱: ۱۷۳-۱۷۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع

مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۹۴-۹۵

۲۴. سید محمد مبارک علوی کرمانی، المعروف بہ امیر خورد، سیر الاولیاء، ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس پیور، لاہور،

پانچواں ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص: ۵۲۹-۵۳۰

۲۵. مولانا محمد سعید اکبر آبادی، ماہنامہ برہان، فروری، ۱۹۵۲ء، ص: ۷

ایضاً ص: ۷

۲۷. رسالہ امدادیہ، تھانہ بھون، شوال، ۱۳۳۵ھ، ص: ۳۴، بحوالہ ڈاکٹر عبداللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق

و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۶۶

۲۸. ریاض السالکین، ص: ۳۷۲، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۴۱-۱۴۲

۲۹. ابونصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۵۶

۳۰. علامہ ابن جوزی، تلمیس البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دار الکتب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۷

۳۱. ابونصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۱۳۱-۱۳۲

۳۲. ابوبکر محمد بن ابراہیم کلابازی، التعرف لمذہب اہل تصوف، ترجمہ: جیر محمد حسن، المعارف، لاہور، ص: ۱۴۴

ایضاً ص: ۱۵۴

۳۴. ایضاً ص: ۱۵۱

۳۵. ایضاً ص: ۱۵۱

۳۶. ایضاً ص: ۱۵۵

۳۷. ایضاً ص: ۱۵۹

۳۸. ابونصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۷۶

- ۳۹ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۵۲۵
- ۴۰ ایضاً ص: ۸۴
- ۴۱ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۱، ص: ۴۹۵
- ۴۲ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ محمد سعید احمد، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر سوم، حصہ اول، جلد سوم، مکتوب ۴، ص: ۱۲۷
- ۴۳ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی، دار الکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۸۳-۳۸۶
- ۴۴ ایضاً ص: ۳۸۶
- ۴۵ امام بدرالدین محمد بن عبد اللہ زکشی، البرہان فی علوم القرآن، ج ۲، ص: ۱۷۰، بحوالہ غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۸۴
- ۴۶ مولیٰ احمد بن مصطفیٰ المعروف بہ طاش کبریٰ زادہ، مفتاح السعاده، ج ۱، ص: ۴۲۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۸۴
- ۴۷ تفسیر شیخ الاکبر، بحوالہ ریاض السالکین، ج ۲، ص: ۷۶
- ۴۸ ایضاً ج ۲، ص: ۷۶
- ۴۹ ایضاً ج ۲، ص: ۷۵
- ۵۰ ایضاً ج ۲، ص: ۷۶
- ۵۱ عبدالکریم جلی، انسان کامل، ص: ۲۱۵، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۵۶-۴۵۷
- ۵۲ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۵۵
- ۵۳ ایضاً ص: ۴۵۸
- ۵۴ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۸۴-۴۸۳
- ۵۵ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲: ۲۲۵، البرہان فی علوم القرآن، ۲: ۱۷۰، مفتاح السعاده، ۱: ۴۲۳-۴۲۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۸۵
- ۵۶ الاتقان فی علوم القرآن، ۲: ۲۳۶، بحوالہ ایضاً ص: ۴۸۶
- ۵۷ راغب الطباخ، تاریخ افکار علوم اسلامی، ترجمہ: افتخار احمد پٹنی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ج ۱، ص: ۲۳۵
- ۵۸ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۳، ص: ۱۴۳
- ۵۹ کشف الخفاء، ۲: ۱۰۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۲۸
- ۶۰ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف حوالہ مذکور، ص: ۵۲۸
- ۶۱ ایضاً ص: ۵۲۸
- ۶۲ الفوائد الجودہ، ص: ۲۸۶، تذکرۃ الموضوعات و قانون الموضوع و الضعفاء، ص: ۱۹۱، تنزیہ الشریعہ، ۲: ۳۰۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف حوالہ مذکور، ص: ۵۲۸
- ۶۳ مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۸-۵۷۹، الفوائد الجودہ، ص: ۴۷-۵۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف حوالہ مذکور، ص: ۵۲۶

- ۶۴ الآثار المرفوعہ، ص: ۴۰ وابعاد، الفوائد الجودہ، ص: ۴۷-۵۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف حوالہ مذکور، ص: ۵۲۶
- ۶۵ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ و الموضوعۃ ۱: ۴۸۰-۴۸۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف حوالہ مذکور، ص: ۵۲۶
- ۶۶ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۴: ۲۴۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف حوالہ مذکور، ص: ۵۲۶
- ۶۷ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۲۶
- ۶۸ المنار المنیف، ص: ۱۳۶، الفوائد الجودہ، ص: ۲۴۵-۲۴۹، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف حوالہ مذکور، ص: ۵۳۲
- ۶۹ المنار المنیف، ص: ۱۳۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۲
- ۷۰ المنار المنیف، ص: ۶۷، الموضوعات الکبیر، ص: ۹۶-۹۷، سفر السعاده علی ہامش کشف الغمہ، ۲: ۲۴۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۳
- ۷۱ المنار المنیف، ص: ۲۷، سفر السعاده علی ہامش کشف الغمہ، ۲: ۲۶۱-۲۶۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۳
- ۷۲ ابن تیمیہ، اقتضاء صراط مستقیم، ص: ۴۰۱، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، ص: ۱۸۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۳
- ۷۳ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، اسلامی تصوف میں باطل نظریات کی آمیزش، مرکز انجمن خدام القرآن، لاہور، بارششم، ۲۰۰۲ء، ص: ۴
- ۷۴ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۶: ۲۴۱-۲۴۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۴۹۹
- ۷۵ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ص: ۱۶۶، المنتظم، ۹: ۱۶۹، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۴۹۹
- ۷۶ مجموع فتاویٰ ۱۰: ۵۵۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۰
- ۷۷ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۶: ۲۸۷، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۰
- ۷۸ عبدالسلام ندوی، الاخلاق عند الغزالی، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۰
- ۷۹ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۶: ۲۴۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۰
- ۸۰ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۱، ص: ۶۶
- ۸۱ ایضاً ج ۱، ص: ۷۱
- ۸۲ ایضاً ج ۱، ص: ۷۸
- ۸۳ ایضاً ج ۱، ص: ۱۳۷
- ۸۴ ایضاً ج ۱، ص: ۳۲۳
- ۸۵ ایضاً ج ۱، ص: ۷۱
- ۸۶ تاریخ بغداد للخطیب، ۳: ۸۹، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۲
- ۸۷ تلخیص البلیس، ص: ۱۶۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۲-۵۰۳
- ۸۸ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۳
- ۸۹ آثار المرفوعہ، ص: ۳۷-۳۹، مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۹، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۳
- ۹۰ تلخیص البلیس، ص: ۱۶۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۴
- ۹۱ تلخیص البلیس، ص: ۱۶۵، مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۸، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۵

تصوف ایک باطل مذہب

۳۶۳

حواشی

- ۹۲ ناصر الدین البانی، بحوالہ عبدالرحمن عبدالخالق، صوفیہ اور ان کے افکار، ترجمہ: محمد صادق خلیل، ادارہ الایمان، دیوبند، ص: ۵۹
- ۹۳ امداد اللہ نور، ترجمہ: طبقات الصوفیہ محمد بن الحسن السلی، دار المعارف، ملتان، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، ص: ۴۲
- ۹۴ لسان المیزان، ۲: ۲۳۸، الدر الکامنه، ۳: ۱۴۱، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۶
- ۹۵ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۹
- ۹۶ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، ص: ۱۲۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۲۹
- ۹۷ سفر السعاده علی ہامش الغمہ، ۲: ۲۴۵-۲۴۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۲۹
- ۹۸ المقاصد الحسنیہ، ص: ۲۳۷، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، ص: ۱۴۱، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۲۹
- ۹۹ امام صفائی، امام ابن حجر عسقلانی، قاضی شوکانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۰
- ۱۰۰ المقاصد الحسنیہ، ص: ۳۲۷، الموضوعات الکبیر، ص: ۵۴، امام ابن تیمیہ اور صفائی نے اسے موضوع کہا ہے۔ الفوائد المجموعہ، ص: ۳۲۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۰
- ۱۰۱ آثار المفوہ، ص: ۳۴-۳۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۱
- ۱۰۲ مجموع فتاویٰ، ۱۱: ۱۱۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۱
- ۱۰۳ یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔ احادیث القصاص، ص: ۶۸، طہرین کی گھڑی ہوئی ہے۔ تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء، ص: ۳۰، مجہول الاسناد ہے۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، ص: ۱۶۲، اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ تذکرۃ الموضوعات والضعفاء، ص: ۳۰، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۲
- ۱۰۴ جواہر غیبی، ص: ۲۸۲، ریاض السالکین، ص: ۹۲، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۶۳
- ۱۰۵ ریاض السالکین، ص: ۳۴۴، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۶۴
- ۱۰۶ ریاض السالکین، ص: ۲۳۶، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۴۶۶
- ۱۰۷ ریاض السالکین، ص: ۲۳۶، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۴۶۶
- ۱۰۸ ملا طاہر یحییٰ، تذکرۃ الموضوعات، ص: ۲۰
- ۱۰۹ امام ابن تیمیہ، الفرقان، ترجمہ ابوالمکرم عبدالجلیل، مکتبۃ تہجد، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱۷
- ۱۱۰ علامہ ابن جوزی، تلخیص ابلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۰۸
- ۱۱۱ ایضاً ص: ۲۷۳
- ۱۱۲ محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ، مصر، ۱۳۲۹ھ، ج ۲، ص: ۲۵۳، شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبۃ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۱۰۷
- ۱۱۳ علامہ ابن جوزی، تلخیص ابلیس، ترجمہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۷۴
- ۱۱۴ محمد لطفی جمعد، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ترجمہ: ڈاکٹر میر ولی محمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع سوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۲۸۴

تصوف ایک باطل مذہب

۳۶۴

حواشی

- ۱۱۵ ملا علی قاری، الموضوعات، ص: ۷۲، بحوالہ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۹۳ء، ص: ۱۸۰-۱۸۱
- ۱۱۶ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۹۳ء، ص: ۱۸۱
- ۱۱۷ ایضاً ص: ۱۸۱
- ۱۱۸ مقدمہ صحیح مسلم، ص: ۱۳-۱۴
- ۱۱۹ الطالۃ الناجیہ، ص: ۷۷، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۳۸
- ۱۲۰ ڈاکٹر غلام قادر لون، حوالہ مذکور، ص: ۵۳۹
- ۱۲۱ ابوطالب مکی، قوت القلوب، ص: ۱۳۵، بحوالہ ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالخالق، صوفیاء اور ان کے افکار، ترجمہ: محمد صادق خلیل، ادارۃ الایمان، دیوبند، ص: ۷۲
- ۱۲۲ ایضاً ص: ۷۴
- ۱۲۳ محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ، ج ۲، ص: ۳۶۵، بحوالہ ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالخالق، صوفیہ اور ان کے افکار، ترجمہ محمد صادق خلیل، ادارۃ الایمان، دیوبند، ص: ۷۲
- ۱۲۴ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، جلد اول، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۰۶
- ۱۲۵ الرسائلہ التشریحیہ، ص: ۵۴، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فرہانی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۳۰-۱۳۱
- ۱۲۶ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۴ھ، ص: ۸۰
- ۱۲۷ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۱۷۲، ص: ۴۰۳
- ۱۲۸ ایضاً ص: ۴۰۴
- ۱۲۹ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۴۱۷-۴۱۸
- ۱۳۰ مکتوبات شیخ احمد سرہندی، جلد اول، دفتر اول، مکتوب ۳۱، ص: ۱۰۲
- ۱۳۱ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبۃ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۱۰۸
- ۱۳۲ شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ساتواں مشاہدہ، ص: ۱۰۵
- ۱۳۳ علی بن عثمان الجوزیری، کشف الحجب، ص: ۳۳۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۱۵۷
- ۱۳۴ ایضاً ص: ۱۵۷
- ۱۳۵ ایضاً ص: ۱۵۷
- ۱۳۶ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفہیمات الالہیہ، ۲: ۲۸
- ۱۳۷ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین، ص: ۵۰
- ۱۳۸ ایضاً ص: ۵۰
- ۱۳۹ ڈاکٹر ابوالعلاء عقیلی، التصوف الثورۃ الروحیۃ فی الاسلام، دارالشعب، بیروت، ص: ۱۲۴

- ۱۴۰ ایضاً ص: ۱۲۳
- ۱۴۱ ڈاکٹر محمد زکی، تصوف اور شیعیت، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری تا مارچ ۱۹۹۴ء جلد ۱۳، شمارہ ۱، ص: ۲۶
- ۱۴۲ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، دائرۃ المعارف، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ج ۲، ص: ۱۹۳
- ۱۴۳ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۲۰۰، ص: ۴۴۵
- ۱۴۴ ایضاً ص: ۴۴۶
- ۱۴۵ ایضاً دفتر اول، حصہ چہارم، جلد دوم، مکتوب ۲۲۹، ص: ۵۳۰
- ۱۴۶ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۳۶
- ۱۴۷ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۵۷
- ۱۴۸ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر دوم، حصہ دوم، جلد سوم، مکتوب ۹۵، ص: ۱۲۱۹-۱۲۲۰
- ۱۴۹ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، الفرقان، ترجمہ: ابوالمکرم عبدالحلیل، مکتبہ ترجمان، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۵
- ۱۵۰ ایضاً ص: ۶۵
- ۱۵۱ ایضاً ص: ۶۹
- ۱۵۲ ایضاً ص: ۱۰۹
- ۱۵۳ ایضاً ص: ۱۷۲-۱۷۱
- ۱۵۴ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۴ھ، ص: ۴۳
- ۱۵۵ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص: ۶۱۵
- ۱۵۶ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۹۶
- ۱۵۷ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۸۸-۸۹
- ۱۵۸ علی بن عثمان بجوری، کشف الحجب، ترجمہ: محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۹۰

باب ۵: عقیدہ آخرت

- ۱ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۱۴۲
- ۲ ایضاً ص: ۶۶
- ۳ ایضاً ص: ۳۲۴
- ۴ ایضاً ص: ۲۶۸
- ۵ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۹۶
- ۶ ایضاً ص: ۴۱۵
- ۷ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، ترجمہ: ارمان سرحدی، فرید بک ڈپو، دہلی، بار اول، ۱۹۸۷ء، ص: ۶۳۰

- ۸ مولانا محمد زکریا، تاریخ مشائخ چشت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۱۵۱
- ۹ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۱۸۹
- ۱۰ ایضاً ص: ۱۵۶
- ۱۱ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۰۹
- ۱۲ امام محمد غزالی، مکاشفۃ القلوب، ترجمہ: تقدس علی خاں، رضوی کتاب گھر، دہلی، طبع دوم، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء، باب ۱۰، ص: ۹۹
- ۱۳ ایضاً ص: ۳۱۸
- ۱۴ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ پنجم، جلد دوم، مکتوب ۳۰۲، ص: ۸۷۶-۸۷۷
- ۱۵ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۳۲۵
- ۱۶ علامہ ابن جوزی، تلخیص الملیس، ترجمہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۹۱
- ۱۷ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۱۹۴
- ۱۸ ایضاً ص: ۳۴۶
- ۱۹ عبدالکریم جیلی، انسان کامل، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۹۹-۵۰۰
- ۲۰ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید الرحمن علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء، ص: ۸۱۷
- ۲۱ امام محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۴، ص: ۵۸۲
- ۲۲ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ دوم، جلد اول، مکتوب ۷۷، ص: ۲۳۹
- ۲۳ علی بن عثمان بجوری، کشف الحجب، ترجمہ محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۴ء، ص: ۶۵۴
- ۲۴ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۵۰۱
- ۲۵ مقربان حق، ص: ۱۵، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۵۰۱
- ۲۶ امام محمد غزالی، مکاشفۃ القلوب، ترجمہ تقدس علی خاں، رضوی کتاب گھر، دہلی، طبع دوم، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء، باب ۲۷، ص: ۱۹۴
- ۲۷ شرف الدین یحییٰ منیری، مکتوبات صدی، ص: ۹۷، بحوالہ ڈاکٹر عبداللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۹۳
- ۲۸ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید الرحمن علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء، ص: ۸۱۵
- ۲۹ ڈاکٹر عبداللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۰-۳۱
- ۳۰ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۳۳۵
- ۳۱ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید الرحمن علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء، ص: ۸۱۸
- ۳۲ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۳۵۳
- ۳۳ فوائد الفوائد، مرتبہ حسن دہلوی، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، علماء اکیڈمی، لاہور، ۳۵۳
- ۳۴ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۶
- ۳۵ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۹۹

- ۳۵ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۵۰۲، علامہ ابن جوزی، تلخیص ابلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۹۰
- ۳۶ ابونصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۲۹۰
- ۳۷ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۴ھ، ص: ۴۹
- ۳۸ ایضاً ص: ۴۹
- ۳۹ ہشت بہشت، نظام الدین اولیاء، راحت القلوب، ترجمہ: غفر صابری، پروگریسو بکس، لاہور، بار اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۱۹-۳۲۰
- ۴۰ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۸
- ۴۱ ایضاً ص: ۸۸
- ۴۲ ایضاً ص: ۸۹۳-۸۹۴

باب ۶: اعمال ۱ — عبادات

- ۱ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۶۷
- ۲ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۵۴۳
- ۳ فوائد الفوائد، ملفوظات نظام الدین اولیاء، امیر حسن علائخیری دہلوی، ترجمہ: حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، اشاعت ۲۰۰۱ء، ج ۴، ص: ۷۷-۷۸-۷۹
- ۴ تذکرۃ الاولیاء، باب ۱۴، ص: ۹۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۸۹
- ۵ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ، ۱: ۹۱، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۳۸۹
- ۶ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ص: ۱۹۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۳۹۱
- ۷ اسلامی تصوف کا مطالعہ، ص: ۶۰-۶۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۳۹۱-۳۹۲
- ۸ فوائد الفوائد، ص: ۱۵۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۳۹۲-۳۹۳
- ۹ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۳۹۳-۳۹۴
- ۱۰ ایضاً ص: ۴۱۰
- ۱۱ علامہ ابن جوزی، تلخیص ابلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۸۹
- ۱۲ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۳۵۴
- ۱۳ ایضاً ص: ۳۶۵
- ۱۴ ایضاً ص: ۳۶۱
- ۱۵ ایضاً ص: ۳۰۴
- ۱۶ امام محمد غزالی، مکاشفۃ القلوب، ترجمہ تقدس علی خاں، رضوی کتاب گھر، دہلی، طبع دوم، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، باب ۱۰، ص: ۹۶، ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۵

- ۱۷ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۶۳۵
- ۱۸ ایضاً ص: ۵۹۲
- ۱۹ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۹۰
- ۲۰ ایضاً حاشیہ از مترجم ڈاکٹر محمد پیر حسن بحوالہ ”شذرات الذہب ۱: ۱۰۴“
- ۲۱ ہشت بہشت، نظام الدین اولیاء، راحت القلوب، ترجمہ: غفر صابری، پروگریسو بکس، لاہور، بار اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۸۷-۱۸۸، عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۴ھ، ص: ۱۲۰، فوائد الفوائد، امیر حسن علائخیری دہلوی، ترجمہ: حسن ثانی نظامی، اردو ایکڈمی، دہلی، اشاعت ۲۰۰۱ء، ج ۱، ص: ۲۰۳-۲۰۴، سید محمد مبارک علوی کرمانی، المعروف بہ امیر خورد، سیر الاولیاء، ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، باب اول، ص: ۱۱۹
- ۲۲ مولانا محمد زکریا، تاریخ مشائخ چشت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۱۲۲
- ۲۳ ایضاً ص: ۱۳۱
- ۲۴ ایضاً ص: ۱۴۹
- ۲۵ ایضاً ص: ۱۷۱
- ۲۶ خزینۃ الاصفیاء، ص: ۱۶۴، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۹۰
- ۲۷ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص: ۵۸۱
- ۲۸ مولانا محمد زکریا، تاریخ مشائخ چشت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۱۴۹
- ۲۹ ایضاً ص: ۱۵۵
- ۳۰ ایضاً ص: ۱۵۸
- ۳۱ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبۃ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۱۵۳
- ۳۲ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۶۲
- ۳۳ ابونصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۲۶۷
- ۳۴ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبۃ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۱۵۳
- ۳۵ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروزی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۶۳۵، ابو نصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۲۶۳
- ۳۶ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۶۳۶-۶۳۷، عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۲۸۵، ابونصر سراج طوسی، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۲۶۳
- ۳۷ ابونصر سراج، کتاب الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۲۶۳

- ۳۸ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: بنس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۵۱۴، شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۳۲۲
- ۳۹ طے کا روزہ وہ ہوتا ہے جس میں افطار صرف پانی سے کرتے ہیں اور یہ کم از کم تین دنوں کا ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال کا۔ اس طرح کا روزہ رکھنا صوفیہ کے یہاں ایک عام رواج بیان کیا جاتا ہے۔
- ۴۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخبار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۴ھ، ص: ۱۱۸
- ۴۱ ابوطالب کی، قوت القلوب، چہارم، ص: ۴۰، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۹۲
- ۴۲ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۴۲-۴۵
- ۴۳ ہشت بہشت، معین الدین چشتی الجیری، انیس الارواح، ترجمہ: عنصر صابری، پروگریسوئکس، لاہور، بار اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۲۴-۲۵
- ۴۴ سید محمد مبارک علوی کرمانی، المعروف بہ امیر خورد، سیر الاولیاء، ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بیورو، لاہور، پانچواں ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۲۷
- ۴۵ ہشت بہشت، فوائد السالکین، فرید الدین گنج شکر، ترجمہ: عنصر صابری، پروگریسوئکس، لاہور، بار اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۵۴
- ۴۶ ایضاً ص: ۱۵۴
- ۴۷ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۱۹
- ۴۸ مکتوبات شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۲۰۹، ص: ۶۶۴
- ۴۹ شاہ اسماعیل شہید، صراط مستقیم، باہتمام وقار علی ابن مختار علی، مکتبہ تھانوی، دیوبند، طبع ۱۹۹۸ء، ص: ۱۹
- ۵۰ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۳، ص: ۱۳۰
- ۵۱ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، ترجمہ: ارمان سرحدی، فرید بک ڈپو، دہلی، بار اول، ۱۹۸۷ء، ص: ۶۶۳، امام قشیری، رسالہ قشیریہ، ص: ۱۰۲، تنبیہ المخترین، ص: ۵۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۴۰
- ۵۲ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۳، ص: ۱۳۰
- ۵۳ علی بن عثمان بجویری، کشف الحجب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۶۳۵
- ۵۴ ایضاً ص: ۶۵۳
- ۵۵ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۱۴
- ۵۶ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۳۵۸، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۱۵
- ۵۷ امام محمد غزالی، مکاشفۃ القلوب، ترجمہ: نقس علی خاں، رضوی کتاب گھر، دہلی، طبع دوم، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، باب ۱۰، ص: ۹۵
- ۵۸ علی بن عثمان بجویری، کشف الحجب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۶۳۶
- ۵۹ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: بنس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۷۰۶

- ۶۰ ایضاً ص: ۸۲۶
- ۶۱ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۴، ص: ۵۷۵
- ۶۲ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۱۱
- ۶۳ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: بنس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۶۸۵
- ۶۴ ابوالنضر سراج، کتاب اللع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۵۴۳
- ۶۵ علی بن عثمان بجویری، کشف الحجب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۶۳۶-۶۳۷
- ۶۶ علامہ ابن جوزی، تلخیص التلخیص، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۷۰
- ۶۷ تنبیہ المخترین، ص: ۱۱۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۴۵
- ۶۸ قوت القلوب، چہارم، ص: ۴۴، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۵۸
- ۶۹ سفینۃ الاولیاء، ص: ۱۴۶، تذکرۃ الاولیاء، باب ۶۷، ص: ۳۰۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۵۱، امام محمد غزالی، کیسائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۵۴
- ۷۰ سفینۃ الاولیاء، ص: ۱۴۶، تذکرۃ الاولیاء، باب ۶۷، ص: ۳۰۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۵۱
- ۷۱ تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۵۵، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۹۱
- ۷۲ احیاء علوم الدین، ص: ۳۹۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۵۲، امام محمد غزالی، کیسائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۵۵
- ۷۳ سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ، ص: ۱۴۱، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۵۲
- ۷۴ خزینۃ الاصفیاء، ص: ۱۶۴، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۹۱
- ۷۵ مولانا محمد زکریا، تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۵۵، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۴۹۱
- ۷۶ صوفیائے نقشبند، ص: ۸۹، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۴۹۱
- ۷۷ سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ، ص: ۳۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۵۱، امام محمد غزالی، کیسائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۵۴
- ۷۸ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۴، ص: ۶۶۳
- ۷۹ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: بنس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۲۰۴
- ۸۰ ایضاً ص: ۲۴۹
- ۸۱ رسالہ قشیریہ، ص: ۲۳۰، کشف الحجب، ص: ۳۰۸، تذکرۃ الاولیاء، باب ۶۸، ص: ۳۸۱، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۵۱
- ۸۲ ابوطالب کی، قوت القلوب، ص: ۱۴۲، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۵۶
- ۸۳ الکواکب الدریہ، ص: ۱۰۶، تنبیہ المخترین، ص: ۸۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۵۶

- ۸۴ تنبیہ المغترین، ص: ۸۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۵۵
- ۸۵ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۵۶
- ۸۶ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۲۴۱
- ۸۷ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۳۱۱
- ۸۸ ہشت بہشت، قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین، ترجمہ: عنصر صابری، پروگریسو بکس، لاہور، بار اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۸۰
- ۸۹ علامہ ابن جوزی، تلخیص ابلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دار الکتب، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۴۴-۳۴۵
- ۹۰ رسالہ قشیریہ، ص: ۱۶۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۶۰
- ۹۱ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۲ھ، ص: ۶۵
- ۹۲ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۵۸
- ۹۳ شاہ اسماعیل شہید، صراط مستقیم، باہتمام وقار علی ابن مختار علی، مکتبہ تھانوی، دیوبند، طباعت ۱۹۹۸ء، ص: ۲۱
- ۹۴ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۲۰۴
- ۹۵ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۵۱-۸۵۲
- ۹۶ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، ارشد برادرز، نئی دہلی، بار اول، ۱۹۸۶ء، باب ۱۳، ص: ۲۴۷
- ۹۷ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۶۶

باب ۷: اعمال ۲ — معاملات

- ۱ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، باب اول، ص: ۹۱، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۶۳، امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۱، ص: ۱۰۴
- ۲ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۱۸۹
- ۳ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ پنجم، جلد دوم، مکتوب ۳۰۲، ص: ۸۷۶-۸۷۷
- ۴ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۳۴
- ۵ شاہ اسماعیل شہید، صراط مستقیم، باہتمام وقار علی ابن مختار علی، مکتبہ تھانوی، دیوبند، طباعت ۱۹۹۸ء، ص: ۲۱
- ۶ علی بن عثمان ہجویری، داتا گنج بخش، کشف المحجوب، ص: ۳۱۷
- ۷ ایضاً ص: ۳۱۸
- ۸ علامہ ابن جوزی، تلخیص ابلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دار الکتب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۳۵۲
- ۹ عوارف المعارف، دوم، ص: ۵۶، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۱
- ۱۰ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ترجمہ شمس بریلوی، ارشد برادرز، نئی دہلی، بار اول، ۱۹۸۶ء، باب ۲، ص: ۳۱۰

- ۱۱ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۶۰
- ۱۲ ایضاً ص: ۶۱
- ۱۳ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۲ھ، ص: ۱۱۸
- ۱۴ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، باب ۱۱، ص: ۶۴
- ۱۵ ایضاً باب ۵۴، ص: ۲۴۷
- ۱۶ کشف المحجوب، ص: ۲۴۱، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۸۰
- ۱۷ الملع فی التصوف، ص: ۲۶۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۸۶
- ۱۸ کشف المحجوب، ص: ۳۱۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۸۶
- ۱۹ ابوطالب مکی، قوت القلوب، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۶۵
- ۲۰ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۹۸-۳۰۱
- ۲۱ امام محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ص: ۶۰، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۲۶۱
- ۲۲ ایضاً ص: ۲۶۱
- ۲۳ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۶۸۸

باب ۸: علم

- ۱ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۰۶
- ۲ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۵۵۳
- ۳ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۳۱۱
- ۴ الرسائل القشیریہ، ص: ۱۶۴، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۱۱۹، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۹۱
- ۵ الرسائل القشیریہ، ص: ۱۴۱، بحوالہ ایضاً ص: ۴۹۲
- ۶ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۴۹۲
- ۷ تلخیص ابلیس، ص: ۳۲۵، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۴۹۳
- ۸ ابو حامد محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید الرحمن علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء، ص: ۳۶
- ۹ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ اول، جلد اول، مکتوب ۶، ص: ۵۰-۵۱
- ۱۰ ابونصر سراج، الملع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۴۲
- ۱۱ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۳، ص: ۳۱

- ۱۲ ایضاً ص: ۳۱
- ۱۳ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۷-۹۸
- ۱۴ شیخ ابوطالب مکی، قوت القلوب، ۱: ۱۹۸، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۴۹
- ۱۵ شیخ محی الدین ابن عربی، فتوحات کبیرہ، ۲: ۲۵۴، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۱۴۹-۱۵۰
- ۱۶ الطبقات الکبریٰ، ۱: ۵۱، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۱۵۰
- ۱۷ ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ص: ۳۷، بحوالہ ایضاً ص: ۱۵۰
- ۱۸ ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ص: ۴۵۷، بحوالہ ایضاً ص: ۱۵۰
- ۱۹ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، حوالہ مذکور، ص: ۱۵۳
- ۲۰ ایضاً ص: ۱۵۴
- ۲۱ شاہ اسماعیل شہید، صراط مستقیم، بہارِ بہار و قاری ابن مختار علی، مکتبہ تھانوی، دیوبند، طباعت ۱۹۹۸ء، ص: ۷۲
- ۲۲ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، جلد اول، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۴-۹۵
- ۲۳ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر سوم، حصہ دوم، جلد سوم، مکتوب ۱۲۳، ص: ۱۶۲۵
- ۲۴ تاریخ مشائخ چشت ص: ۱۵۷، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۹۱
- ۲۵ خزینۃ الاصفیاء، ص: ۶۴، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۲۹۱
- ۲۶ امیر حسن علاء بخاری، فوائد الفوائد، ترجمہ: حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی، اشاعت ۲۰۰۱ء، ج: ۱، ص: ۲۰۳
- ۲۷ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۲۴۴
- ۲۸ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۸۲۱
- ۲۹ ایضاً ص: ۷۱۹
- ۳۰ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۲۹۸
- ۳۱ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج: ۴، ص: ۶۶۵
- ۳۲ ہشت بہشت، معین الدین چشتی جیمیری، انیس الارواح، ترجمہ: عنصر صابری، پروگریسو بکس، لاہور، بار اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۲
- ۳۳ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۲۲۴
- ۳۴ ایضاً ص: ۷۷۶
- ۳۵ علی بن عثمان جویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۱۳- شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۹۵- مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۷۷۶
- ۳۶ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۷۷
- ۳۷ ایضاً ص: ۱۵۴
- ۳۸ علی بن عثمان جویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۶۶-

- شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۱۵۷
- ۳۹ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۴۳۵-۴۳۶
- ۴۰ امام ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج: ۴، ص: ۴۵۰
- ۴۱ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۹۸، ۲۸۷- مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۸۲۵
- ۴۲ شیخ بدر الدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۱۹۱-۱۹۲
- ۴۳ شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، دوسرا مشاہدہ، ص: ۶۲-۶۳
- ۴۴ ایضاً آٹھواں مشاہدہ، ص: ۱۱۴-۱۱۵
- ۴۵ ایضاً نواں مشاہدہ، ص: ۱۱۷-۱۱۸
- ۴۶ ایضاً نواں مشاہدہ، ص: ۱۱۶
- ۴۷ ایضاً نواں مشاہدہ، ص: ۱۱۷
- ۴۸ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۵۵۸-۵۵۹
- ۴۹ علی بن عثمان جویری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۴۴
- ۵۰ ایضاً ص: ۲۷۷
- ۵۱ ایضاً ص: ۲۵۹
- ۵۲ ایضاً ص: ۳۲۶
- ۵۳ ایضاً ص: ۳۲۹
- ۵۴ ایضاً ص: ۳۴۵
- ۵۵ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۱۰۳
- ۵۶ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۲۹۰
- ۵۷ شیخ بدر الدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۸۶
- ۵۸ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر دوم، حصہ دوم، جلد سوم، مکتوب ۵۱، ص: ۱۱۱۴
- ۵۹ ایضاً دفتر اول، حصہ پنجم، جلد دوم، مکتوب ۲۷۲، ص: ۷۲۲
- ۶۰ ایضاً دفتر اول، حصہ پنجم، جلد دوم، مکتوب ۲۷۲، ص: ۷۲۳-۷۲۴

باب ۹: دیگر ارکان تصوف

- ۱ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۹۸
- ۲ علامہ ابن جوزی، تلخیص التلخیص، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۴
- ۳ ایضاً ص: ۲۳۴

تصوف ایک باطل مذہب

۳۷۵

حواشی

- ۴ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، ص: ۲۱۷، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۰۰
- ۵ عبدالرحمن کیلانی شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۰۰
- ۶ امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ: محمد سعید الرحمن علوی، مکتبۃ رحمانیہ، لاہور، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۰ء، ص: ۳۶۳
- ۷ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۳۳۴
- ۸ ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۲۹۳
- ۹ امام محمد غزالی، مکاشفۃ القلوب، ترجمہ: تقدس علی خاں، رضوی کتاب گھر، دہلی، طباعت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، باب ۹۸، ص: ۶۲۸-۶۳۲
- ۱۰ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۴۲-۴۳
- ۱۱ ایضاً ص: ۱۱۸
- ۱۲ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین، ترجمہ: محمد فاروق القادری، المعارف، لاہور، ص: ۱۱۶
- ۱۳ علامہ ابن جوزی، تلخیص التلخیص، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دار الکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۴۱۱
- ۱۴ ایضاً ص: ۳۲۰
- ۱۵ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۱۴۲، ص: ۳۵۹
- ۱۶ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۹۴
- ۱۷ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین، ترجمہ: محمد فاروق القادری، المعارف، لاہور، ص: ۹۱-۹۲
- ۱۸ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۱۹۰، ص: ۴۲۹
- ۱۹ ایضاً، دفتر اول، حصہ سوم، جلد اول، مکتوب ۱۴۲، ص: ۳۵۹
- ۲۰ ایضاً مکتوب ۱۶۶، ص: ۳۹۵
- ۲۱ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۸۹-۹۰
- ۲۲ سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خور، سیر الاولیاء، ص: ۳۷۰
- ۲۳ امیر حسن علائخری، فوائد الفوائد، ص: ۲۹۲
- ۲۴ سید محمد مبارک علوی کرمانی، المعروف بہ امیر خور، سیر الاولیاء، ص: ۳۴۵
- ۲۵ لطائف اشرفی، ۱: ۱۷۳-۱۷۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۹۴-۹۵
- ۲۶ امیر حسن علائخری، فوائد الفوائد، ص: ۳۹۲
- ۲۷ فوائد السالکین، اردو ترجمہ، مکتبہ جام نور، نئی دہلی
- ۲۸ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، اول، ص: ۵۳، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بارودوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۵۸

تصوف ایک باطل مذہب

۳۷۶

حواشی

- ۲۹ ایضاً ص: ۱۵۹
- ۳۰ ایضاً ص: ۱۵۸
- ۳۱ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ص: ۱۹۷، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، حوالہ مذکور، ص: ۱۵۹
- ۳۲ شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، اول، ص: ۵۳، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، حوالہ مذکور، ص: ۱۶۰
- ۳۳ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، ۱: ۱۳۱، مطبع بریل، لیڈن، ۱۹۰۵، بحوالہ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، ہند اسلامی تہذیب اور تصوف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱۳، شمارہ ۴، ص: ۸۶-۸۷
- ۳۴ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ دوم، جلد اول، مکتوب ۶۱، ص: ۲۰۲
- ۳۵ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین، ص: ۹۹، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۲۰
- ۳۶ ابو حامد محمد غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: محمد احسن نانوتوی، مکتبۃ رحمانیہ، لاہور، ج ۴، ص: ۵۷۵
- ۳۷ شاہ اسماعیل شہید، صراط مستقیم، باہتمام وقار علی ابن مختار علی، مکتبۃ تھانوی، دیوبند، طباعت ۱۹۹۸ء، ص: ۲۱-۲۲
- ۳۸ امیر حسن علائخری، فوائد الفوائد، ص: ۲۶۸-۲۶۹، بحوالہ محمد سعود عالم قاسمی، ہند اسلامی تہذیب اور تصوف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱۳، شمارہ ۴، ص: ۸۷-۸۸
- ۳۹ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر دوم، حصہ اول، جلد دوم، مکتوب ۳۰، ص: ۱۰۱۲
- ۴۰ اقتباس الانوار، ص: ۲۹۰، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۲۷
- ۴۱ ریاض السالکین، ص: ۲۳۱، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۲۲۷
- ۴۲ ایضاً ص: ۲۲۷
- ۴۳ عبدالباری، تجدید تصوف و سلوک، کتاب خانہ الفرقان، لکھنؤ، ص: ۴۴۲
- ۴۴ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، القول الجمیل، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۲۴۵
- ۴۵ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۹۲
- ۴۶ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۳۷
- ۴۷ ایضاً ص: ۸۱
- ۴۸ ایضاً ص: ۸۹
- ۴۹ امیر حسن علائخری، فوائد الفوائد، ص: ۱۵۹، بحوالہ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، ہند اسلامی تہذیب اور تصوف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۴ء، جلد ۱۳، شمارہ ۴، ص: ۸۹

باب ۱۰ : اجزائے ترکیبی

- ۱ مولانا محمد منظور نعمانی، تصوف کیا ہے؟ الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ، چوتھا ایڈیشن، ۲۰۰۰ء، ص: ۲

باب ۱۱: خلاف اسلام

- ۱۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۳۱۹
- ۲۔ ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۷۶-۷۷
- ۳۔ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر سوم، حصہ دوم، جلد سوم، مکتوب ۱۲۳، ص: ۱۶۲۵
- ۴۔ ایضاً دفتر سوم، حصہ دوم، جلد سوم، مکتوب ۱۲۳، ص: ۱۶۲۶
- ۵۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، اکیسواں مشاہدہ، ص: ۱۸۰-۱۸۱
- ۶۔ ایضاً ص: ۱۸۱
- ۷۔ ایضاً چوبیسواں مشاہدہ، ص: ۱۸۹
- ۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، التہیبات الہیہ، ص: ۲۸، بحوالہ ڈاکٹر محمد زکی، تصوف اور شیعیت، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری تا مارچ ۱۹۹۴ء، جلد ۱۳، شمارہ ۱، ص: ۲۳-۲۴
- ۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، حجة اللہ البالغہ، ج ۱، ص: ۱۰۹-۱۱۰، بحوالہ ڈاکٹر عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ج ۱، ص: ۹۴-۹۵
- ۱۰۔ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ج ۱، ص: ۹۱
- ۱۱۔ ایضاً ج ۱، ص: ۹۱-۹۲

باب ۱۲: صوفیہ اور امت مسلمہ

- ۱۔ علی بن عثمان بجوری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۶۵
- ۲۔ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر کلوری، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۹
- ۳۔ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۲۹
- ۴۔ علی بن عثمان بجوری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۷۳
- ۵۔ شہاب الدین سروردی، عارف المعارف، ترجمہ: بخش بریلوی، ارشد برادر، نئی دہلی، بار اول، ۱۹۸۶ء، باب ۷، ص: ۲۰۷
- ۶۔ ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۶۳۱
- ۷۔ علی بن عثمان بجوری، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۵۹
- ۸۔ محمد منظور نعمانی، تصوف کیا ہے؟ الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ، چوتھا ایڈیشن، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۱۲
- ۹۔ ایضاً ص: ۳
- ۱۰۔ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۹۵
- ۱۱۔ ایضاً ص: ۲۲۸
- ۱۲۔ ایضاً ص: ۴۰۹
- ۱۳۔ ایضاً ص: ۳۰۴
- ۱۴۔ ایضاً ص: ۴۱۱-۴۱۲

- ۱۵۔ ایضاً ص: ۴۱۱
- ۱۶۔ ایضاً ص: ۲۳۳-۲۳۴
- ۱۷۔ ایضاً ص: ۴۱۲
- ۱۸۔ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر کلوری، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۲۹
- ۱۹۔ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۸۰
- ۲۰۔ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر کلوری، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۵۶
- ۲۱۔ عبدالرؤف المنادی، الکواکب الدرر، ۱: ۲۲۳، میزان الاعتدال ۲: ۳۳، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۶۳
- ۲۲۔ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۱
- ۲۳۔ ایضاً ص: ۲۳۱
- ۲۴۔ ایضاً ص: ۲۳۰
- ۲۵۔ ایضاً ص: ۲۳۱
- ۲۶۔ سید احمد عروج قادری، تصوف اور اہل تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۸۶
- ۲۷۔ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۱
- ۲۸۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۹۱
- ۲۹۔ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ پنجم، جلد دوم، مکتوب ۲۹۰، ص: ۸۲۸-۸۲۹
- ۳۰۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۱۸۰
- ۳۱۔ علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتاب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۳
- ۳۲۔ ایضاً ص: ۲۳۳-۲۳۴
- ۳۳۔ ایضاً ص: ۲۳۴
- ۳۴۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۵۳
- ۳۵۔ ایضاً ص: ۳۶۱
- ۳۶۔ مولانا عبدالرحمن جامی، فحاشات الانس، ترجمہ: بخش بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۲۲۷
- ۳۷۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۱۹۱
- ۳۸۔ ایضاً ص: ۲۶۱
- ۳۹۔ ایضاً ص: ۲۲۱
- ۴۰۔ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی، پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۶۵
- ۴۱۔ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۱۷
- ۴۲۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبہ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۲۳۰
- ۴۳۔ ایضاً ص: ۳۶۸

- ۴۴ ایضاً ص: ۱۸۱
- ۴۵ ایضاً ص: ۳۶۱
- ۴۶ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۸۷
- ۴۷ ایضاً ص: ۱۸۱
- ۴۸ دائرۃ المعارف، ج ۱۱، ص: ۴۷۰، زیر عنوان شہاب الدین سہروردی المقتول، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، حوالہ مذکور، ص: ۱۸۱
- ۴۹ فتوحات فیروز شاہی، ص: ۶، بحوالہ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، ہند اسلامی تہذیب اور تصوف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۷۹
- ۵۰ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۸۱
- ۵۱ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، بحوالہ شیخ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۱۹۹۹ء، ص: ۱۱۸
- ۵۲ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ و دعوت و عزیمت، دائرۃ المعارف، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ج ۲، ص: ۱۹۳
- ۵۳ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء جلد سوم، دفتر دوم، حصہ اول، مکتوب ۳۳، ص: ۱۳۵۵-۱۳۵۶
- ۵۴ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۲ء، ص: ۳۸۸
- ۵۵ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۲۸
- ۵۶ سید احمد عروج قادری، تصوف اور اہل تصوف، مرکزی مکتبۃ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۸۶-۱۸۸
- ۵۷ علامہ ابن جوزی، تلخیص التلخیص، ترجمہ: ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی، دارالکتب، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص: ۲۲۸
- ۵۸ ایضاً ص: ۲۲۹
- ۵۹ ایضاً ص: ۲۲۹
- ۶۰ ایضاً ص: ۲۲۹
- ۶۱ ایضاً ص: ۲۲۹
- ۶۲ ایضاً ص: ۲۲۹
- ۶۳ ایضاً ص: ۲۲۹-۲۳۰
- ۶۴ ایضاً ص: ۲۳۰
- ۶۵ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۰۶
- ۶۶ ایضاً ص: ۱۹۷
- ۶۷ سید احمد عروج قادری، تصوف اور اہل تصوف، مرکزی مکتبۃ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۴۷-۳۴۸
- ۶۸ ابوالنصر سراج، اللع فی التصوف، ترجمہ: سید اسرار بخاری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۲۹۰
- ۶۹ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۹۰-۳۹۱

- ۷۰ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبۃ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۶۶
- ۷۱ طالب حسین سیال، رسالہ فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۴، شمارہ ۱، ص: ۵۴
- ۷۲ امداد اللہ نور، ترجمہ: طبقات الصوفیہ، مصنفہ محمد بن الحسین السلسلی، دارالمعارف، ملتان، ۱۹۲۵ھ/۲۰۰۴ء، ص: ۴۵
- ۷۳ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، مکتبۃ اعزازیہ، دیوبند، ص: ۱۴۴
- ۷۴ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ترجمہ: محمد فاضل، ادبی دنیا، دہلی، اشاعت اول، ۱۴۱۴ھ/۱۲۳-۱۲۳۳
- ۷۵ ایضاً ص: ۱۴۶
- ۷۶ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر دوم، حصہ دوم، جلد سوم، مکتوب ۹۲، ص: ۱۲۱۳
- ۷۷ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، مکتبۃ ۱۸۶۹ء، ۲: ۲۵۸، بحوالہ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، ہند اسلامی تہذیب اور تصوف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱۳، شمارہ ۴، ص: ۸۷-۸۸
- ۷۸ شیخ صادق عروج، بحوالہ راجب الطباخ، تاریخ افکار و علوم اسلامی، ترجمہ: افتخار احمد بلخی، مرکزی مکتبۃ اسلامی، دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ج ۲، ص: ۳۵۷
- باب ۱۳: تصوف کی حقیقت اور اس کا ارتقاء**
- ۱ طالب حسین سیال، رسالہ فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۴، شمارہ ۱، ص: ۴۵
- ۲ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی، تاریخ التصوف الاسلامی من البدایۃ حتی نہایۃ القرن الثانی، وکالت المطبوعات، الکویت، الطبعة الاولى، ۱۹۷۵ء، ص: ۹
- ۳ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر گلپوری، مکتبۃ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۴
- ۴ ایضاً ص: ۵۴
- ۵ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، کتب خانہ حمیدیہ، دہلی، ج ۲، ص: ۳۵۹
- ۶ ایضاً ج ۲، ص: ۴۱۲
- ۷ ایضاً ج ۲، ص: ۴۱۲
- ۸ ایضاً ج ۲، ص: ۴۱۳
- ۹ ایضاً ج ۲، ص: ۴۱۴
- ۱۰ ایضاً ج ۲، ص: ۵۸۹
- ۱۱ دی ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری آف کرنت انگلش، طبع دوم، ۱۹۶۳ء، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن
- ۱۲ ایضاً
- ۱۳ ایضاً
- ۱۴ ابوریحان البیرونی، کتاب البہد، ص: ۱۶، بحوالہ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۹۳ء، ص: ۲۰-۲۱
- ۱۵ محمد لطیف جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ترجمہ: ڈاکٹر میرولی محمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع سوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۲۶۹

- ۱۶ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۷
- ۱۷ ایضاً ص: ۱۸
- ۱۸ ایضاً ص: ۱۹-۲۳
- ۱۹ ایضاً ص: ۲۶-۲۷
- ۲۰ ایضاً ص: ۱۸-۱۹
- ۲۱ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر محمد پیر حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص: ۵۰۹
- ۲۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء تا ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء بذیل مادہ تصوف (۱) ج ۶، ص: ۴۱۹
- ۲۳ ایضاً (۲) ج ۶، ص: ۴۲۹
- ۲۴ ڈاکٹر زکی نجیب، جابر بن حیان، ص: ۱۶، بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۴
- ۲۵ عربی زبان و ادب کا مشہور ماہر شخص تھا۔ اپنے زمانے کے جملہ علوم میں مہارت رکھتا تھا
- ۲۶ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع مکرر، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۶
- ۲۷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء تا ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء بذیل مادہ تصوف (۱) ج ۶، ص: ۴۱۹
- ۲۸ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۹-۲۰
- ۲۹ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۰
- ۳۰ ڈاکٹر ابوالعلاء عقیفی، التصوف الثورۃ الروحیۃ فی الاسلام، دار الشعب، بیروت، ص: ۲۹
- ۳۱ پروفیسر لطیف اللہ، تصوف اور سرگزیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص: ۴۰-۴۱
- ۳۲ ایضاً ص: ۴۳
- ۳۳ ایضاً ص: ۴۳
- ۳۴ ایضاً ص: ۴۴
- ۳۵ ایضاً ص: ۵۱
- ۳۶ یونس ایڈووکیٹ، البیات، تصوف اور علم کلام، خان بک کمپنی، لاہور، ص: ۱۴۲
- ۳۷ ایضاً ص: ۱۴۳
- ۳۸ ایضاً ص: ۹۲
- ۳۹ ایضاً ص: ۹۰
- ۴۰ ڈاکٹر ابوالعلاء عقیفی، التصوف الثورۃ الروحیۃ فی الاسلام، دار الشعب، بیروت، ص: ۲۹
- ۴۱ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی، تاریخ التصوف الاسلامی من البدایہ حتی نہایہ القرن الثانی، وكالة المطبوعات، الکویت، الطبعة الاولى، ۱۹۷۵ء، ص: ۳۱-۳۲

- ۴۲ ایضاً ص: ۳۵
- ۴۳ ایضاً ص: ۳۶
- ۴۴ توریث کا پہلا باب، کتاب پیدائش
- ۴۵ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی، تاریخ التصوف الاسلامی من البدایہ حتی نہایہ القرن الثانی، وكالة المطبوعات، الکویت، الطبعة الاولى، ۱۹۷۵ء، ص: ۴۰-۴۱
- ۴۶ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۹۳ء، ص: ۳۲-۳۴
- ۴۷ علامہ محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ: صابر کلوری، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۰
- ۴۸ ایضاً ص: ۵۳
- ۴۹ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، ہند اسلامی تہذیب اور تصوف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۴ء، ص: ۷۸-۷۹
- ۵۰ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۹۳ء، ص: ۳۵
- ۵۱ ڈاکٹر ایس این گپتا، تاریخ ہندی فلسفہ، ترجمہ: شیوموہن لال ماتھر اور ویدانت بھوشن، گیتا ۶-۱۵، بحوالہ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۹۳ء، ص: ۳۷
- ۵۲ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، حوالہ مذکور، ص: ۳۹-۴۰
- ۵۳ علی بن عثمان ہجویری، داتا گنج بخش، کشف المحجوب، ترجمہ: محمد الطاف نیروی، فرید بک ڈپو، دہلی، اشاعت دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰۶-۲۰۷
- ۵۴ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ پنجم، جلد دوم، مکتوب ۲۸۲، ص: ۵۳
- ۵۵ شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، گیارہواں مشاہدہ، ص: ۱۳۳-۱۳۴
- ۵۶ عبدالقدوس گنگوہی، مکتوبات قدوسیہ، مطبع احمدی، دہلی، ص: ۳۰۵
- ۵۷ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء اردو، کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، ص: ۳۳۱
- ۵۸ ایضاً ص: ۱۶۷
- ۵۹ امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی، الملل والنحل، بحوالہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، مرکز انجمن خدام القرآن، لاہور، بارششم، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۱
- ۶۰ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، حوالہ مذکور، ص: ۲۱
- ۶۱ ایضاً ص: ۲۲
- ۶۲ ڈاکٹر محمد یوسف نگرامی، حقیقت رافضیت، ترجمہ: محمد شعیب نگرامی، الدار العلمیہ، دہلی، اشاعت ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ص: ۹۲-۹۳
- ۶۳ ایضاً ص: ۹۳
- ۶۴ ایضاً ص: ۹۹
- ۶۵ ایضاً ص: ۱۰۱
- ۶۶ ڈاکٹر محمد زکی، تصوف اور شیعیت، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری تا مارچ ۱۹۹۴ء، جلد ۱۳، شمارہ ۱، ص: ۲۷-۲۸

- ۶۷۔ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص: ۸۴-۹۹، بحوالہ ڈاکٹر محمد زکی، تصوف اور شیعیت، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، حوالہ مذکور، ص: ۲۸-۳۰
- ۶۸۔ ڈاکٹر محمد زکی، تصوف اور شیعیت، حوالہ مذکور، ص: ۳۰
- ۶۹۔ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ج ۳، مکتوب ۱۲۳، بحوالہ عبدالرحمن کیلانی، شریعت و طریقت، مکتبۃ السلام، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۳۱-۲۳۲
- ۷۰۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، جمعات، ص: ۲۵، بحوالہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۵۵
- ۷۱۔ مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی، ترجمہ: محمد سعید احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۶ء، دفتر اول، حصہ چہارم، جلد دوم، مکتوب ۲۵۱، ص: ۵۷۶
- ۷۲۔ مقامات مظہری، مؤلفہ شاہ غلام علی دہلوی، مطبع احمدی، دہلی، ۱۲۶۹ھ، ص: ۱۲۷
- ۷۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، دسواں مشاہدہ، ص: ۱۲۷-۱۲۸
- ۷۴۔ ایضاً ص: ۱۸۳
- ۷۵۔ ڈاکٹر محمد زکی، تصوف اور شیعیت، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری تا مارچ ۱۹۹۴ء، جلد ۱۳، شمارہ ۱، ص: ۳۸
- ۷۶۔ ایضاً ص: ۱۹
- ۷۷۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی، تاریخ التصوف الاسلامی من البدایہ حتی نہایہ القرن الثانی، وكالة المطبوعات، الکویت، الطبعة الاولى، ۱۹۷۵ء، ص: ۲۱۸-۲۱۹
- ۷۸۔ ایضاً ص: ۲۲۱-۲۲۲
- ۷۹۔ ایضاً ص: ۲۲۵-۲۲۶
- ۸۰۔ ایضاً ص: ۲۶۵-۲۶۴
- ۸۱۔ ایضاً ص: ۲۶۶
- ۸۲۔ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، ص: ۱۷۹
- ۸۳۔ یونس خاں ایڈووکیٹ، الہیات، تصوف اور علم کلام، خان بک کمپنی، لاہور، ص: ۹۳
- ۸۴۔ مولانا عبدالرحمن جامی، نجات الانس، ترجمہ: شمس بریلوی، دانش پبلشنگ کمپنی، نئی دہلی، ایڈیشن ۲۰۰۴ء، حاشیہ از مترجم، ص: ۱۸۰
- ۸۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، جمعات، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، جمہور بک ڈپو، دیوبند، اشاعت ۱۹۹۸ء، ص: ۴۵
- ۸۶۔ ایضاً ص: ۴۶

☆☆☆

مصنف کی دیگر کتابیں

- ☆ توضیح القرآن، جلد اول (تفسیر سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ چار رکوعات)
- ☆ نظام عالم اور امت مسلمہ
- ☆ کلمہ شہادت
- ☆ طاغوت - جسے پوشیدہ رکھنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔